مرزا عصمت اللہ بیگ

متفرقات

مرتب: وقار خلیل

عصمت میموریل پبلیکیشنز کمیٹی حیدرآباد

متاعِ ظرافت

مضامین مرزا عصمت اللہ بیگ مرحوم

ترتیب وقار خلیل

جملہ حقوق بحق عصمت میموریل پبلی کیشنز کمیٹی محفوظ

اشاعت اول: فروری ۱۹۸۵ء (تعداد: ۵۰۰)
کتابت : عقیل الرحمٰن
طباعت : نیشنل فائن پرنٹنگ پریس، چار مینار حیدرآباد
سرورق : غوث محمد
قیمت : پندرہ (۱۵) روپے
ناشر : عصمت میموریل پبلی کیشنز کمیٹی
8/1 34-2-10، آصف نگر، حیدرآباد ۵۰۰۰۲۸

بہ اعانت
ایچ۔ ای۔ ایچ۔ دی نظامس اردو ٹرسٹ! دی ٹرسٹ حیدرآباد
اردو اکیڈیمی آندھرا پردیش حیدرآباد

ملنے کے پتے:

- وقار خلیل معرفت ایوانِ اردو، پنجہ گٹہ روڈ، حیدرآباد
- دفتر نیوز ٹرسٹ آف انڈیا۔ مکرم جاہی روڈ، حیدرآباد
- حسامی بکڈپو، مچھلی کمان، حیدرآباد
- الیاس ٹریڈرس شاہ علی بنڈہ روڈ، حیدرآباد
- مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی / بمبئی / علی گڈھ

www.taemeernews.com

ترتیب

پیش لفظ	نواب طاہر علی خاں	۴
یادِ عصمت	جناب فضل الرحمٰن	۸
عرضِ حال	جناب مصطفیٰ شروانی	۱۳
تاثرات	جناب خواجہ محی الدین	۱۶
تمہید	مرزا عصمت اللہ بیگ	۱۷
ظرافت کیا ہے؟	" " " "	۱۹
حاضر جوابی	" " " "	۶۱
عربوں کی ظرافت	" " " "	۹۹
	پرانے ناٹک	
اندر سبھا سے پہلے اور بعد	مرزا عصمت اللہ بیگ	۱۲۳
	ادبی خاکے	
معشوق علی خاں جوہر	مرزا عصمت اللہ بیگ	۱۳۹
عظمت اللہ خاں مرحوم	" " " "	۱۶۹
فرحت کی زندگی کے چند پہلو	" " " "	۱۸۰
سجاد مرزا	" " " "	۲۰۷
تاثرات	ڈاکٹر زینت ساجدہ	۲۲۲
	جناب ایس اے شکور	۲۲۳
حرفِ آخر	وقار خلیل	۱۲۴

www.taemeernews.com

پیش لفظ

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ مزاح نگار قوم کا معمار ہوتا ہے' جو اپنے مزاحیہ مضامین اور تحریروں کے ذریعہ قوم کی سماجی اور معاشرتی زندگی میں ایک خاموش انقلاب لاتا ہے۔ مزاح نگار کے زورِ قلم کی کوئی حد اور انتہا نہیں ہوتی۔! وہ ایک طوفان کی طرح قومی زندگی میں تلاطم برپا کرتا ہے' محفلِ غم کو بزمِ مسرّت میں بدلنا اس کا ایک ادنیٰ سا کرشمہ ہوتا ہے۔ وہ قوم کا نبض شناس ہوتا ہے اور فطرتِ انسانی کا کوئی گوشہ اس کے فہم و ادراک کی رسائی سے باہر نہیں۔

مزاح نگاری ایک مشکل اور نازک فن ہے' فطری رجحان' نفسیاتی مطالعہ' بے باکی' بے ساختگی' نکتہ رسی' زبان دانی اور برجستگی' مزاحیہ نگاری کے لوازمات میں داخل ہیں' جس کے بغیر کوئی مزاح نویس' اوجِ ترقی پر نہیں پہونچ سکتا' جس مزاحیہ نگار ادیب میں یہ خوبیاں نہیں ہوتیں اس کی تحریر اور طرزِ نگارش میں لطافت نہیں ہوتی۔ بناوٹ اور آورد کا پہلو اس طرح نمایاں ہوتا ہے

www.taemeernews.com

کہ ان کی ظرافت بارِ گراں بن جاتی ہے' اگرچیکہ اُردو زبان کے ہر دور میں مزاح لکھنے والوں کی قابلِ لحاظ کمی رہی ہے' پھر بھی یہ کہنا حقیقت سے دور نہیں کہ سرزمینِ ہند نے کئی ایسے بلند پایہ مزاح نگار ادیب پیدا کئے جن کے بیش بہا خدمات کی بدولت ہندوستان کی سماجی اور معاشرتی زندگی میں نمایاں اصلاح و ترقی ہوئی' جن پر اُردو ادب بجا طور پر فخر کر سکتا ہے۔

اس سلسلہ میں پنڈت رتن ناتھ سرشار' پنڈت تربھون ناتھ ہجر' میرزا مچھو بیگ ستم ظریف' احمد علی شوق' محمد حسین آزاد بابو جواہر پرشاد برق اور اکبر الہ آبادی قابلِ ذکر ہیں جن کو صفِ اوّل کے مزاح نگاروں میں گنا جاتا ہے۔ ان صاحبانِ کمال نے اس زمانے میں جب فرنگی تہذیب کی بدولت ہندوستانی سماج' معاشرت اور اخلاق میں طرح' طرح کی بُرائیاں پیدا ہوتی جارہی تھیں اپنے مزاحیہ مضامین اور طنزیہ نظموں کے ذریعہ قوم کے سوئے ہوئے شعور کو جھنجھوڑا اور اس پستی کا احساس دلایا' جس میں وہ دھنسے جارہے تھے۔

اُردو ادب کے پچھلے چار دھوں میں فنِ مزاحیہ نگاری کو ترقی کی اونچی منزلوں پر پہنچانے اور اس کو نئی صورت گری عطا کرنے میں میرزا فرحت اللہ بیگ' پروفیسر رشید احمد صدیقی' میرزا عظیم بیگ چغتائی' سندباد جہازی' ایم اسلم' شوکت تھانوی' ملا رموزی' کنہیا لال کپور' احمد شاہ پطرس بخاری اور میرزا عصمت اللہ

www.taemeernews.com

بیگ نے نمایاں حصہ لیا۔

مرزا عصمت اللہ بیگ بحیثیت مزاح نگار، ادیب و شاعر ادبی دنیا میں اپنا ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔

عصمت اللہ بیگ ۲۰ مارچ ۱۸۹۶ء کو دہلی کے ایک شریف خاندان میں پیدا ہوئے، کم عمری میں حیدرآباد آئے۔ تعلیم و تربیت اور ملازمت کا زمانہ حیدرآباد ہی میں گذرا، میرزا صاحب خلیق، سنجیدہ اور شگفتہ مزاج تھے، جس کی وجہ سے حیدرآباد کے علمی، ادبی طبقے میں ہر دل عزیز اور مقبول خاص و عام رہے، جس محفل میں جاتے وہ رونقِ محفل بن جاتے، طنز و مزاح آپ کی فطرت میں داخل تھا، ان کا مزاحیہ کلام ہو یا کہ مزاحیہ مضمون جہاں دلچسپی کا سامان پیدا کرتا ہے وہیں طنز کی ہلکی ہلکی چٹکیاں بھی لیتا ہے۔

مزاح نگاری اور طنزیہ شاعری مرزا صاحب کا نمایاں وصف رہا ہے، سنجیدہ مضامین کو مزاح کے پیرایہ میں اس خوبی سے ادا کرتے کہ لطافت اور شگفتگی کے پہلو میں کوئی فرق نہیں آتا۔ میرزا صاحب کی مزاح نگاری کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ آپ کی ظرافت اخلاقی معیار سے کبھی گرنے نہیں پاتی اور پختہ تعمیری اور اصلاحی مقصد پیشِ نظر رہا۔

میرزا صاحب کے ادبی کارنامے ہندوستان اور حیدرآباد کی

www.taemeernews.com

ادبی دنیا میں محتاجِ تعارف نہیں ہیں آپ کو بحیثیت مزاح نگار، شاعر، مدیر اور ڈرامہ نویس امتیازی شہرت حاصل ہے۔ انھوں نے بے شمار مضامین اور انگنت نظمیں اور غزلیں لکھی ہیں جن سے آپ کی ذہانت، مہارت اور کمالِ فن کا اظہار ہوتا ہے۔

عصمت اللہ بیگ اگرچہ صرف اُردو کے ادیب تھے لیکن دوسری زبان والے بھی ان کی علمی خدمات سے بخوبی واقف ہیں۔ میرزا صاحب حیدرآباد کے ان ادیبوں میں سے تھے، جو ریڈیو، رسالوں اخباروں اور ادبی جلسوں میں اپنے مضامین کی وجہ سے ادبی دنیا میں مقبول اور طنز و مزاح کی چاشنی سے عوام کے محبوب ادیب بن گئے تھے۔ بہرحال مرزا عصمت اللہ بیگ حیدرآباد کی ادبی محفلوں کے روحِ رواں رہے۔ وہ اپنے ادبی کارناموں کی وجہ سے آج بھی زندہ ہیں میرے خیال میں ان کی یاد کو تازہ رکھنے میں اس سے بہتر بات اور کوئی نہیں ہے کہ ان کی غیر مطبوعہ تحریروں اور تصانیف کو زیورِ طباعت سے آراستہ کیا جائے۔

مجھے اُمید ہے کہ ہمارے ملک کے ممتاز ادیب مرزا عصمت اللہ بیگ کے اس مجموعہ مضامین یعنی "متاعِ ظرافت" کا اہلِ علم اور صاحبِ ذوق حضرات پوری دلچسپی سے مطالعہ کریں گے۔

یکم جنوری ۱۹۸۵ء
علی کالیج، حیدرآباد۔

نواب طاہر علی خان
صدر نشین اقلیتی کانگریس

www.taemeernews.com

یادِ عصمت

فضل الرحمٰن سابق پرووائس چانسلر مسلم یونیورسٹی۔ علی گڈھ

مرزا عصمت اللہ بیگ جنھیں اہل حیدرآباد عصمت اور اہل دہلی عصمت اور بقول ان کے بعض لندن پلٹ دوست اسمتھ کہا کرتے تھے اردو کے اُن زندہ دل ادیبوں میں سے تھے جن کی شرکت کے بغیر کوئی مشاعرہ ادبی محفل اور خانگی صحبت پُر لطف نہیں ہو سکتی تھی۔ مشاعروں میں جب وہ اپنی مزاحیہ نظمیں سناتے یا جلسوں میں ظریفانہ تقریریں کرتے، خانگی صحبتوں میں ہنسی مذاق سے فقرے کستے تو اہل مجلس ہنستے ہنستے لوٹ جاتے تھے۔ اخبار اور ریڈیو پر بھی ان کے مضامین کا یہی رنگ ہوتا تھا۔ وہ ہر بات میں مذاق کا پہلو نکال لیتے تھے۔ ہر چیز انھیں مضحک نظر آتی تھی۔ میں ان سے ۱۹۱۷ء میں پہلی بار ملا تھا جب ہم سب چادر گھاٹ ہائی اسکول میں پڑھتے تھے۔ اور وہ آل سینٹس اسکول سے دوڑے دوڑے ہمارے مدرسہ کو چلے آتے اور ہم سے گپ شپ لڑاتے تھے۔ پڑھائی کا انھیں کبھی بھی شوق نہیں رہا البتہ لکھنے کا بیحد شوق تھا سب سے پہلی ملاقات میں انھوں نے اپنی تازہ تصنیف "اجمیر کا سفر" سنائی یہ ایک بیوقوف مولوی صاحب کا سفرنامہ تھا۔ جس میں عجیب وغریب حماقتیں اور مزے مزے کی حکایتیں درج تھیں مارے ہنسی کے ہم سب طالب علموں کی جان نکلی جا رہی تھی اور وہ بہت ہی سنجیدہ صورت بنائے پڑھے جا رہے تھے پھر اس کے بعد کچھ اپنے مدرسے کے لطیفے سنانے لگے کہ،

www.taemeernews.com

کس طرح استادوں کی آنکھ بچا کر سگریٹ کے کش لگائے جاتے تھے۔ کلاس سے غائب ہو کر کلاس کی حاضری ڈلوانے کے کون سے طریقے کارگر ہو سکتے ہیں اپنی شرارتیں دوسروں کے سر کس طرح تھوپی جا سکتی ہیں وغیرہ

اس دن سے پچھلے سال تک پورے ۳۷ برس ہوئے ہیں۔ اس طویل مدت میں زمانے نے کیسے کیسے رنگ بدلے پہلی بڑی لڑائی ختم ہوئی۔ ہندوستان بیدار ہوا۔ قومی تحریک سارے ملک میں پھیل گئی۔ ترک موالات اور سیول نافرمانی کے سلسلے میں لاکھوں اہل وطن نے قربانیاں دیں۔ اصلاحات ہوئے ذرا تہیں بنیں اور ٹوٹیں معاشی بحران آئے۔ دوسری بڑی لڑائی چھڑی، بنگال کا قحط پڑا۔ نازی اور فاشسٹی نظام فنا ہو گیا۔ ہندوستان کو آزادی ملی۔ خانہ جنگی میں لاکھوں گھر تباہ ہوئے ان انقلابات کا سب پر اثر پڑا کوئی اُن کی زد سے بچ نہیں سکتا تھا ہر شخص اپنی اپنی طبیعت کے مطابق ان عہد آفریں تبدیلیوں کے بارے میں سوچتا اور رائے دیتا تھا۔ ان حادثات زمانے کے علاوہ، ہر فرد کی زندگی میں بھی کچھ خانگی مشکلات پیش آئی ہیں۔ کچھ بیماریاں، کچھ تنگدستی کچھ لڑائی جھگڑے کچھ بدمزگیاں جن سے لوگ پریشان ہو جاتے ہیں اور زندہ دل سے زندہ دل انسان کا دل بھی بجھ جاتا ہے مگر ایک عصمت اللہ بیگ مرحوم تھے کہ دنیا کے بڑے سے بڑے حادثہ خانگی زندگی کی کٹھن سے کٹھن ساعتیں۔ سرکاری ملازمت کے مشکل سے مشکل مرحلے اُن کی ہونٹوں سے مسکراہٹ نہ چھین سکے وہ ہر مصیبت کو اپنی شگفتہ طبیعت کے سانچے میں ڈھال کر ایک مزیدار لطیفہ بنا دیتے تھے جسے سن کر بے اختیار ہنسی آجاتی تھی ان کا دل، جتنا زیادہ جلتا تھا اتنا ہی ان کا دماغ روشن ہو جاتا تھا اور پھر اس روشنی میں ظرافت کے رنگا رنگ پھول کھلتے تھے میں نے ان کو ہر رنگ میں دیکھا ہے۔

www.taemeernews.com

اور ہر تقریب میں ان کی باتیں سنی ہیں۔ خوشی کے موقعوں پر غم کی مجلسوں میں علمی جلسوں کے پلیٹ فارم پر ڈراما کے اسٹیج اور ریڈیو کے اسٹوڈیو میں بے تکلف صحبتیں ہوں یا رسمی تقاریب، دوست احباب کے جمگھٹے ہوں یا پبلک کے مجمعے کوئی موضوع ہو کوئی مسئلہ وہ کبھی سنجیدہ گفتگو کرنا نہیں جانتے تھے ہمیشہ کوئی نہ کوئی ظرافت کا پہلو نکال لیتے تھے۔

جن لوگوں نے عصمت کی نظمیں سنی ہیں یا ان کے مضامین پڑھے ہیں وہ اس امر کی گواہی دیں گے کہ مزاحیہ نگاری ان کی فطرت میں داخل تھی وہ چاہتے بھی تو اس کوچہ سے باہر قدم نہیں رکھ سکتے تھے پچھلے تیس سال سے ان کی متعدد نظمیں اور مضامین پڑھنے اور سننے میں آئے ہیں جو سب کے سب پاکیزہ مذاق کے نمونے ہیں۔ ریڈیو پر وہ کئی برس تک سننے والوں کی تفریح طبع کا سامان مہیا کر چکے ہیں۔ اداکاری میں بھی انھیں کمال حاصل تھا خانگی صحبتوں اور کئی برس پہلے اسٹیج پر وہ ایکٹنگ کے جوہر دکھا چکے ہیں یہ سب کچھ تو ہوا لیکن میں پھر بھی کہوں گا کہ ان کے شاہکار نامے یکجا کیے جائیں اور یہ سب بڑے قابل فخر کارنامے تھے تو بھی وہ ان کی روزمرہ گفتگو کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ مزاحیہ مضمون لکھنے والے اور بھی ہیں نظم میں ظرافت کی چاشنی دوسروں نے بھی دی ہے اردو کومیڈی میں کئی ڈراما نویس ان سے زیادہ شہرت رکھتے ہیں لیکن میری دانست میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جس نے تمام عمر صبح سے شام تک اپنے ساتھیوں کو یوں لگاتار ہنسایا ہو یہ مبالغہ نہیں یہ امر واقعہ ہے ڈاکٹر جانسن کی طرح اگر انھیں کوئی بوزویل ملتا تو ان لطیفوں سے کئی جلدیں تصنیف ہو سکتی تھیں جنھیں وہ ہر موقعہ پر گھڑ لیتے تھے۔

اس بیان سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ سارا وقت صرف وہی فقرہ بازی کیا کرتے تھے اور ہم سب بیٹھے ہوئے ان کے فقروں کی داد دیتے تھے سچ تو یہ ہے کہ احباب کا ایک ایسا حلقہ بن گیا تھا جس میں کئی ایک خوش طبع ہر وقت ہنسنے ہنسانے کیلئے

www.taemeernews.com

موجود رہتے تھے میں اور میرے بھائی عطاء الرحمٰن ہمارے دوست ابوظفر اور جے گوپال چادر گھاٹ ہائی اسکول کے ان طالب علموں میں سے تھے جو عصمت کی ادب نوازی اور نغمہ طرازی کی محفلوں میں دن رات شریک رہتے اور گفتگو میں برابر کی چوٹیں کیا کرتے تھے اور کبھی کبھی تو ضلع جگت کا ایسی بھرمار ہوتی کہ معلوم ہوتا کہ لفظی جنگ ہو رہی ہے مگر وہ سب شوخی اور شرارت پُر خلوص دوستی میں کسی قسم کا تفرقہ نہ ڈال سکتی تھی

بچپن ہی سے ہمیں ڈرامے دیکھنے اور ڈرامے اسٹیج کرنے کا چسکا لگ گیا تھا۔ شہر میں انفلوئنزا کی وبا پھوٹ پڑی تھی، ہر طرف کھانسی بخار کا رونا تھا مگر ہم، برابر چوری چھپے گھروں کی دیواریں پھاند کر تھیٹر دیکھنے چلے جاتے تھے اور صبح سویرے سنسان گلیوں کی گندی ہوا کھاتے ہوئے گھر لوٹتے تھے یا پھر ڈراما کے ریہرسل کیلئے آدھی آدھی رات تک جاگتے اور آغا حشر کے گرجدار مکالموں سے محلے والوں کی نیندیں حرام کر دیتے تھے یہ سب کچھ ہوتا لیکن نہ ہمارے والد صاحب کو اور نہ عصمت کے چچا ابا کو اس کی کانوں کان خبر ہونے پاتی ان بزرگوں کو یہی باور کرایا جاتا کہ لڑکے وعظ کی محفل میں گئے ہوئے ہیں لیکن ایک دفعہ ایسا ہوا کہ بلغ عام کے ٹاؤن ہال میں جہاں ہم "صید ہوس" کا کھیل دکھا رہے تھے اور ہزاروں تماشبین عصمت کی مزاحیہ اداکاری پر تالیاں پیٹ رہے تھے، سچ مچ سین میں سے جبکہ تھیٹر میں قہقہوں کے طوفان اٹھ رہے تھے وہ بھلگے ہوئے اندر آگئے۔ معلوم ہوا کہ ان کے چچا ابا حاضرین میں تشریف رکھتے ہیں اور اب گھر جانے کے بعد خوب کچومر نکلے گا۔

اسکول سے نکل کر ہم نے کالج میں قدم رکھا تو عصمت ملازمت میں داخل ہو گئے، ایک ادیب اور آرٹسٹ کیلئے انجینرنگ کا محکمہ کس قدر موزوں ہو سکتا ہے، اس کا اندازہ کرنا دشوار نہیں وہ کیسے انجینر تھے اس کا تو کسی

www.taemeernews.com

کو علم نہ ہو سکا، لیکن احباب میں یہ مشہور تھا کہ جہاں کوئی سڑک ٹوٹے یا پل گرے یا کوئی عمارت ڈھ جائے تو سمجھ لو وہ عصمت کی بنائی ہوئی ہے اس حسنِ ظن کی داد سب سے زیادہ وہ خود دیتے تھے فنِ تعمیر سے متعلق کئی نظمیں اور مضمون لکھنے کے بعد انھوں نے اس پیشہ کو ہمیشہ کیلئے ترک کر دیا۔ پھر وہ جیل سے متعلق سرکاری پریس میں نوکر ہوئے اس زمانہ کو اپنی جیل کی زندگی سے تعبیر کیا کرتے تھے جب کبھی وہ اپنے کام سے فارغ ہو کر قیدیوں کے وارڈ میں نکل جاتے تو ان بدنصیبوں کے چہروں پر ایسی مسکراہٹ کھیلنے لگتی کہ دیکھنے والے خیال کریں کہ شاید رہائی کا حکم مل گیا ہے۔

ملازمت کے آخری چند سال انھوں نے عثمانیہ یونیورسٹی کے دارالترجمہ میں گزارے، اس زمانہ میں ان کی ادبی سرگرمیاں بہت زیادہ ہو گئی تھیں، لطیفے کہانیاں، نظمیں، نیچر، خاکے، مضامین، نشری تقریریں غرض، تصانیف کا تانتا بندھ گیا تھا، دن رات کی اس عرق ریزی سے ان کی صحت گر گئی تھی اور اب وہ اپنی بیماری اور موت کا مذاق اڑانے لگے تھے مرنے سے کچھ مہینے پہلے انھوں نے ایک مزاحیہ رسالہ جاری کیا، اور اسی کام نے ان کا کام تمام کر دیا۔ اگر مجھ سے ان کے مزار کا کتبہ لکھنے کیلئے فرمائش کی جائے تو میں یہ عبارت تجویز کروں گا۔

"وہ ہنستے ہوئے دنیا میں آئے، ہنستے ہوئے دنیا میں رہے اور ہنستے ہوئے دنیا سے چل بسے"

(۳۰ / اکتوبر ۱۹۵۵ء)

www.taemeernews.com

عرضِ حال

کٹی رات ' حرف و حکایات میں
سحر ہو گئی ' بات ہی بات میں

مثنوی "سحرالبیان" میں میر حسن نے یہ شعر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آج کے اردو کے ماحول کے مطابق کہا ہے۔ اس زبان سے وابستہ افراد نے محسوس کیا کہ اردو کا مقام کس قدر پست ہو گیا ہے لیکن اب اُمید کی کرن نظر آنے لگی ہے۔

ادب میں میرزا عصمت اللہ بیگ کا ایک خاص مقام رہا ہے دلی کو جن اردو کے فن کاروں پر ناز رہا ہے ان میں میرزا عصمت اللہ بیگ ایک ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔

آج سے تقریباً ۲۰ سال پہلے کی بات ہے یعنی ۱۹۵۵ء کو جب اہلِ حیدرآباد نے ہمارے مشہور مزاحیہ ادیب میرزا عصمت اللہ بیگ کی ادبی اور علمی خدمات کو خراجِ عقیدت پیش کیا تو اس عظیم الشان یادگاری جلسہ میں ایک یادگاری کمیٹی تشکیل دی گئی جس کا مقصد یہ تھا کہ میرزا صاحب کی غیر مطبوعہ تصانیف ' نظم و نثر کو چھپوا کر عوام کے

www.taemeernews.com

سامنے پیش کرے اور یہ گذشتہ مہینے کی بات ہے کہ جب اس کی تشکیلِ جدید عمل میں لائی گئی تو عصمت میموریل پبلی کیشن کمیٹی کی صدارت مجھ ناچیز کو سپرد کی گئی اور اس کے سرپرستِ اعلیٰ ہماری ریاست کی ہر دل عزیز تہذیبی اور ثقافتی شخصیت محترم نواب طاہر علی خاں صاحب منتخب ہوئے۔

خوشی کی بات ہے کہ نواب صاحب کی سرپرستی میں عصمت اللہ بیگ کے ظریفانہ اور شگفتہ مضامین کا یہ دلچسپ انتخاب "متاعِ ظرافت" کے نام سے عوام کے سامنے پیش ہے۔

میں محترم نواب طاہر علی خان صاحب صدر نشین آندھرا پردیش اقلیتی کانگریس کا تہہ دل سے مشکور ہوں کہ موصوف نے عصمت اللہ بیگ کی اس کتاب پر عالمانہ پیش لفظ تحریر فرمایا۔

ہمارے ملک کے نامور اور ممتاز صحیفہ نگار و سکریٹری ادبی ٹرسٹ پدم شری جناب عابد علی خاں مدیر روزنامہ سیاست اور جناب عبدالمحمود صاحب سکریٹری ایچ ای ایچ دی نظامس چیاریٹبل اُردو ٹرسٹ اور معزز ٹرسٹیز صاحبان کا شکریہ ادا کرنا میرا فرضِ اوّلین ہے کہ ان معزز صاحبان نے اس کتاب کی اشاعت میں جو حقیقی، عملی سرپرستی اور تعاون فرمایا ہے وہ ناقابلِ فراموش ہے۔ شری خواجہ محی الدین صدر نشین کانگریس فار نیشنل سالیڈریٹی حیدرآباد، بساطِ صحافت کی عظیم شخصیت شری علی احمد خندقی اور عارف الدین سلیم ایڈیٹر نیوز ٹرسٹ آف انڈیا، شری قادر علی،

www.taemeernews.com

ریونیو ڈیوژنل آفیسر کلہ گورڈم، مشہور ناول نویس شری بصیر افضل اور کانگریس آئی کے قائد شری ایس اے شکور نے بھی بڑی سرگرمی کے ساتھ تعاون فرمایا' وہ بھی ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں۔

ہمارا اظہار تشکر بالکلیہ نامکمل رہے گا' اگر ہم جناب ایم بالیا (ایم ایل سی) سابق صدر نشین "حدا" اور خصوصی طور پر مسز شاکرہ بیگ صاحبہ اور مسز مرزا سبحان اللہ بیگ صاحب کا شکریہ ادا نہ کریں مسز سبحان نے اِس کتاب کی اشاعت کیلئے کمیٹی کو زرِ تعاون سے نوازا اور کتاب کی تکمیل میں کمیٹی کی اعانت کی۔

اردو کے مشہور شاعر و صحافی جناب وقار خلیل صاحب نے اس کتاب "متاعِ ظرافت" کی حسن ترتیب و تہذیب و تدوین اور زیورطباعت سے آراستہ کرنے کے لیے اپنا قیمتی وقت دیا وہ بہت قابلِ تشکر ہے۔

اُمید ہے کہ عوام "متاعِ ظرافت" کا شوق و ذوق سے مطالعہ فرمائیں گے اور دلچسپی سے پڑھیں گے اور اس طرح عصمت اللہ بیگ کی دیگر تصانیف بھی یکے بعد دیگرے منظرِ عام پر آتی جائینگی۔

مصطفیٰ شروانی
صدر نشین
عصمت میموریل پبلی کیشن کمیٹی
حیدرآباد

فروری ۱۹۸۵ء
حمایت نگر
حیدرآباد

www.taemeernews.com

تاثرات

خواجہ محی الدین صدر نشین کانگریس فار نیشنل سالیڈرٹی حیدرآباد

ادب میں مزاحیہ صنف بجائے خود ایک نازک ترین فن ہے جس سے عہدہ برا ہونے کے لیے ایک فطری اور باکمال آرٹسٹ کی ضرورت ہے۔

میرزا عصمت اللہ بیگ کی فطرت میں چونکہ زندہ دلی، بذلہ سنجی، طنز اور ظرافت کے جذبات کی فراوانی تھی اس لیے انھوں نے نہ صرف یہ میدان اختیار کیا بلکہ برسوں کی ذہنی مشقت کے بعد ایسی ناموری حاصل کی اور ادب کا ایسا گراں مایہ سرمایہ اپنے پیچھے چھوڑ گئے ہیں جو مدتوں اُردو ادب کی زینت بنا رہے گا۔!

عصمت صاحب نے اپنے مضامین اور مقالوں میں سماجی مفسدات SOCIAL EVILS پر بڑے نفیس انداز میں چوٹیں کی ہیں۔ ہمارے سماج کے بعض مسائل اور اہم امور پر مزاحیہ اور طنزیہ انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں کئی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

مجموعۂ مضامین "متاعِ ظرافت" کا اہلِ علم اور صاحبِ ذوق حضرات پوری دلچسپی سے اور شوق سے مطالعہ کریں گے۔

www.taemeernews.com

تمہید

اردو مجلس حیدرآباد کے اجلاس میں پڑھنے کیلئے جناب سید سجاد مرزا صاحب نے مجھ سے ظرافت کے موضوع پر مضمون لکھنے کیلئے فرمایا۔ میں نے تہہ سے "ہوں" کہہ کر گردن تو ہلا دی مگر میں چکر میں تھا کہ یا الٰہی ظرافت پر لکھوں تو کیا لکھوں!

اگر ظرافت خوش طبعی کو کہتے ہیں تو پھر خوش مذاقی، مزاح، تمسخر مضحکہ، ژٹل، ہزل اور پھکڑ پن کیا ہے؟

بہرحال میں اسی فکر میں ڈوبا ہوا گردن جھکائے "جوبلی ہل" سے چلا اور خیریت آباد کے نکڑ تک جا پہونچا، وہیں ایک کچرے کی کنڈی تھی اس پر نظر پڑی تو کیا دیکھتا ہوں کہ کنڈی کچرے سے لبریز ہے اس پر مٹی کے ڈھیلے دیدے پھاڑے ہوئے کچرے کی گاڑی کا انتظار کر رہے ہیں۔ اور وہیں کاغذوں کا ایک پلندہ گرد و غبار میں لپٹا ہوا پڑا پایا، میں نے وہ پلندہ اٹھا کر کھولا تو دیکھا کہ کچھ تو اس میں انگریزی اور اردو "پنچ" کے جستہ جستہ اوراق ہیں کچھ کارٹون ہیں اور چند حنائی رنگ کے ورق ہیں۔ جن پر اودی اور سرخ روشنائی سے خامہ فرسائی کی ہوئی ہے میں نے اس مسودے پر اوپر سے لیکر نیچے تک نظر دوڑائی تو پتہ چلا کر کوئی صاحب خوش مذاقی پر مضمون لکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

خدا معلوم وہ لکھتے لکھتے مر گئے یا مر مر کر لکھتے رہے اور پورا نہ

www.taemeernews.com

کر سکے یا لکھتے لکھتے دماغ اُلٹ گیا۔ جو پورا کا پورا پلندہ ابن دفتر بے معنیٰ غرق مے ناب کہہ کر کچرے کی کنڈی میں پھینک دیا۔ میری اس وقت کی حالت نہ پوچھیئے ایک پہاڑ سر سے اُترا دل بلّیوں اُچھلنے لگا اور کانوں تک باچھیں کھل گئیں مگر افسوس صرف اتنا تھا کہ مکمل مضمون تھے نہیں چڑھا پہلے تو جھینگروں نے اُسے خوب مزے لے کر مطالعہ کیا تھا اور جملے کے جملے چاٹ گئے تھے دوسرے کسی ظالم نے کئی صفحے بھی اڑا دیئے تھے اور تیسرے پالنے کے چٹوں نے بھی کچھ ایسی ستم ظریفی کی تھی کہ جس سے بعض حروف مسکرا رہے تھے۔ بعض ہنس رہے تھے، بعض قہقہے مار رہے تھے اور بعضوں نے منہ پھاڑ کر اس طرح دانت باہر نکال دیئے تھے کہ ہم تو ہم دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا ماہر قہقہہ باز بھی پتہ نہیں چلا سکتا تھا کہ وہ ہنس رہے ہیں یا اپنی قسمت پر رو رہے ہیں۔

مختصر یہ کہ "اللہ" دے اور بندہ لے جو کچھ ہتھے چڑھا بڑی احتیاط سے اپنے بستے میں لپیٹ کر ہم اپنے گھر لے آئے اور گھر پہنچتے ہی آستین چڑھا کر ان کا غذات کو صاف کرتے اور پیوند لگانے میں جُٹ گئے۔ ان ترکیبوں سے بمشکل جو مضمون تیار ہوا اُسے لکھنے سے قبل آپ پر یہ بات ظاہر کر دینا اپنا اخلاقی فرض سمجھتا ہوں کہ اس مضمون میں سے جو کچھ مجھ سے پڑھا گیا وہ لفظ بہ لفظ جوں کا توں میں نے نقل کر دیا گمشدہ اوراق، کرم خوردہ مقامات اور ہنستے روتے ہوئے جملے جو میری سوجھ بوجھ سے باہر تھے وہاں اللہ میاں نے طبع آزمائی کی ہے۔ بس چند باتوں کو چھوڑ کر پورا کا پورا مضمون بقول شخصے طبع زاد ہے اگر آپ اسے پسند فرمائیں تو ثواب اصل مضمون نگار کی روح کو بخشیں اور اگر پسند نہ ہو مجھے بخش دیں تاکہ میں اس مضمون کو پھر اُسی کچرے کی کنڈی میں پھینک آؤں گا جہاں سے یہ مواد ناسد میرے ہتھے چڑھا تھا۔ تاکہ یہ بھی کسی اور کھوجی کے ہتھے چڑھ جائے

مرزا عصمت اللہ بیگ

www.taemeernews.com

ظرافت کیا ہے

ظرافت کیا ہے؟ ظرافت اور خوش طبعی وغیرہ کی ایک مشترکہ صفت ہے جب یہ اپنا سوانگ بھر کر محفل میں اُترتی ہے تو ہنستے ہنستے لوگوں کے پیٹ میں بل پڑ جاتے ہیں۔ لیکن ظرافت کیا چیز ہے؟ یہ ایک ٹیڑھا سوال ہے۔ اس کے متعلق یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ کیا چیز ہے؟ البتہ یہ بتانا آسان ہے کہ وہ کیا چیز نہیں ہے۔!

اس موقع پر میں آزاد مرحوم کی زبان میں ظرافت کو ایک شخص قرار دے کر کنایئے اور استعارے کے روپ میں پیش کرتا ہوں جس سے اصلی اور نقلی ظرافت کا اندازہ آپ کو نہایت آسانی سے ہو جائے گا۔ وہ فرماتے ہیں کہ "سچی ظرافت اصلی خوش طبعی کے خاندان کا حقیقی مورث اعلیٰ ہے"

اس گھرانے میں حسنِ ادب ایک نہایت معقول شخص تھا۔ اس کا بیٹا حسنِ کلام پیدا ہوا اس نے اپنے برابر کے خاندان میں شادی کی اور اُس کی دلہن کا نام "خندہ جبین" تھا جو آٹھ پہر ہنستی رہتی تھی اُس کے گھر میں تین خوش طبع پیدا ہوئے۔ چونکہ خوش طبع سارے خاندان کا محبوب تھا اور بالکل مختلف طبیعت کے والدین سے پیدا ہوا تھا اس لیئے اس کی طبیعت بیچ رنگی واقع ہوئی تھی۔ کبھی تو وہ نہایت معقول اور سنجیدہ، وقار کر لیتا تھا۔ اور کبھی رنگین بانکا بن جاتا تھا۔ کبھی تو الیاس

www.taemeernews.com

کر نکلتا تھا کہ گویا ابوالکلام چلے آتے ہیں اور کبھی ایسا مسخرہ بن جاتا کہ ، بھانڈوں کو بھی طاق پر بیٹھا دیتا۔ لیکن چونکہ ماں کے دودھ کا بڑا اثر ہوتا ہے اس لیئے کسی حالت میں بھی ہو، اہل محفل کو ہنسائے بغیر نہ رہتا تھا۔ اب سنیئے اُسی کے ہمسائے میں ایک جھوٹا مکار حیل ساز بھی رہتا تھا اس نے بھی اپنا نام خوش طبع رکھ لیا اور لوگ بھی اُس کو اُسی کا قائم مقام سمجھنے لگے تھے اگر کوئی صاحب ایسے شخص سے ملیں تو پہلے اس کی نسل کو اچھی طرح ٹھوک بجا کر دیکھ لیں اور پتہ چلا لیں کہ اس کا رشتہ صداقت کے قبیلے سے جا ملتا ہے یا نہیں اور حقیقت میں وہ حسن ادب کے گھرانے سے پیدا ہوا ہے یا نہیں اگر یہ نہ ہو تو پھر اُسے وہی مکار بہروپیا سمجھیں ایک پہچان اس کی یہ بھی ہے کہ جب وہ کسی محفل میں بیٹھتا ہے تو صرف اُسی کے قہقہے کان میں آتے ہیں اور اس کے اطراف میں معقول لوگ خاموش بیٹھے نظر آتے ہیں اور جب ظرافت اصلی کی محفل، آراستہ ہوتی ہے تو وہ خود تو کمالِ سنجیدگی سے بیٹھی ہوتی ہے اور اطراف اُس کے سب ہنستے ہیں۔

بلکہ ایک بات اور بھی ہے کہ اگر اُس کے خاندان میں خوش طبعی یا خندہ جبینی یا خوش بیانی یا کسی کی بُو نہ آئے تو اُسے بھی وہی جعل ساز بہروپیا سمجھنا چاہیئے۔ اب آپ اس بہروپیئے کے بھی خاندانی حالات سُن لیجیئے وہ اصل میں جھوٹ کی اولاد ہے اور جھوٹ زٹل قافیے کا باپ تھا۔ زٹل قافیے سے ایک بیٹا پیدا ہوا اس کا نام سڑی مستان تھا اسی طرح حماقت ایک پھوہڑ عورت تھی اور اس کی ایک بیٹی تھی جسے مسخرن، دوانی کہتے تھے اُس سے سڑی مستان نے شادی کی اب اُن دونوں سے وہی طرفہ معجون بچہ پیدا ہوا۔ جسے تم پھکڑ کہتے ہو! یعنی اوقات اس کے کلام میں بھی خوش بیانی اور خوش نہیں کی بو آتی ہے مگر درحقیقت

www.taemeernews.com

وہ ظرافت اصلی نہیں ہے اس استعارے کو اور بھی پھیلایا جا سکتا ہے اور بہروپیے بھانڈ کی اولاد کا ذکر کیا جا سکتا ہے جو گنتی میں ریگستان کی ریت سے بھی زیادہ ہے مگر اس موقع پر صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ ظرافتِ اصلی اور ظرافتِ نقلی میں اتنا ہی فرق ہے جتنا آدمی اور بندر میں ہے اس وقت دنیا میں ہر علم و فن کے ادارے کھلے ہوئے ہیں مگر ظرافت اور خوش طبعی کی تعلیم دینے کا کوئی ادارہ نہیں ہے جن کی طبیعتوں کو ناچ گانے سے لگاؤ ہو۔ وہ ناچ گانے کی تعلیم گاہوں میں شریک ہو جاتے ہیں جن کو آرٹ سے دلچسپی ہے وہ آرٹ اسکول میں داخل ہو جاتے ہیں مگر جن لوگوں کی طبیعتیں ظرافت کی طرف مائل ہیں وہ بچارے ادھر اُدھر ٹامک ٹوئیے ہی مارتے پھرتے ہیں۔ اگر کوئی ظرافت کا ادارہ ہوتا تو، پھر آپ دیکھتے کہ ایک گھٹیل سے گھٹیل طبیعت کا لڑکا بھی دو دو بجے رات تک پُر مذاق لطیفے، مزاحیہ جملے اور برجستہ فقرے رٹتا ہوا، دکھائی دیتا اور ہر روتی صورت بچے کے ماں باپ یہی کوشش کرتے کہ اُن کا بچہ ظرافت کے مڈل اسکول تک ضرور پہونچ جائے۔

ظرافت کی تعلیم دینے سے میرا یہ مقصد نہیں کہ زبردستی ہر ایک کا مذاق اڑایا جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ ہر شے کو ظریفانہ رنگ میں دیکھ سکے اور اس کے ہر پہلو کو ایک دلچسپ اور لطیف انداز میں ظاہر کر سکے جس میں ذکاوت اور دانائی کے ساتھ ساتھ بشاشت اور خوش دلی کے اجزا بھی موجود ہوں۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ اجزا پیدا کس طرح سے کیے جائیں۔ بس یہیں آ کر سب نے ہتھیار ڈال دے رکھے ہیں اور ہر ایک ماہر ظرافت اپنی اپنی ڈفلی اور اپنا اپنا راگ الاپنے لگا۔ ایک مشہور و معروف ظریف کا نظریہ ہے کہ جس قدر تناقض اور متضاد کیفیتیں پیدا کی جائیں

www.taemeernews.com

گی اتنا ہی ظرافت میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ مثلاً کوئی صاحب چوڑے چکلے منقطع مقطع صورت بنائے بھاری بھرکم توند لئے نہایت ہی پر تکلف کپڑے زیب تن کئے پھونک پھونک کر قدم دھرتے چلے جا رہے ہوں۔ یکایک ان کا پاؤں پھسلے اور وہ قلابازی کھا کر اڑا اڑا دھم سے نیچے آرہیں کپڑے کیچڑ میں لت پت ہو جائیں ٹوپی ایک طرف جا پڑے خود چت پڑے ہوئے موٹے کچھوے کی طرح ہاتھ پاؤں ماریں توند مشکیزے کی طرح الگ ہل رہی ہو۔ اُٹھنے کی کوشش کریں پھر پھسلیں اور چاروں شانے چت پھر زمین پر آ رہیں۔ ہنستے ہوئے مجمع کو دیکھ کر غصے سے ہونٹ چبانے لگیں اور سرِ بازار گالیوں کی بوچھاڑ باندھ دیں تو ان کی ہیئت کذائی پر خواہ مخواہ لوگوں کو ہنسی آ جائے گی۔

پُر تکلف کپڑوں کا کیچڑ میں لت پت ہونا، قدم پھونک پھونک کر دھرنے کے باوجود ٹانگ کا پھسلنا اور باتیں رکیک و فحش سر بازار لوگوں کو بے نقط سنانا یہ سب کی سب متضاد کیفیتیں ہیں اب ان میں جس قدر تناقض بڑھتا جائے گا اسی قدر ہنسنے ہنسانے کا مال مسالا پیدا ہوتا چلا جائے گا۔ اگر ان بزرگوار کے بجائے کوئی ایرا غیرا نتھو خیرا ہوتا تو اس بیچارے پر کوئی پلٹ کر بھی نہ تھوکتا اور آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا

بعض لوگ کہتے ہیں کہ فحش، گالی گلوچ، رکیک اور ذومعنیٰ باتوں اور ذٹلی قافیوں سے ظرافت پیدا کی جاتی ہے بعض کہتے ہیں کہ بے تعلق اور بے سر و پا باتوں کو اگر کسی خاص طریقے سے اچھی طرح چپکا دیا جائے تو ان سے بھی تعجب اور خوشی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے مگر سچ پوچھو تو یہ سب کی سب باتیں اسی جھوٹے اور بہروپئے بھانڈ کی نسل سے ہیں جسے ہزل، ذٹل اور پھکڑ کہتے ہیں۔ اصلی ظرافت یعنی مزاح اور خوش مذاقی کی ایک خاص زبان ہے۔ اور سچائی، فصاحت، حسنِ بیان

www.taemeernews.com

حسنِ کلام اور حسنِ ادب اس کا ایک لازمی جزو ہے

میں نے ابھی آپ سے عرض کیا تھا شعر و شاعری اور دوسرے علوم و فنون کی طرح ظرافت کی بھی ایک خاص زبان ہے ظرافت نگاری اور مزاحیہ مضمونوں میں قابلیت بگھارنا، عربی اور فارسی کی ٹانگ توڑنا اور جا بجا علمی اڑنڈ بنڈ سے لگانا۔ ظرفت کا گھلا گھونٹنا اور اپنا مذاق اُڑاتا ہے یہی ایک معمولی سی چیز ہے مگر اس عنوان پر بھی کئی خوش مذاق لوگوں نے طبع آزمائی کی ہے۔ دو چار نمونے سناتا ہوں اسے سُن کر آپ خود تصفیہ فرمائیے کہ ان میں سے کس کس نے ہنسی کو ظریفانہ رنگ میں دیکھا، یا خوشگوار انداز اور ظرافت کی زبان میں پیش کیا ہے

سب سے پہلے تو خود میری زبردستی کی ہنسی ملاحظہ فرمائیے

ہنسی ایک متعدی کیفیت ہے جہاں دو چار آدمی مل کر بیٹھے ادھر ان میں سے کسی ظریف نے کوئی چٹ پٹا قصہ چھیڑا اور ادھر اس کے اثرات ظاہر ہونے شروع ہو گئے اسی طرح ظرافت کے جراثیم کانوں کی راہ سے مختلف غدودوں کو گدگداتے اور خاص خاص رگ پٹھوں کو چھیڑتے ہوئے جسم میں سرایت کرتے جاتے ہیں حملے کی ابتداء دماغ سے ہوتی ہے پھر اس کا اثر ہونٹوں، آنکھوں اور چہرے پر ظاہر ہوتا ہے مگر اختتام اس طرح ہوتا ہے کہ انسان بے تاب ہو جاتا ہے۔ آنکھیں بند ہو جاتی ہیں۔ منہ کھل جاتا ہے ہنسی باہر نکل آتی ہے اور وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا پیٹ دبا کر حلق سے دہ دہے سر کا آوازیں نکالنی شروع کر دیتا ہے کہ خدا کی پناہ!

جناب سجاد مرزا صاحب نے ایک جگہ لکھا ہے ہنسی اور مسکراہٹ دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ ہنسی کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ گونجنے والی ہنسی، خشک ہنسی کھوکھلی ہنسی .... ہنسی کا خاصہ انسان میں بے ٹائڈہ نہیں ہے ہنسی میں بہت

www.taemeernews.com

سے جسمانی فوائد ہیں، دل کھول کر ہنسنے کے بعد انسان کو سانس لینے میں بہت آرام محسوس ہوتا ہے کیونکہ جس طرح دوڑنے کے بعد پھیپھڑوں کی ہوا صاف ہو جاتی ہے اُسی طرح ہنسنے کے بعد اُس کی وہی حالت ہے..... جب انسان ہر خوشی کے موقع پر ہنسنے کا عادی ہو جاتا ہے تو اُسے ہر مرتبہ ہنسنے میں خوشی حاصل ہونے لگتی ہے البتہ بلا وجہ ہنسنا حماقت ہے۔

لیکن آخر ہم ہنستے کیوں ہیں؟ جو باتیں ایک شخص کو ہنساتی ہیں بسا اوقات دوسرے کو نہیں ہنساتیں۔ اس کا جواب مشکل ہے!۔

مولوی عظمت اللہ خاں کی ہنسی ملاحظہ فرمائیے۔" ہنسی بھی بسورنے کی طرح ایک متعدی کیفیت ہے۔ سوال یہ ہے کہ ہنسی کیا ہے یعنی اگر کوئی ہنستا ہے تو کیوں ہنستا ہے؟ نئی روشنی کے نوجوان شام کے وقت سائیکل کا پہیہ پھسلا اور بیچارے ٹینس کے کھلاڑی گرے اور اُٹھ کر سفید فلالین کا پتلون جھاڑنے لگے چند بازاری لڑکے کیچڑ میں کھیل رہے تھے اُنہوں نے بے ساختہ قہقہہ لگایا اور لوگ بھی ہنس پڑے۔ جو بہت زیادہ نازک تھے۔ وہ صرف مسکرانے لگے۔ تو اس میں شک نہیں کہ ہنسنے کیلئے یہ جاننے کی ضرورت نہیں کہ ہنسی کیوں آتی ہے؟ ہم ہنستے ہیں اس لیئے کہ ہنسی آتی ہے ہم کھانا کھاتے ہیں اس لیئے کہ کھانے کو جی چاہتا ہے۔

اگر آپ ہنسیں تو سوچ کر ہنسیں مُنہ پھاڑ کر ہنسنا بھی موقع پر مناسب ہوتا ہے لیکن یہ ہنسی خالی خولی گرج ہے۔

"سندباد جہازی" کی ہنسی دیکھئے۔ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ خوب ہنسو کیونکہ ہنسنے سے پھیپھڑوں کی اچھی خاصی ورزش ہو جاتی ہے یہ بات درست بھی معلوم ہوتی ہے کیونکہ ہمایوں کے ایڈیٹر صاحب نے بھی یہی لکھا ہے البتہ یہ ابھی تک فیصلہ نہیں ہو سکا کہ قہقہہ لگانا پھیپھڑوں کیلئے زیادہ مفید

www.taemeernews.com

ہے۔ یا جلسوں میں نعرے لگانا، بہرحال اتنا ضرور ہے کہ ہنسنا بہت بعد کے زمانہ کی ایجاد ہے پہلے لوگ صرف رونا یا گانا جانتے تھے کسی عقل مند نے محض ورزش کے طور پر ہنسنا ایجاد کیا اور چھوٹے بڑے سب ہنستے گئے آہستہ آہستہ یہ رواج ساری دنیا میں پھیل گیا چنانچہ آج ننانوے فیصد آدمی ہنسنا جانتے ہیں لیکن ایسے لوگ پانچ فیصد نکلیں گے جنہوں نے باقاعدہ یہ فن سیکھا ہے۔ باقی سب عطائی ہیں۔

ہم نے ایک عجیب و غریب صاحب کو دیکھا ہے جنہیں ہنسی آتی ہے تو اپنا منہ بڑے زور سے بند کر لیتے ہیں۔ ہنسی اُچھلتی، کودتی، پھاندتی، پیٹ سے منہ کی طرف بڑھتی ہے لیکن رستہ بند پاکر الٹے پاؤں لوٹ جاتی ہے۔ قہقہہ ناک کے راستہ سے نکلنا چاہتا ہے لیکن وہ بھلا کب نکلنے دیتے ہیں۔

ہنسی کا مرکز پیٹ ہے پیٹ کو ذرا گدگداؤ ہنسی پیٹ سے کولہوں کی طرف بڑھے گی۔ پھر منہ کا رخ کرے گی۔ ہر شخص کے پیٹ میں قہقہے بھرے پڑے ہیں جو تلی کے ساتھ ساتھ بڑھتے ہیں جتنا بڑا پیٹ ہوتا ہے اُتنے ہی زیادہ قہقہے اس میں سما سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں کا توند بڑھ جاتی ہے وہ خوب جی کھول کر ہنستے ہیں۔

قہقہے بھی کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ کوئی لمبا، کوئی ٹھنگنا، کوئی پتلا، کوئی موٹا لیکن یاد رکھئے دانت نکال کر "ہی ہی ہی ہی" کر دینا قہقہہ نہیں کہلاتا یہ تو قہقہے کا منہ چڑانا ہے۔

ظرافت یا خوش مذاقی کا فن جتنا لطیف ہے اتنا ہی خطرناک بھی ہے ظرافت کے شفاف اور چکنے فرش پر بعض لوگ تو نہایت سنبھل سنبھل کر قدم رکھتے ہیں بعض ڈگمگا بھر تے ہیں بعض سرپٹ دوڑتے ہیں۔

www.taemeernews.com

بعض مور چال کرتے ہیں بعض دونوں قدم فرش پر جمائے اس طرح پھسلتے ہیں جیسے کوئی اسکیٹنگ کر رہا ہو مگر جہاں نظر چوکی اور دھم سے چاروں شانے چت گرے اور سرکس مسخروں یا بھانڈوں کی طرح قلابازیاں کھانے لگتے ہیں۔

مزاح ہو یا ظرافت، خوش طبعی ہو یا خوش مذاقی اس کیلئے کڑی اور اولین شرط یہ ہے کہ اندازِ بیاں، حسنِ کلام، فصاحت میں ڈوبا ہوا ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ رکاکت، سوقیانہ پن، فحش، پھکڑ اور رکیک الفاظ ہرگز نہ ہوں اور تیسری بڑی بات یہ ہے کہ کسی کی ٹوپی نہ اچھالے۔ خود کا مذاق نہ اڑائے اور اپنے عزیز و اقارب کو زبردستی کھینچ کر سربازار رسوا نہ کرے۔

اندازِ بیاں اور حسنِ کلام فصاحت کے علاوہ دو چار صفتیں اور بھی ہیں جن سے تحریر اور تقریر میں شگفتگی اور ظرافت کا رنگ پیدا ہو جاتا ہے اُن میں سے ضلع، جگت[1]، پھبتی، تجنیس اور ابہام کا تو یہ کیفیت ہے کہ وہ ہمیشہ ظرافت اور خوش مذاقی سے لپٹی ہوئی رہتی ہے پہلے ضلع کا حال سن لیجئے اس صفت کو گھٹیا درجہ کے شعراء اپنے شعروں میں اور بڑھیا درجہ کے خوش مذاق لوگ ظرافت پیدا کرنے کیلئے عام طور پر اپنی گفتگو میں استعمال کرتے ہیں۔

اس صفت کا دوسرا نام "رعایتِ لفظی" بھی ہے اس لئے اس میں ایسے لفظ استعمال کئے جاتے ہیں جن کو دوسرے لفظوں کے ساتھ محض ایک لفظی تعلق ہوتا ہے۔ مگر ان کے معنوں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

---

[1] جگت ہندی کا لفظ ہے اس کے معنی حکمت و دانائی کے ہیں لیکن اردو میں عام طور پر لطیفہ گوئی کو جگت بازی کہتے ہیں۔

www.taemeernews.com

غالب سے قبل کئی شعراء نے ضلع بولنے والوں پر چوٹیں کی ہیں۔ چنانچہ نمونہ، سودا کہتے ہیں کہ

پکڑی جو لٹور سے نے کہیں کھیتی سے چڑیا
سمجھا کہ نہیں باز کوئی مجھ سا کلاں ہے

استاد کی اُن کے ہے انھوں کو یہ نصیحت
لفظی نہ تناسب ہو تو کچھ مت کرو تحریر

اتنا تو تلازم رکھو الفاظ کا ملحوظ
بے پنجہ و ناخن نہ لکھو دودھ کو تم شیر

جب تک کہ نہ منظوم ہو پاسنگ و ترازو
باندھو نہ کبھی شعر میں تم لفظ شکم سیر

یہاں پنجہ، ناخن، شیر، پاسنگ، ترازو اور شکم سیر۔ یہ سب ضلع کے لفظ ہیں جنھیں اعتراض کے پردے میں لکھ کر خود اپنا بھی زورِ قلم بتادیا ہے۔

ضلع کی دو قسمیں ہیں ایک تو یہ کہ جس چیز کا نام لیا جائے وہ ایک سالم لفظ سے ظاہر ہو جائے جیسے کہ یہ ایک مشہور لطیفہ ہے۔

"جج بھی کانا تھا اور ملزم بھی کانا تھا۔ ملزم نے ہاتھ جوڑ کر عرض کی کہ سرکار ہم چشموں پر چشم عنایت چاہیئے جج نے آنکھ مار کر کہا کہ یہ عدالت ہے ہم سب کو ایک آنکھ سے دیکھتے ہیں ملزم نے کہا کہ یہ تو حضور کا عین انصاف ہے مگر آپ کے لوگوں کو مجھ سے چشمک ہے اسلیئے ڈرتا ہوں کہ میرے حق میں کہیں انصاف کی دوسری آنکھ بھی نہ بند ہو جائے"

یہاں کانا ہم چشم، چشم عنایت ایک آنکھ سے دیکھنا عین

www.taemeernews.com

چشمک یہ سب ضلع کے لفظ ہیں۔

اس کی دوسری قسم وہ ہے جس میں الفاظ زبردستی کھینچ تان کر بٹھائے جاتے ہیں مثلاً۔ کسی کنجوس نے ایک ظریف سے پوچھا کہ میں اپنے بچہ کو کون سا علم پڑھاؤں ظریف نے جواب دیا کہ "صرف نہو" (یعنی صرف نحو)

جس طرح اکثر لوگ بیت بازی وغیرہ میں اپنا وقت گزارتے ہیں اسی طرح محض رنگین مزاج اور خوش طبع لوگ ضلع بازی میں اپنا وقت صرف کرتے ہیں جہاں دو آدمی مل کر بیٹھے اور ضلع شروع ہوگیا مثلاً کسی صاحب نے پیتے پیتے حقہ سرکایا اور یاروں نے حقہ پر ضلع شروع کر دیا۔ چند ضلع کے لفظ آپ بھی سن لیجئے ؎

واہ رے لڑکے تیری جوانی
سر پہ آگ بدن میں پانی!
ابھی سے تیری ایسی خو بُو
منہ سے آوے دودھ کی بو

ضلع کے الفاظ:

دمدمے میں دم نہیں اب خیر مانگو جان کی

دم کے ہیں یہ دمدمے جب دم نہیں تو کچھ نہیں

ایں گل دیگر شگفت' بندہ ہر دم تازہ رہتا ہے' دل کی کلی کھلی رہتی ہے۔ اگر کوئی میرے منہ کو آئے تو منہ نالی میں دے دو۔ ایسی دھواں دھار تقریر کی کہ سب کے دھوئیں اڑ گئے۔ اگر کوئی میرے منہ کو آئے تو منہ میں نالی دے دو۔

وہ منہ لٹکائے ہوئے چپکے سے سٹک گیا سر پر تو باندھ کر آؤ

www.taemeernews.com

اللہ سے لو لگاؤ وغیرہ بظاہر ان الفاظ میں نہ تو کوئی کرامت معلوم ہوتی ہے اور نہ اس قدر دم ہے کہ سننے ہنسانے کا ذریعہ بن سکیں مگر یہ بات ضرور ہے کہ اگر ہر محل کسی گفتگو کے سلسلے میں ضلع کے الفاظ بٹھا دئے جائیں۔ تو پھر اٹھائے نہیں اٹھتے اب آپ اس کی چند مثالیں سنیئے۔

ضلع میں گفتگو: ایک صاحب کسی جوتے والے کی دکان پر پہونچے

دوکاندار ۔ کیا حکم ہے؟

خریدار ۔ ایک خوبصورت اور اچھے جوڑے کی ضرورت ہے۔

دوکاندار۔ حضور تو نری کا چاہتے ہوں گے۔

خریدار ۔ مجھے دوسلی کا درکار ہے ذرا خوش رنگ اور مضبوط تلی کا ہو۔

دوکاندار ۔حضور کوئی فکر نہ کریں انشاء اللہ ایسے جوتے دوں گا حضور عمر بھر یاد کریں گے۔ ذرا سر اٹھا کر دیکھئے وہ جوتے جو بالکل حضور کے سر پر دکھائی دے رہے ہیں نہایت خوش رنگ اور مضبوط ہیں اور بڑی بات یہ ہے کہ آپ کو بہت سستے پڑیں گے یعنی فی جوتا چار روپے

خریدار۔ اب آپ لوگ بے حساب کھانے لگے ہیں۔ پہلے تو آپ چار آنے جوتا کھاتے تھے اور اب آپ دو، دو اور چار چار روپیہ جوتا کھاتے ہیں۔

دوکاندار ۔آپ جو فرمائیں آپ خریدار ہم دوکاندار مگر حضور ہم اپنے جوتے زبردستی تو کسی کے سر مارتے نہیں اگر آپ کو اچھا لگے یہ جوتا حاضر ہے ورنہ جہاں آپ کو کم داموں پر پڑیں، وہاں جا کر لے سکتے ہیں۔

www.taemeernews.com

ضلع میں ظرافت ، ایک حجام کا لڑکا بڑے عہدے پر پہونچ گیا۔ ایک روز خفا ہو کر اس نے اپنے دفتر کے منتظم پر جرمانہ ٹھوک دیا منتظم صاحب جوش میں بھرے ہوئے ان کے مکان پہونچے اور کہا کہ سرکار نے تو اُلٹے استرے سے میرا سر مونڈھ دیا۔ حجام کے لڑکے نے کہا ذرا سوچ کر بات کرو۔ منتظم نے کہا اب اور کیا سوچوں صاف صاف کہتا ہوں، پوست کندہ کہتا ہوں اگر بال برابر بھی فرق ہو تو آپ میری داڑھی مونچھیں حقے کے پانی سے مونڈھ دیجئے۔

ایک سفید پوش اپنی شیروانی ہاتھ میں لئے واشنگ کمپنی پہونچے۔ منیجر نے پوچھا کیا حکم ہے ؟ فرمایا مجھے استری کی ضرورت ہے۔ منیجر نے جواب دیا اس وقت ہمارے یہاں کندی ہو رہی ہے۔

مشاعرے : لکھنؤ کے ایک مشاعرے میں شاہ نصیر نے ایک غزل نہایت مشکل طرح میں پڑھی اس کا مطلع تھا۔

خال پشت لب شیریں ہے عسل کی مکھی

روح فرہاد لپٹ بن کے جبل کی مکھی

کسی صاحب نے ایک شعر پر کہا کہ سبحان اللہ کیا مکھی بیٹھی ہے۔ کسی نے کہا کہ حضور! یہ مکھی تو ٹھیک نہیں بیٹھی۔ ایک صاحب نے کہا کہ قبلہ غزل تو خوب ہے مگر ردیف سے جی متلانے لگا۔ شاہ صاحب نے فرمایا جنہیں چاشنیٔ سخن کا مذاق ہے وہ تو لطف ہی اُٹھاتے ہیں ہاں جنہیں صفرائے حسد کا زور ہے اُن کا جی بھی متلائے گا اور ردیں بھی آئیں گی۔

ایک صاحب نے اپنے بچے کا ختنہ کیا اور احباب کو دعوت دی، مکان چھوٹا تھا اس لیے دعوت کا انتظام ایک خواجہ سرا کے مکان میں کیا استاد ذوق بھی مدعو تھے کھانا کھا کر صحن میں آ بیٹھے اتنے میں میزبان پان

www.taemeernews.com

سے لیئے ہوئے آئے۔ حکیم آغا جان عیش نے کہا آج تو دستِ مبارک سے گلوری کھانا واجب ہے ذوق نے کہا ضیافت تو سنت ہی تھی۔ حکیم صاحب نے کہا ان کی ظرافت کے نکتے کو کہاں تک پایئے ختنے کی ضیافت کی اور خواجہ سرا کے مکان میں کھانا کھلایا۔ ذوق نے کہا ظرافت پر ظرافت یہ کہ کھلایا بھی تو خصی پلاؤ

یہ صنعت بازار میں ایسی چل نکلی اور ایسی چلی کہ ہر عالم و جاہل اس کے سودے میں گرفتار ہو گیا۔ اور ظریفوں نے وہ وہ دریا بہائے کہ سب کارناموں پر پانی پھر گیا۔ ضلع کے الفاظ میں ظرافت کی زیادہ کیفیت تو نہیں ہوتی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اگر برمحل اور برموقع نظم و نثر میں ضلع کے لفظ بٹھا دیئے جائیں تو پھر لطف آتا جاتا ہے۔ اکبر الٰہ آبادی کے چند شعر سن لیجئے ؎

داڑھی مونچھوں کا سب صفایا ہے
فارغ البال اس کو کہتے ہیں!

کی ہے معدے نے کمیٹی پیٹ میں
بائی کا ہر رگ کے اندر ٹھیکہ ہے
حضرتِ نزلہ ہیں صدرِ انجمن
دم بدم اُن کی بھی اک تحریک ہے

شیخ جی گھر سے نہ نکلے اور مجھ سے کہہ دیا
آپ بی اے پاس ہیں اور بندہ بی بی پاس ہے

اب ذرا طب اور موسیقی کا ضلع ملاحظہ کیجئے سندباد جہازی لکھتے ہیں کہ اتحاد پارٹی میں بڑی خوبی یہ ہے کہ اسے ہر موسم میں مناسب بدرقہ کے ساتھ استعمال کیا جا سکتا ہے اور ہر مذہب و ملت کے لوگ آسانی سے استعمال کر سکتے ہیں کیونکہ اسے ہاتھ سے نہیں بنایا جاتا بلکہ اس کے سارے

www.taemeernews.com

اجزاء بیسرکاری مشین کے زور سے مجتمع کیے جاتے ہیں۔

حقوق کے کڑکڑاتے جاڑے میں اسے شربت انتشار سیاست یا عرق اختلاف سم آتش کے ساتھ استعمال کیجئے۔ ہاضم مرض متعدی نظام مالگزاری ہے۔ حب وطن کے مواد فاسد کو خارج کرتی ہے۔ اور اتحاد قومی کے سُدّوں کو کھولتی ہے اصول پرستی کی رطوبتوں کو خشک کرنے اور ابن الوقتی کے صالح خون کی تولید میں بے نظیر ہے۔

حکیم صاحب آخر حکیم تھے ملاقات ہوئی تو اول قیافہ سے پھر گفتگو سے نبض دیکھی معلوم ہوا کہ شدید سے زیادہ مادہ نہیں۔ مگر یہ طرفہ معجون انسان تھوڑی سی ترکیب میں رونق محل ہو سکتا ہے حکیم صاحب نے سوچا کہ ان کے گذر سے کیلئے کوئی نسخہ ضروری تجویز کرنا چاہیئے ہُد ہُد کو اڑا کر دربار میں پہونچا دیا۔

غرض کہ اس قسم کی بیسیوں تحریریں ہیں جن میں "طب کے ضلع" نے ایک لطف اور مزاحیہ رنگ پیدا کر دیا۔ اس کے علاوہ موسیقی کے ضلع سے متعلق چند نمونے اور ملاحظہ فرمائیے۔ جس سے اندازہ ہوگا کہ گفتگو میں موسیقی کا ضلع کیا رنگ پیدا کر سکتا ہے؟

موسیقی کا ضلع، مسلم لیگ نے جنگلے کے بعد دیس کی دھن چھیڑی ہے اور سر وزیر حسن کے متعلق یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ جنگلے کی راہ سے چلا دلیس لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابھی تو سنگیت سبھا کا آغاز ہوا ہے بڑے بڑے کلاونت اور نایک جن کے سامنے تان سین کے دیپک کا چراغ نہیں جلتا بلکہ باز بہادر کا سکھ ملہار پانی بھرتا ہے سبھا میں آنے والے ہیں ان کے کمال ہنر ہزار انکار کیجئے لیکن سم پہ پہونچ کر سب کے سر ہل جائینگے۔ کچھ دنوں میں دیکھئے گا کہ سر تار رنگ، سارنگ سنائیں گے کا وہ سنتری

www.taemeernews.com

سنگھ گوڑ گوڑ سارنگ میں مجلسِ احرار کے تلنگے تلنگ گانے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ آبداروں نے بھی تہیہ کر لیا ہے کہ جل ترنگ بجائیں اور ملہار گائیں۔

سنا ہے کہ راجہ غضنفر علی احرار سے آ ملے۔ یعنی اکتارہ دوتارہ بن گیا دیکھیے۔ اتحادِ ملت کب اس دوتارہ پر تیسرا تار چڑھا کر اسے ستار بناتی ہے۔

پھبتی کی خصوصیت، دوسری چیز پھبتی ہے۔ پھبتی کے معنی نام سے ظاہر ہیں۔ اس کو اسم با مسمیٰ ہونا چاہیے یعنی جس پر پھبتی کسی جائے وہ ایسی ہو کہ اس پر سولہ آنہ پھبتی ہو۔ یہ ایک قسم کی تشبیہ ہے جس سے کوئی ذم یا ظرافت کا پہلو نکلتا ہے چنانچہ تشبیہ سے تو یہ مقصد ہوتا ہے کہ کسی کے حسن کو دو بالا کر دیا جائے۔ اور پھبتی سے یہ مقصد ہوتا ہے کہ کسی اچھی چیز کو ایسی انوکھی چیز سے ظرافتاً تشبیہ دی جائے کہ وہ مضحکہ خیز بن جائے۔ چنانچہ خاں صاحب فرماتے ہیں ؎

اور کیا پھبتی کسوں بن آئے ہو لنگور سے
داڑھی منڈھواؤ میں باز آئی خدا کے نور سے

جس طرح کری کیچر (CARi CHiRE) یا کارٹون میں کسی کے حسن و قبح کو مبالغہ کے ساتھ نمایاں کرتے ہیں اور تصویر کے خطوط گھٹا بڑھا کر ایک پُر مذاق مگر با معنی حلیہ بنا دیتے ہیں۔ اسی طرح پھبتی کسنے والا بھی کسی کے قد و قامت، چال، ڈھال، شکل و شباہت، وضع قطع یا رنگ و روپ کو اشارتاً یا کنایتہً کسی ایسی چیز سے تشبیہ دے جاتا ہے جو مضحکہ خیز ہونے کے علاوہ اس سے اس طرح جا چپکتی ہے جیسے گوند سے کاغذ۔

تشبیہ اور پھبتی کا فرق، تشبیہ اور پھبتی کا فرق اس مثال سے

www.taemeernews.com

واضح ہو جاتا ہے کہ اگر کسی کالے یا سیاہ رو شخص کے چہرے پر تشبیہ کا رنگ و روغن چڑھا کر اسے ایک مبتذل شکل میں پیش کریں تو کہیں گے کہ اس کا چہرہ سنگ اسود کی طرح چمک رہا ہے یا اس کا آنا ابر رحمت کا آنا ہے اور اگر پھبتی کا سیاہ پالش مل کر اس کے رنگ کو چمکائیں گے۔ تو کہیں گے کہ وہ آبنوس کا کندہ ہے وہ مرگھٹ کا کوئلہ ہے وہ تمباکو کا پنڈا ہے وہ چراغ رکھنے کا دیوٹ ہے وہ جلا ہوا تیتر ا ہے وہ کالا پرمٹا ہے وہ اُلٹا توا ہے وغیرہ وغیرہ غرض کہ پھبتی کے میدان میں جب تک بونے کو ٹینی مرغا یا چنیا بطخ اور موٹے تازے آدمی کو دم کٹا بھینسا، سانڈھ، گینڈا کہہ کر نہ چھوڑیں تو تماشائیوں کو کبھی لطف نہیں آتا نمونے کے طور پر مرزا فرحت اللہ بیگ مرحوم کی پھبتیاں ملاحظہ فرمائیے لیجیے! اب مولوی صاحب کا حلیہ سنیئے رنگ سانولا مگر رو کھا قد اونچا تھا مگر چوڑان نے لمبان کو دبا دیا تھا۔ فرماتے تھے۔ بچپن میں ورزش کا شوق تھا۔ ورزش چھوڑنے سے بدن جس طرح ہر مردوں کا پھیلا ہوتا ہے بس یہی کیفیت تھی سر بہت بڑا تھا مگر بڑی حد تک صفائی کا انتظام قدرت نے اپنے اختیار میں رکھا تھا جو تھوڑے بہت بچے بال تھے وہ اکثر نہایت احتیاط سے صاف کر دیئے جاتے تھے۔ ورنہ بالوں کی یہ کگر سفید منقش کی صورت میں ٹوپی کے کناروں پر جھالر کا نمونہ ہو جاتی تھی۔ جب آواز بلند کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ترم بج رہا ہے ناک کسی قدر چھوٹی اور نتھنے بھاری تھے اسی ناک کو گواروں کی اصلاح میں گا جر اور دہلی کی بول چال میں پھلکی کہا جاتا ہے ڈاڑھی بہت چھدری تھی بالوں میں سے ٹھوڑی اس طرح دکھائی دیتی تھی جیسے ٹیکیں ریز ڈالنے اکسرے کے اندر کی چیز۔

www.taemeernews.com

جاڑے میں سر پر کنٹوپ رہتا تھا مگر بڑا دیتا فوسی کبھی اس کے دونوں پاکھے اوپر کی طرف سیدھے ہو کر لاٹ پادری کی ٹوپی کا نمونہ بن جاتے اور ڈوریاں طرّے کا کام دیتیں کبھی پاکھوں کو پھر پر اوپر تلے ڈوریوں سے کس دیا جاتا اور اس طرح کنٹوپ نیلٹ کیپ کی شکل اختیار کر لیتا۔

پھبتی کا ایک اور نمونہ، ذرا ان بڑے میاں کی بڑ مجھس کو تو دیکھئے منہ پچکی آنکھیں رندھا کنوا گالوں پر جتے ہوئے کھیت کی طرح جھریاں کمر خم جیسے تیغ ریختہ دم شادی کا سنا تو کرسی پر اس طرح جا بیٹھا جیسے مداری کی ڈگڈگی پر لنگور بہر کیف شادی ہوئی۔ نقاب زریں جو اٹھایا تو عجب منظر نظر آیا اُدھر دولہن کا وہ نور عالم افروز اور اِدھر میاں کا سڑے بھجنگا شکل کے روز بہ ہے چاند کو گہن لگ گیا۔ شاخ صندلی پر مار سیاہ کا تبصرہ ہوا سو

پہلوئے حور میں لنگور خدا کی قدرت
زاغ کے چونچ میں انگور خدا کی قدرت

تجنیسِ لفظی :۔ تیسری تجنیس ہے ایک لفظی اور دوسری تجنیس نام جب دونوں میں سے کوئی بھی بھروپ بدلے ہوئے محفل ظرافت میں آتی ہے تو ایسی ایسی مضحکہ خیز شکلیں نبالتی ہے کہ ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جاتے ہیں۔ اردو میں کئی خط رائج ہیں ترسُل، شکستہ رقاع اور شفیعا وغیرہ، بعض خط شفیعا کے ماہر لکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ پیاز کے لچھے کاٹ کر رکھ دیئے ہیں۔ صاحب عالم مارہروی کا خط بھی اس قبیل کا تھا۔

غالب نے ایک مرتبہ انہیں لکھا

حضرت! لکھی ہوئی عبارت سے جو سمجھتا ہوں اس کا جواب لکھتا ہوں جو کچھ مجھ سے نہیں پڑھا گیا وہ تعویذ باندھ کر رکھتا ہوں۔ اگر

www.taemeernews.com

الغرض محال کبھی ملاقات ہوگی تو آپ سے دریافت کر کے پاتج گزرانوں گا۔

بعض لوگ خط شکستہ ایسا لکھتے ہیں کہ بس قلم توڑ دیتے ہیں مگر نقطے ہضم کر جاتے ہیں نکتہ رس طبیعتیں اس میں وہ وہ نکتے پیدا کرلیتی ہیں کہ وہ اچھا خاصہ لطیفہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ غالب نے انوار الدولہ شفق کو لکھا

ایک لطیفہ نشاط انگیز سنیئے۔ ڈاک کا ہرکارہ جو بلی ماران خطوط لیجاتا ہے اس نے داروغہ کو خط دیا اور داروغہ نے وہ خط دے کر مجھ سے کہا کہ ڈاک کا ہرکارہ بندگی عرض کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ مبارک ہو آپ کو جیا دلی کے بادشاہ نے نوابی کا خطاب دیا تھا آپ کا بابے سے خطاب کپتانی کا ملا ہے حیران کہ یہ کیا ہے سرنامہ کو غور سے دیکھ کہیں قبل از رسم مخدوم نیازکشیاں لکھا تھا۔ اس قرم ساق نے اور الفاظ سے قطع نظر کر کے کپتیان کو کپتان پڑھا۔

نواب علاو الدین کا تخلص نیمی تجویز کیا تھا وہ تھے وہمی۔ بدگمان ہوئے کہ کہیں نیمی کو کوئی پشمی نہ پڑھے۔ انہوں نے گھبرا کر یہ شبہ غالب پہ ظاہر کیا۔ غالب نے جواب دیا۔

میری جان تمہارا تخلص بہت پاکیزہ ہے اور میرے کو پسند ہے۔ پشمی کو یہ تکلف نیمی کا مصحف کیوں ٹھہراؤ۔ یہ میدان تو بہت فراخ ہے۔ اور ایک اچھا تخلص ہے رہبر واس کی تجنیس موجود ہے شتون ایک اچھا تخلص ہے ستون اس کی تصحیف ہے تمہارے واسطے فخری تخلص بہتر ہے مگر تم کہو گے کہ آزاد پور کے باغ میں ایک آم کا نام فخری ہے

اکثر لوگ ایسے ستم ظریف ہیں کہ کسی سے غلط سلط لفظ سن کر ٹوکنے کے بجائے خوش ہوتے ہیں کہ دل لگی کا نیا سامان ہاتھ آیا ایک ..... بنگالی بابو کو فارسی کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ وہ فرصت کے اوقات میں ایک مولوی صاحب

www.taemeernews.com

سے تھوڑا بہت پڑھا کرتے تھے۔ لیکن دم بخود کو ہمیشہ دم بخود رکھتے تھے کسی نے مولوی صاحب سے کہا کہ ہمیں تو بابو صاحب سے کہنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ آپ اس غلطی کی اصلاح کر دیجئے۔ مولوی صاحب نے کہا بھائی! میاں صاحب کی یہی غلطیاں تو میری زندگی کا سہارا بنی ہوئی ہیں اگر ان کی اصلاح ہو گئی تو پھر مجھے کون پوچھے گا۔ غرض دم بخود کہتے کہتے بابو صاحب کا دم ہوا ہو گیا۔

اسی پیل کا ایک لطیفہ بھی سن لیجئے:

ایک منشی جی کسی ڈپٹی کلکٹر کی پیشی میں کام کرتے تھے ایک عرضی آئی منشی جی نے فوراً ڈپٹی کلکٹر کو سنانی شروع کر دی عرضی کے ختم پر لکھا تھا۔ راقم بابو ولد نتھو قوم گھورا پیشہ پٹواری ساکن پیپل باندھا۔ منشی جی نے اپنی روانی میں بابو کو یا بو پڑھا، نتھو کو ٹنٹو، قوم گھورا کو قوم گھوڑا، پیشہ پٹواری کو پیشہ سواری اور ساکن پیپل باندھا کو ساکن پیپل سے باندھا ان کی ٹک بندی ایک بار پھر سن لیجئے۔ راقم بابو ولد ٹنٹو قوم گھوڑا، پیشہ سواری ساکن پیپل سے باندھا۔

ابہام:- چوتھا ابہام ہے جس کے لغوی دو معنی لغطی کے ہیں۔ چنانچہ اکثر شعراء اور ظریف باتوں باتوں میں ایک ایسا لفظ بول جاتے ہیں جس کے دو معنی ہوتے ہیں۔ گویا وقت واحد میں وہ ایک لفظ سے دو معنوں کی طرف اشارہ کر جاتے ہیں۔

جس کے ایک معنی کو دوسرے معنی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا یہ دو رنگی باتیں اور وقت واحد میں دو مختلف مفہوم سامعین کے دلوں پر ایک خاص کیفیت پیدا کر دیتے ہیں۔

یہ وہی صفت ہے جس نے انشاءاللہ خاں کو الٹ دیا تھا اور نواب سعادت علی خاں صاحب کے دل میں زخم ڈال دیئے تھے کہتے

www.taemeernews.com

ہیں کہ نواب سعادت علی خاں لونڈی کے پیٹ سے تھے ایک دن مجلس میں شرفا کی شرافت اور نجابت کے تذکرے ہو رہے تھے نواب نے کہا کہ ہم بھی نجیب الطرفین ہیں انشاء اللہ خاں بھلا کہاں چوکنے والے تھے۔ کہنے لگے حضور نجیب ہی ہیں۔ بلکہ انجب ہیں۔ انجب کے ایک معنی تو انتہا درجہ کا شریف الخاندان اور دوسرے معنی ہیں لونڈی زادہ "ولد الجاریہ" انجب

زبان دانی کی کسوٹی: زبان کی حد تک تو یہ صفت زبان دانی کی کسوٹی ہے۔ اگر اس قسم کے الفاظ واقعہ متعلقہ سے لپٹے ہوئے اور برجستہ کہہ دیے جائیں تو بولنے والے کی حاضر جوابی ذہانت اور علمی ذوق کی بے ساختہ داد نکلی جاتی ہے جو لوگ زبان کے مختلف پہلوؤں سے ناواقف ہوتے ہیں۔ اُن کے منہ سے بے اختیار ایسے جملے نکل جاتے ہیں جن میں ہزاروں طرح کے برے پہلو موجود ہوتے ہیں۔ وہ لوگ اس کمزوری کو محسوس نہیں کر سکتے مگر لوگ سُن کر بے اختیار ہنس پڑتے ہیں۔

مولانا عبدالحلیم شرر نے ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک بنگالی عالم جو اُردو زبان کے بھی ماہر خیال کیے جاتے تھے ایک روز مولانا سے آکر کہنے لگے کہ جناب یہ بھی کوئی زبان کی خوبی ہے کہ میں نے لکھنو کی ایک صحبت میں کہا کہ میں آج کل دودھ پیتا ہوں تو اس پر لوگ بے ساختہ قہقہہ مار کر ہنس پڑے مولانا نے جواب دیا کہ یہی تو زبان کا حسن ہے چونکہ آپ زبان میں ناقص ہیں اس لیے آپ کو بجائے اپنے عیب کے زبان کا عیب نظر آیا دودھ پینا شیر خوار بچوں کا کام ہے۔ اور عاقل و بالغ کیلئے یہ کہنا عیب ہونے کے علاوہ یہ معنی دیتا ہے کہ ابھی ناسمجھ ہیں۔ ناداں ہیں۔ اس لیے اس پہلو کو بچا کر مختلف طریقوں سے اس جملہ کو ادا کر دیتے ہیں۔ مثلاً یہ کہیں گے کہ آج کل میں دودھ استعمال کرتا ہوں یا آج کل

www.taemeernews.com

میری غذا دودھ دیغرہ ہے۔ بہرحال کئی خوش طبع اہل قلم لفظی جوڑ توڑ اور معنوں کے الٹ پھیر سے ظرافت کا رنگ پیدا کرتے ہیں جن کے مزاج میں شگفتگی ہے اور زبان پر پورا پورا قابو حاصل ہے وہ تو میدان ظرافت میں طرار سے بھرتے رہتے ہیں ورنہ اڑیل گھوڑے کی طرح قدم قدم پر اڑتے ہیں اور بدلگامی کرتے رہتے ہیں۔

ظرافت کے سلسلہ میں اگر ہجو اور ریختی کا ذکر خیر نہ کیا جائے تو بس ظرافت کا عدم و وجود برابر ہو جاتا ہے اور تمسخر کا بازار تو بالکل چوپٹ ہو جاتا ہے۔ ہجو کو پست اور گری ہوئی صفت سمجھتے ہیں مگر اس کی ٹانگ ہمیشہ اوپر ہی رہتی ہے۔ ہجو کی بنیادیں ذاتی عناد اور باہمی چشمک پر رکھی گئی ہیں مگر آخر میں چل کر اس کے ڈانڈے طنز و طعن سے ملتے ہیں جو ظرافت کی جان اور خوش مذاقی کی روح رواں ہے۔

ہجو میں رمز و کنایہ، ضلع جگت علامت اور حصہ ابہام اور پھر تحسین غرض کہ ظرافت کے تمام اجزاء کا استعمال بڑی دریا دلی سے کیا جاتا ہے بلکہ بعض اہل قلم تو خوش ہیں اگر تو مکار گالی گلوج اور فحش کلامی کے دریا بھی بہا دیتے ہیں آپ کسی کی ہجو بھی اٹھا کر دیکھ لیجئے تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ اس حمام میں سب ننگے ہیں وہ گلفشانیاں کی ہیں کہ بھانڈوں کو بھی مات کر دیا ہے۔

مگر آج کل تو ایک طرف ظرافت نے اپنا رنگ بدل دیا ہے۔ اور دوسری طرف تعزیرات ہند کی دفعہ ۵۰۰ نے ہجو گویوں کا قافیہ تنگ کر دیا ہے اب تو بہترین قسم کی ہجو وہی ہے جس میں اپنے حریف کی کمزوریوں اور عیبوں کو دلچسپ اور ظریفانہ رنگ میں دکھایا جائے خوشگوار شوخیاں۔ چست اور چلتے ہوئے فقرے ہوں،

www.taemeernews.com

چبھتی ہوئی پھبتیاں ہوں، طنز کی چوٹیں ہوں ذہنی داؤ پیچ ہوں۔ ظریفانہ پینترے ہوں، دشمن پر ضرب پڑے اور کاری پڑے مگر ادبی خصوصیات پر ضرب نہ پڑنے پائے اور مذاق سلیم پر بار نہ گزرے طنز کیلئے یہی ہجو ہے اگر وسعت نظری کو کام میں لائیں اور بجائے شخصی نمونوں پر ہاتھ صاف کرنے کے اپنے اور سماج کے عیبوں کو ایسے خوشگوار انداز میں ظاہر کریں کہ سننے والے خود اپنے عیبوں پر ہنسیں اور ان کی اصلاح کی طرف توجہ کریں تو بس سمجھ لو وہ ہجو نہیں طنز ہے ہجو اور طنز کے نمونے دیکھنے ہوں تو سودا کا کلام دیکھئے اسکے اس صفحہ میں ورق کے ورق سیاہ کر دیئے ہیں۔ سودا اردو کا پہلا شاعر ہے جس نے ہجو اور طنز کے میدان میں سب سے پہلے قدم رکھا اس کی شگفتہ مزاجی اور بلند خیالی کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے شدید سے شدید غصے کے جذبات پر ایک نقاب سی ڈال دیتا تھا کہ اپنی مروت کے ساتھ ساتھ دوسروں کی بھی تفریح ہوتی رہے اور موقع موقع سے ذرا نقاب کو چہرے سے ہٹا دیتا تھا کہ تاکہ اصلی واقعات بھی ظاہر ہوتے رہیں۔

سودا نے گھوڑے کی ہجو کہی ہے اس کے دو چار شعر سنیئے ؎

ہیں گے چنانچہ ایک ہمارے بھی مہرباں
پادے مزا جو اُن کا کوئی نام لے بہار
نوکر ہیں سو روپیئے کے دیانت کی راہ سے
گھوڑا رکھے ہیں ایک سو اتنا خراب و خوار
مانند نقش نعل زمیں سے بجز فنا
ہرگز نہ اُٹھ سکے وہ اگر بیٹھے ایک بار
ہر رات اختروں کے تئیں روز پوچھ کر
دیکھے ہے آسماں کی طرف ہو کے بے قرار

www.taemeernews.com

ہے اس قدر ضعیف کہ اڑ جائے باد سے
منحیں گر اس کی تھیان کی ہو دیں ہوا سے تولہ

گھوڑے کی عمر کے متعلق فرماتے ہیں

ہے پیر اس قدر کہ جو بتلائے اس کا سن
پہلے وہ ریگ بیاباں کرے شمار
لیکن مجھے تو روے تواریخ یاد ہے
سلیمان اس پہ نکلا تھا جنت سے ہو سوار

پیر اس گھوڑے پر بیٹھ کر لڑنے گئے تو اس طرح تصویر کھینچتے ہیں

چابک تھے دونوں ہاتھ میں پکڑے تھا منہ میں باگ
لٹک لٹک سے پاشنہ کے میرے پاؤں تھے فگار
آگے سے تو بڑھا دے اسے دکھلا کے تھا کشش
پیچھے نقیب ہانکے تھا لاٹھی سے بار بار
اس مضحکہ کو دیکھ کے جمع خاص و عام
اکثر مدبروں میں سے کہتے یوں وہ پکار
پہیہ اسے لگاؤ کہ تا ہو دے یہ رواں
یا بادبان باندھو پون کے در اختیار
کہتا تھا کوئی ہے نر کوئی نہیں مادہ البت
کہتا تھا کوئی ہے گا ولایت کا یہ حمار
کہتا تھا کوئی مجھ سے ہوا تجھ سے کیا گناہ
کتوال نے گدھے پہ تجھے کیوں کیا سوار
دھوبی کمہار کے گدھے اس دن ہوئے تھے
اس ماجرے کو سن کیا دونوں نے دال گزار

www.taemeernews.com

ہر اک نے اس کو اپنے گدھے کا خیال کر
پکڑے تھا دھوبی کان تو کھینچے تھا دُم کمہار

جب دیکھا میں کہ جنگ کی یاں اب بندھی ہے شکل ہے نے جوتیوں کو ہاتھ میں گھوڑا نعل میں یار دھر دھمکا داں سے کرتا ہوا شہر کی طرف ہے : لقصہ گھر میں ان کے میں نے بھی قرار

یہ تو تھے ظرافت کے چیلے چپاٹے اور دُم چھلے اب خوش مذاقی اور ظرافت کا پوسٹ مارٹم کیجئے تو پتا چلے گا کہ یہ دونوں علیٰحدہ علیٰحدہ چیزیں ہیں مُبکر سے کہتا ہے کہ خوش طبعی، ظرافت اور محبت کا نام ہے خوش طبع شخص کو بنی نوع سے دلی خلوص اور گہری ہمدردی ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے ظرافت خوش طبعی اور ذہانت کا نام ہے یہ زیادہ فنی ہے اور اس میں غصے کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو برف کی ہنستی ہوئی شکل میں تبدیل کر کے پیش کیا جاتا ہے۔

ظریف اپنے چبھتے ہوئے فقروں اور طنزیہ جملوں سے ایک ایسی فضاء پیدا کر دیتا ہے کہ بے تعلق لوگ ہنستے ہنستے لوٹ جاتے ہیں اور جنھیں ذرا بھی تعلق ہوتا ہے وہ دل ہی دل میں روتے ہیں۔ ظریف کے دل میں انتقامی جذبات بادلوں کی طرح اومنڈ ھتے رہتے ہیں اور آنکھوں میں شوخی اور شرارت سے بجلی کی طرح چمکتی رہتی ہے وہ ہماری اندرونی کمزوریوں اور حماقتوں کی گہرائیوں کو اچھی طرح مطالعہ کر کے خوش طبعی اور ظرافت کی رنگ برنگ کی خوش نما روشنیوں میں دکھاتا ہے اور جن باتوں پہ یار لوگ پیٹ دبا دبا کر قہقہے مارتے ہیں اُس پر ظریف ہونٹ دبا کر مسکراتا رہتا ہے ظرافت کے نمونے دیکھنے ہوں تو اودھ پنچ ملاحظہ فرمایئے اُس کے پرانے کھنڈر میں سینکڑوں قہقہے دبے پڑے ہیں اودھ پنچ کے نامہ نگاروں میں ایک سے ایک اعلیٰ ادیب

www.taemeernews.com

اپنی ایک خاص طرز کا موجد اور ظرافت کا امام تھا۔ خود منشی سجاد حسین ایڈیٹر "ظرافت" کے سرچشمے تھے۔ مرزا مچھو بیگ ستم ظریف حضرت احمد علی شوق پنڈت رتن ناتھ سرشار، پنڈت تربھون ناتھ ہجر، نواب سید محمد آزاد، بابو جوالا پرشاد برق اور اکبر الہ آبادی سب کے سب مسلم الثبوت استاد اور ظرافت نگاری میں اپنی نظیر آپ تھے۔ "اودھ پنچ" اردو ادب کا پہلا پرچہ تھا ۱۸۷۷ء میں اس نے ظرافت کے چہرے سے نقاب اٹھائی اور دنیائے ادب میں ظرافت کی لہر دوڑا دی۔ اس کے سب نامہ نگار پرانی تہذیب و تمدن کے ڈنکے پیٹتے تھے اور نئی روشنی کے خلاف لٹھ لے کر کوسنے پر پڑ گئے تھے سرسید کے خلاف خوب گلفشانیاں کیں۔ داغ اور مولانا حالی پر بڑھ بڑھ کر وار کیئے اور ظرافت کے شہسوار بد توں پانی پت کے میدان میں طرارے بھرتے رہے ہر معرکہ کا عنوان رہتا تھا ؎

ابتر ہمارے حملوں سے حالی کا حال ہے
میدان پانی پت کی طرح پائمال ہے

تعلیم نسواں اور پردے کے سلسلے میں اکبر نے جو بے پردہ چوٹیں کی ہیں اس کا ایک قطعہ نمونتاً ملاحظہ فرمائیے ؎

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں
اکبر زمیں میں غیرت قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کے پڑ گیا

اگر دیکھا جائے تو اودھ پنچ کی ظرافت بھی اعلیٰ قسم کی ظرافت نہ تھی جیسا کہ برج نرائن چکبست ایک موقع پر فرماتے ہیں۔

قوموں کے مذاق سلیم نے جو ظرافت کا اعلیٰ معیار قائم کیا ہے۔

www.taemeernews.com

اس کے دیکھتے ہوئے ہم اودھ پنچ کی ظرافت کو بحیثیت مجموعی، اعلیٰ درجہ کی ظرافت نہیں کہہ سکتے لطف ظرافت اور بذلہ سنجی اور تمسخر میں بہت فرق ہے اگر لطیف و پاکیزہ ظرافت کا رنگ دیکھنا ہے تو اردو زبان کے عاشق کو غالب کے خطوں پر نظر ڈالنا چاہیئے .... اودھ پنچ کے ظریفوں کی شوخ و طرار طبیعت کا رنگ دوسرا ہے اُن کے قلم سے پھبتیاں ایسی نکلتی ہیں جیسے کمان سے تیر.... جو مظلوم اُن تیروں کا نشانہ بنتا ہے روتا ہے اور دیکھنے والے اس کی بیکسی پر روتے ہیں۔ اُن کے فقرے دل میں ہلکی سی چٹکی نہیں لیتے ہیں بلکہ نشتر کی طرح تیر جاتے ہیں اُن کا ہنسنا غالب کی زیرلب مسکراہٹ سے الگ ہے یہ خود بھی نہایت بے تکلفی سے قہقہے لگاتے ہیں اور دوسرے کو بھی قہقہے لگانے پر مجبور کرتے ہیں۔

سرشار کی شوخی:- پنڈت رتن ناتھ سرشار ابتداء میں اودھ پنچ کے نامہ نگار تھے پھر کچھ عرصے کے بعد خود اپنا اخبار جاری کیا جو، اودھ اخبار کے نام سے مشہور ہے طبیعت میں بلا کی شوخی تھی۔ لکھنو کی ٹکسالی زبان لکھتے تھے ان کی سب سے بہتر تصنیف "فسانۂ آزاد" ہے جس میں ہر طبقہ اور فرقہ کے حالات اور محاورات بڑی خوبی سے لکھے ہیں اور بڑے ظریفانہ انداز میں پیش کیے ہیں۔ نمونہ کے طور پر ایک افیونی کے حال سنیئے۔

بازار بھر میں سناٹا، حلوائی بھی سو رہا ہے مگر نان بائی برتن دھو رہا ہے جو ہریوں کی دوکان میں قفل لگا ہوا ہے۔ مگر تمباکو والا جگا ہوا ہے۔ ادھر صدائے مرغ سحر اُدھر ندائے اللہ اکبر..... اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص لنگی باندھے افیون کی پینک میں جھوم رہا ہے اور لو کھلایا ہوا چو طرفہ گھوم رہا ہے کہ کہیں سے ایک چنگاری مل جائے تو دم لگے جہاں لاتے ہیں پھر آنا کی آواز آتی ہے الغرض محلے والوں کی صلواتیں سناتے

www.taemeernews.com

اور دل ہی دل میں جھلاتے ہوئے نان بائی کی دوکان پر حضرت پہونچے حضرت بڑے بھائی! اک ذری آگ تو جھٹ دینا میرا یار لا تو جھٹ پٹ۔
نان بائی — اچھا اچھا تو دوکان سے الگ رہو۔ یہاں سودھندے کرتے ہیں آپ کی طرح کوئی بے فکرا تو نہیں ہے کرتڑ کا ہوا اور چلم لی اور لگے کوڑی دوکان مانگنے۔

صبح صبح اللہ کا نام نہ رسول پیغمبر سے کام چلم لئے دوکان پر ڈٹ گئے۔۔ ایسے ہی اُچکے تو چوری کرتے ہیں آنکھ چوکی اور مال غائب کا سہل لیک ہےکر چلم لےکر آگ مانگنے آئے ہیں۔ کسی حقہ میں چلم ولم نہ توڑ کے پھینک دوں گا۔ تم تڑکے دوکان پہ نہ آیا کردبی — تمہیں منت میں کسی دن، ٹھائیں ٹھائیں ہو جائیگی۔

حضرت کی آنکھوں سے خون ٹپکنے لگا جی چاہا کہ بھٹی میں سر کھونس دیں مگر سوچ کہ ہم ایسے آدمی ر نان بائی گوشت پراٹھے کھا کھا کر کے کُتے کی طرح پھول گیا ہے ایسا نہ ہو کہ ایک شخنی تپاٹے وہاں سے چلے تو حلوائی کی دوکان پر پہونچے۔

حضرت — میاں ایک ذری سی آگ دینا بھائی ہوت!

اس وقت حلوائی کا دودھ بلی پی گئی تھی۔ جھلایا بیٹھا تھا گھبراہٹ میں سمجھا کہ کوئی فقیر بھیک مانگنے آیا ہے کڑک کر اور جھڑک کر بولا اور دوکان دیکھو سویرے سویرے کوڑی کی پڑگئی جاتا ہے کہ دوں دھکا رہیں کہیں، مریں کہیں، کوڑی مانگنے یہاں موجود اب کھڑا گھورتا ہے کیا؟ دونوں پھوڑ نہ ڈالوں میں۔ حضرت۔ کچھ داہی ہو ا ہے بے — ابے ہم کوئی فقیر ہیں میں ٹھیک کھس پٹی نہ بتادوں بچہ لو صاحب ہم تو آگ مانگنے آئے ہیں اودھر یہ ہم کو بھیک منگا بتاتا ہے اندھا ہے بے، حلوائی دوکان

www.taemeernews.com

سے اتر کر۔ بھیک منگا تا میں تو ہے کون؟ لنگوٹی باندھ لی اور چلے
بھیک مانگنے تمہارے باپ کا کرج دھرا ت ہے۔
یہ جھکے سے کان دبائے چلا کھڑے ہوئے ..... اتنے میں دیکھا
کہ ایک سنار کی دوکان پر آگ دھک رہا ہے... اتفاق سے اس وقت
سنار دوکان پر نہ تھا ..... جھپ سے دوکان پر چڑھ گئے ان کا چڑھنا
تھا کہ سنار بھی آ گیا اور ان کو دیکھ کر آگ بھبوکا ہو گیا۔ تو کون ہے بے
دیکھو بے تے نہ کرنا۔ سنار نے جھنجھلا کر ایک چپت جمائی۔ ابے تو کون
اور سینئے صاحب۔ خالی دوکان پر کیا مزے سے چڑھ گئے اور ایک دھپ
جما کر اور جوکولی عدد جاتار ہتا۔ میاں آفیمچی نے دیکھا کہ اس نے اپنی جانب
کاسر پنچوں کا سر مقرر کیا۔ مگا چلم پھینک کر سامنے کھڑے ہوئے بھلا
اب تو ہاتھ چلا ...... اس نے بڑھ کر ایک چانٹا اور رسید کیا اور
لے گا اتنے میں تیس چالیس آدمی جمع ہو گئے۔ کیا ہے میاں کیا ہے؟
ہے کیا یہ ہماری دکان پر چوری کرنے آئے تھے ہم نے گردن ناپی تو میں چوری
کرنے آیا تھا۔ میں چور ہوں چور کی ایسی ہی صورت ہوتی ہے۔
لوگ۔ کون، تم ہیں تو تم شاہی چور معلوم ہوتے ہو کالی جوار ی۔
اچھا پھر تم اُن کی دوکان پر گئے کیوں؟ دکاندار نہیں تھا تو تمہارا کیا کام
اور جو سونے چاندی کا گہنا لے بھاگتے تو یہ تمہیں کہاں ڈھونڈتے پھرتے؟
بہر حال اگر کوئی ظرافت کے درشن کرنا چاہیئے تو پہلے اسے
اودھ پنچ کے ٹوٹے کھنڈروں کی زیارت کرنا نہایت ضروری ہے۔
خوش مذاقی، خوش مذاقی کے تعلق سے میں نے پہلے عرض کیا
تھا کہ وہ ظرافت اور محبت کا نام ہے خوش مذاقی کی ہنسی اصلی ہنسی ہے
جس سے فرحت اور انبساط پیدا ہوتی ہے وہ ہمارے عیبوں کو اس

www.taemeernews.com

خوبی سے ظاہر کرتا ہے کہ یار لوگ سن کر خود اپنے عیبوں اور اپنی کمزوریوں پہ ہنستے ہیں اور ان کی اصلاح کرنے کی طرف توجہ کرتے ہیں۔

خوش مذاقی کے مفہوم کو عظمت اللہ خاں نے اس طرح سے سمجھایا ہے کہ آپ ایک معمولی سا مضمون لکھیں اس سرخی سے "ایک ٹوپی کی سرگزشت" اور اس کو اس طرح لکھیں کہ پڑھنے والے یہ بھی مانتے جائیں کہ آپ نے ٹھیک لکھا ہے اور ہنستے بھی جائیں۔ اگر آپ کے دل و دماغ پر ایک انبساط کی کیفیت چھا جائے اور کبھی کبھی لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ کھیل جائے اور ایک مرتبہ قارئین پھول کی طرح کھل کھل کر ہنس پڑیں تو ایسا مضمون خوش مذاقی کا بہترین نمونہ ہوگا۔ خوش مذاقی کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں رکاکت اور سوقیانہ پن بالکل نہ ہو اور منطقی پینترے اور داؤ پینچ کیلئے ایک پُر لطف ورزش ہو جاے۔

اس قسم کے مضمون لکھنے والوں میں مرزا فرحت اللہ بیگ، پطرس، رشید احمد صاحب صدیقی، عظیم بیگ چغتائی، ایم اسلم، سندباد جہازی اور شوکت تھانوی اور ملا رموزی بہت مشہور ہیں۔

حسنِ بیاں کے نمونے: اگر آپ سلاست زبان اور حسنِ بیاں کے چٹخارے لینا چاہیں اور رقم نگاری کے دلچسپ نمونے یا ہماری قدیم تہذیب و تمدن اور پرانے لوگوں کی چلتی پھرتی تصویریں دیکھنی چاہیں تو مرزا فرحت اللہ بیگ کے مضمون پڑھے ان میں ظرافت کے ساتھ ساتھ کیاست اور ذہانت بھی ہے اور مصوری کے بہترین نمونے بھی ہیں۔

اگر فرانسیسی ادب کی جھلک دیکھنا چاہیں تو پھر پطرس کے مضامین پڑھ ڈالئے ان کی محفل میں آپ معمولی معمولی باتوں پر،

www.taemeernews.com

ہنستے ہو جائیں گے۔ وہ چھوٹے سے چھوٹے واقعہ کو خوش طبعی کی رنگ برنگی روشنی ڈال کر اس طرح پیش کرتے ہیں کہ ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جاتے ہیں۔ اگر آپ کو کافی فرصت ہے اور محبت کو فخر نگاری سے کچھ لگاؤ تو ۔۔۔ رشید احمد صاحب کے مضامین لے کر بیٹھ جائیے پھر اُن کے منطقی پینترے دیکھئے کس کس خوبی سے کڈی چلاتے ہیں۔ اور چوٹ پر چوٹ لگاتے ہیں۔

اگر آج سے سو دو سو سال کی اُردو دیکھنا ہو تو مُلّا رموزی کی گلابی اردو پڑھو بڑی خوبی اس میں ہے کہ اگر ان الفاظ کی جگہ آپ آنکھ بند کر کے عربی الفاظ رکھو بھی تو وہ مکے شریف کی عربی ہو جائیگی اور خالی پڑھو تو معلوم ہوتا ہے کہ اردو کے کھیت میں بیٹھے چیار ہے ہیں گلابی اُردو سے فرصت ہے تو پھر ان کی شبابی اردو کا مطالعہ کیجئے ۔۔۔ اس میں ایک خاص خوبی یہ ہے کہ اُسے پڑھ کر پڑھے لکھے بھی لطف اُٹھاتے ہیں اور جاہل بھی مزے لیتے رہتے ہیں۔ علمی چاشنی بھی ہے اور آزادی زبان کے چٹخارے بھی ہیں۔

اگر خیالی منصوبوں اور خیالی آرائیوں کا لطف اُٹھانا ہے تو شوکت تھانوی کے مضامین پڑھے جس طرح منظر نگار اور قدرتی گلکاریوں کو دیکھ کر مُو قلم سے رنگ بھرتا چلا جاتا ہے۔ بس اسی طرح یہ بھی جو دیکھتے ہیں اپنے کلک ظرافت رقم سے تصویریں کھینچے چلے جاتے ہیں ان کی تحریری عکسی تصویر میں ہوتی ہیں جس میں سائے اور روشنی کی جگہ برجستہ جملے ہوتے ہیں اور ان میں ظرافت کا رنگ مناسب رہتا ہے۔

اگر سیدھی سادی اور ہلکی ہوئی ظرافت کا مطالعہ کرنا ہے تو عظیم چغتائی صاحب کے مضامین پڑھے یہ اپنے خاندان اور عزیز و اقارب سے

www.taemeernews.com

ایسے لطیفے رہتے ہیں جیسے فرحت سے امریکہ میں یہ جو بھی واقعات اپنے گھر میں دیکھتے ہیں لکھ ڈالتے ہیں اور جو زبان آیا بے تکلف بول جاتے ہیں۔

مرزا فرحت اللہ بیگ کی گھوڑ دوڑ ملاحظہ فرمائیے:۔

یہ معلوم کرکے بڑی مسرت ہوگی کہ دم پر نمدہ باندھنے اور دُم دبا کر بھاگنے کے محاوروں کی اصلیت کو گزشتہ گھوڑ دوڑ میں ایک نئے گھوڑ ایجاد نامی نے ظاہر کر دیا۔ ان دونوں محاوروں کو منصوبہ ہمیشہ بے تحاشہ بھگا لے جاتا ہے۔ لیکن کسی کی سمجھ میں یہ نہیں آتا تھا کہ دم پر نمدہ باندھے یا دُم دبانے سے رفتار میں تیزی کیسے پیدا ہو سکتی ہے اسکی گھوڑ دوڑ میں ایجاد کے زین کا نمدہ بھی آ گیا اور دُم دب بھی گئی۔

پچھلے دنوں خواجہ حسن نظامی صاحب نے لوگوں کو تلفظ کی غلطیوں سے بچانے کے لیئے آمد میں کچھ تصرفات کیئے تھے۔ مثلاً وہ مدت تک دلی کو دلّی ہی لکھتے رہے اس میں کنایہ یہ تھا کہ "دلّی یعنی داستان ہے۔

خاکسار نے اس مصرعہ پر دوسرا مصرعہ لگا کے مطلع بنایا یعنی بلی کو بلّی ہی لکھنا شروع کیا کیونکہ دلی کو جو تعلق دال سے ہے وہی بلی کو بل سے ہے کم بخت بلا کے بل صاف کر جاتی ہے نبڈل تو نیچا ہو ہی گیا تھا تھوڑی دیر کے بعد گدی بھی پھر نیچے ہو گئی اور میں ہمہ تن زمین پر پہونچ گیا۔ ایک لڑکے نے کہا دیکھو یہ آدمی کیا کر رہا ہے گویا اس بد تمیز کے نزدیک میں کوئی کرتب دکھا رہا تھا ..... مشکل سے بیس قدم گیا ہوں گا کہ مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے زمین یک لخت اُچھل کر مجھے آ لگی ہے آسمان میرے سر سے ہٹ کر میری ٹانگوں کے بیچ میں سے گذرتا گیا ہے اور اِدھر اُدھر کی عمارتوں نے ایک دوسرے کے ساتھ اپنی اپنی جگہ بدل لی ہے۔ حواس بجا ہوئے تو معلوم ہوا کہ میں زمین پر اس بے تکلفی سے بیٹھا ہوں گویا

www.taemeernews.com

بڑی مدت سے مجھے اس بات کا شوق تھا جو آج پورا ہوا..... میں نے اپنے گرد و پیش پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ میری بائیسکل کا اگلا پہیا بالکل الگ ہو کر لڑھکتا ہوا سڑک کے اُس پار پہونچا ہے۔ اور بائیسکل کا باقی حصّہ میرے پاس پڑا ہے میں نے فوراً اپنے آپ کو سنبھالا' جو پہیہ الگ ہو گیا تھا۔ اُس کو ایک ہاتھ میں اُٹھایا دوسرے ہاتھ میں باقی ماندہ سائیکل کو تھاما اور چل کھڑا ہوا.....

جب میں یہ سب کچھ اُٹھا کر چل دیا اپنے آپ سے پوچھا کہ یہ تم کیا کر رہے ہو کہاں جا رہے ہو۔ تمہارا ارادہ کیا ہے یہ دو پہیے کاہے کو ساتھ لے جا رہے ہو سب سوالوں کا جواب یہی ملا کہ دیکھا جائے گا۔ فی الحال تم یہاں سے چل دو سب لوگ تمہیں دیکھ رہے ہیں۔ سر او نچا رکھو اور چلتے چلے جاؤ جو ہنس رہے ہیں۔ اُنہیں ہنسنے دو اس قسم کے بیہودہ لوگ ہر قوم اور ہر ملک میں پائے جاتے ہیں آخر ہو ایک محض ایک حادثہ۔ بس دائیں بائیں مت دیکھو چلتے جاؤ۔ لوگوں کے ناشائستہ کلمات بھی سنائی دے رہے تھے۔ ایک آواز آئی بس حضرت غصّہ تھوک ڈالیئے ایک دوسرے صاحب بولے بے حیا بائیسکل، گھر پہونچ کر تجھے مزہ چکھاؤں گا۔ ایک والد اپنے لخت جگر کو اُنگلی پکڑے لیئے جا رہے تھے' میری طرف اشارہ کر کے کہنے لگے دیکھا بیٹا! یہ سرکس کی بائیسکل ہے اس کے دونوں پہیئے الگ الگ ہوتے ہیں.......

عظیم بیگ چغتائی نے کس خوبی سے عربی کی ٹانگ توڑی ہے فرماتے ہیں بھائی شرزی نے کہا ارے میاں عربی بولنا اور سمجھنا تو بہت آسان ہے کچھ نہیں صرف معمولی اُردو میں یل، ول، ال، اور کم وغیرہ لگا دو، بس عربی ہو گئی عراق میں ایک ناؤ ایسی بھی ہوتی ہے جیسے گول پیالہ...... ہم دونوں ناؤ میں بیٹھ گئے اور دریا کی سیر ہونے لگی۔

www.taemeernews.com

چودھری صاحب ملاح سے غلط سلط عراقی اردو بولی رہے تھے۔ چونکہ لفظ عمیق جانتے تھے لہذا تمام دریا کی گہرائی پر گفتگو ہو رہی تھی اب ملاح سے انہوں نے اس خوفناک بھنور کی طرف انگلی اٹھا کر کہا غولق کشتی میں انگرداب ہے پر لفظ گرداب پر انگلی سے بھنور کی شکل بنائی اور بھنور میں ناؤ لے چلنے کا اشارہ کیا...... ملاح نے تیزی سے کشتی لے جا کر گرداب میں ڈال دی...... اب چودھری صاحب چکرائے چنانچہ خود انہوں نے ڈگمگاتے ہوئے ملاح سے کہا اہار شیخ شدۃ المن الرقص اخراج علی الگرداب۔ بانگرد ملاح واللہ اعلیم سمجھا بھی ہو گا یا نہیں کہ فارسی میں بھنور کو گرداب کہتے ہیں...... اس نے نہ سنا اور نہ سمجھا اور نہ سمجھنے کی کوشش کی اور اللہ کا نام لے کر دانتوں سے اپنا ہونٹ دبا کر اباغ کہا۔ پھر زور سے پتوار پانی میں ڈال کر ناؤ کو اور بھی گھن چکر کر دیا.....

میں سجدے میں پڑا چلا رہا تھا خدا کے واسطے نکالو ادھر اب اشذری بوکھلا کر چلائے شدۃ المن الرقاصد لے اسیار شیخ" خدا کے واسطے اخرج میں انگرداب ارے مار میں پھر چلایا ہائے مرا ادھر اس ناہنجار ملاح نے ایک مرتبہ اور پانی پتوار ڈال کر روز سے چکر کی تیزی میں اضافہ کر دیا...... چودھری صاحب نے اب تو وہاں سنائی دیا شروع کر دی اور چلا رہے تھے ارے! نالائق شیخ بر جنگ...... کم بخت اشدمن الرقص...... ارے رقص...... ارے اخرج... من الگرداب...... ارے موذی...... ناؤ نکال......... رسیا شیخ...... ابے الو...... ابن الالو...... قسم خدا کی.... ورنہ ارے بھائی شیخ اشد المن الرقص...... ابے روک......

www.taemeernews.com

ناقص ...... بدمعاش مگر تو یہ کہئے بھلا ان باتوں سے کبھی ناؤ رکنے والی تھی ..... سر پٹک پٹک کر ہم دونوں بے ہوش ہو گئے نہ معلوم کتنے دیر بعد آنکھ کھلی تو ہم نے اپنے آپ کو دریا کے کنارے پایا جب ایک فارسی داں حضرت کا ادھر سے گذر ہوا معاملہ صاف ہوا ادھر اشتغاثری نے ملاح کی شکایت کی ہم دونوں کو اس نے جزع دے کر ادھر موا کر ڈالا ادھر ملاح نے کہا کر ایسے لوگ بھی کم دیکھنے ہیں آئے ہیں کہ مارے فکر کے مرے جا رہے تھے مگر بار بار یہی بولتے تھے کہ ناؤ کشتی کے ساتھ رقص کرا رہی میرا خود سر چکرا گیا اور دگنی مزدوری واجب ہے۔

اب شوکت تھانوی کی کارگزاری ملاحظہ فرمائیے: آج کا موضوع شاہکار ہے .... اس لفظ کے معنی ہیں کاموں کا بادشاہ اس لئے کہ کار کہتے ہیں کام کو اگر کار کے معنی موٹر کار لیئے جائیں تو شاہ کار کے معنی ہوں گے۔ مسٹر فورڈ" لیکن چونکہ یہاں اُردو زبان کے لفظ کار سے بحث ہے لہذا اس کار کے معنی ہیں کام اور جب اس میں، شاہ لگا دیا گیا تو یہ ہو گیا شاہ کام یعنی کاموں کا بادشاہ اس کو اسی طرح سمجھو کہ تم نے .... اپنی ہوائی بندوق سے فاختہ مار ڈالی اس فاختہ کے شکار کو تم اپنا شاہ کار کہہ سکتے ہو اس لیئے میرے شاہ کار تم خود ہو۔

مہاتما گاندھی کا شاہ کار چرخہ ہے۔ مولانا محمد علی کے شاہ کار مولانا شوکت علی ہیں۔ انگریزوں کا شاہ کار کنگ پرائیڈ ہے۔ ہندستان کا شاہ کار تاج محل ہے۔ تاج محل کا شاہ کار مولانا سیماب کے شاہ کار ساغر نظامی

پٹرولیم کا قحط ایک معنی تو پٹرولیم کے کال کے ہیں اور دوسرے

www.taemeernews.com

علیٰحدہ علیٰحدہ معنوں میں یعنی پیٹر معنی پیٹرو گریڈ اور دوسرا (میتمر) ولیم سب کا۔ ہم یہ رہا کہ جرمنی اور روس دونوں غائب۔

مُلا رموزی کی گلابی اردو کا نمونہ ملاحظہ فرمائیے:۔ پس جب سلسلۂ کلام ہمار نے کیا پہونچا اوپر اس جگہ کے تو شریف لائیں بیوی، نمبر۲ ہمارے ساتھ مہربانی بہت کے اور فرمایا کہ اے شوہر میرے دراز کرے اور عمر اور تندرستی آپکی۔ مگر اے محب وہ گھڑی محبت کی بڑھانے والی کہ جب لائیں الف بیوی۔ نمبر۳ ہماری ساتھ محبت اسی کے کہ بیوی ہوشیار اس کا پر شہر کلکتہ اور دہلی اور باتیں کیں انہوں نے ایسے باتیں اوپر والی تو کہا ہم نے کہ اے بیوی نمبر۳ ہماری، تحقیق قربان ہوائی اوپر وفاداری ستری کے چالیس خزانہ یا عرابین کے۔

اور شوق دے اور ہندوستان کو دیسی مصنوعات کا اور شوق دے اور رشوت خوار تھانے داروں کو گانجہ پینے کا اور شوق دے اور پردہ دار عورتوں کو پردے کا، تاکہ نہ جھانکتی وہ تانگوں، موٹروں اور ڈرسیموں پردہ دار سے ذلیل ہوتی ہے جھانکے ان کے سے شہرت خاندان ان کے کی۔

اے سینما میں جھانکنے والو!

نہ چاہیئے رتبہ نہ چاہیئے تم کو یہ کہ جھانکو تم بیچ سینما کے طرف پردہ نشین عورتوں کے کہ تحقیق میں وہ عزت تمہاری اگرچہ یہ سبب جہالت سخت کے غافل ہیں۔

مسلمان ترقی اور تعلیم عورتوں انپڑھ سے ..... ناگاہ کبھی ایک ہوائی جہاز کے لائے تشریف بیچ خدمت فیض کے درجہ والی ہماری کے۔ مُصطفےٰ نوزی بادشاہ، وزیر جنگ حکومت ترکی کے پس بعد بجا لانے قاعدوں تعظیم کے سگریٹ ترکی پلایا ہم نے ان کو اور حقہ سرحدی پلایا ہم نے اُن کو اور کر دے البتہ عادت، حقہ نوشی کی سرحدی بھائیوں سے۔ امابعد سوال کیا مصطفےٰ کنگ نے یہ کہ کیا سبب اس کا کہ چار شادیاں کیں آپ نے در آں حالانکہ جتنی بیکار اولاد پیدا کی

www.taemeernews.com

ہے بچے ہندوستان کے، نہیں پیدا ہوئے اتنے بچے دنیا تمام کے ..... نہ کہا ہم
نے کہ ہمیں بچے کوئی شک نہیں کہ اس کے چار بیویاں کیں تو ہم نے یہ سبب افلاس کے
تاہم افلاس کا غلط ہو ذریعہ ان کے کیونکہ تحقیق نہیں ہے اس قدر ڈھیل پڑ گئی
تھی۔ بعد والدین کے بچے دنیا کے مونس زیادہ بیویوں چار سے نہ بیوی ایک
ہے اگر معذور رہیں وہ اولاد زیادہ سے بس بشارت اور خوش خبری ہے
چار شادیوں کے اگر سینما نہ دیکھیں چار بیویاں ایک شوہر کی۔

کچھ میری بھی ظرافت کا رنگ ملاحظہ فرمائیے!" حکیم جی کمشری شملہ زیب سر کرتے تھے جس کی بندش نرالی بلکہ بین الصوبہ جاتی ہوتی تھی دو چار ہاتھ جودھ پوری ہیں تو دو تین جے پوری۔ پچھلا حصہ مارواڑی ہے تو اگلا بھوپالی تو کچھ مدراسی ہے تو کچھ پنجابی ہے غرض کہ چوں چوں کا مربہ تھا جو قیمہ کی شکل میں سر پہ دھرا رہتا تھا اس پر طرّہ یہ کہ منڈاسے کا ایک سرا اگر طاؤس کی کلغی کی طرح سر سے ایک فٹ بلند ہو کر طرہ امتیاز بنتا تو دوسرا پس پشت شملہ بن کر مقدار علم ظاہر کرتا رہتا تھا وہ جب چاہتے اس کو سر سے اتار ہاتھ میں کچکول کی طرح رکھ لیتے اور جب چاہتے سر پر الٹ لیتے مگر اس کی بندش تاروں اور تاروں میں بال برابر بھی فرق نہیں آتا تھا۔ سر کے بال بڑے تھے مگر آخر زمانہ میں کچھ تو حجام کی تراش خراش اور خود ان کی بے رخی سے ہُدہُد کا تاج بن کر رہ گئے تھے۔ ڈاڑھی لانبی اور گھنی تھی دور سے دیکھنے پر یہ معلوم ہوتا تھا کہ چہرے کے گرد توس قزح نکلی ہوئی ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ حکیم جی دسویں بارہویں خضاب لگاتے رہتے تھے۔ مگر ساتھ ہی کسی ایک خضاب کے پابند نہیں تھے اور ہر چہ آید در گھسیٹ کے اصول پر چلتے تھے ظاہر ہے کہ ایک خضاب کا دوسرے پر کیوں رنگ جمنے لگا۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ ایک ہفتہ بعد ذرا ڈاڑھی بڑی تو اس کے شروع کا حصہ کا دور

www.taemeernews.com

ایک سپید جھالر کی طرح رنگ جماتا ہوا نظر آتا تھا اس سے ملا ہوا بھورا، پھر کالا پھر سرخ اور آخر میں سرخی مائل مگر ڈاڑھی پر مہندی کا رنگ سب رنگوں کو دبا لیتا تھا۔ منہ میں ڈاڑھوں اور کچلوں کے علاوہ باقی دانت دکھانے کھلا ہی دکھانے کے رہ گئے تھے۔ جن کا پتا دور دور اور نزدیک سے یکساں چلتا رہتا اس سے دانتوں کھلے کی کمائیاں

غالب کی ظرافت: لطیف ظرافت یا مزاج کے پاکیزہ نمونے دیکھنے ہوں تو غالب کے خطوں کو ملاحظہ فرمائیے ان میں نہ تو نقلی گورکھ دھندا ہے نہ ضلع جگت ہے۔ اور نہ پھبتیاں ہیں۔ بلکہ صاف ستھرا پاکیزہ اور شستہ مذاق ہے ہونٹ تبسم سے ہل رہے ہیں مگر منہ سے دیکھو تو پھول جھڑ رہے ہیں زبان قلم سے جو لفظ نکلتا ہے ظرافت کی چاشنی میں ڈوبا ہوا جو سننے والے ہونٹ چاٹتا رہتا ہے طبیعت کی شوخی الفاظ کے پردوں سے جھلکتی ہے ظرافت کا ایک دریا ہے کہ بہتا چلا جا رہا ہے اور اس میں ادب عالیہ کی موجیں اور فصاحت کی لہریں موجزن ہیں نمونے کے طور پر دو چار خطوں ملاحظہ فرمائیے۔ صاحب عالم بار برداری شاید شکستہ بانشفیہ میں لکھتے تھے جسے پڑھنے میں دقت ہوتی تھی۔ غالب نے لکھا۔

حضرات! لکھی ہوئی عبارت جو سمجھتا ہوں اس کا جواب لکھتا ہوں جو کچھ مجھ سے نہیں پڑھا گیا وہ تعویذ باندھ کر رکھتا ہوں۔ اگر بغرض محال کبھی ملاقات ہوگی تو آپ سے دریافت کرکے پاسخ گزرانوں گا علاء الدین صاحب نے غالب سے اپنے بچے کی تاریخ لکھنے کی فرمائش کی وہ تاریخ لکھنے سے دور بھاگتے تھے مگر دل شکنی بھی نہیں چاہتے تھے فرماتے ہیں۔

"تم سخنور ہوگئے حسن طبع در رکھتے ہو، ولادت فرزند کی تاریخ کیوں نہ کہو اور نام تاریخ کیوں نہ نکالو۔ علاء الدین تیری جان کی

www.taemeernews.com

قسم میں نے پہلے لڑکے کا اسم تاریخ نظم کردیا تھا وہ لڑکا نہ جیا مجھ کو اب یہی وہم نے گھیرا ہے کہ میرا ممدوح جیتا نہیں۔ نصیر الدین حیدر اور امجد علی ایک ایک قصیدے میں چل دیئے۔ واجد علی شاہ تین قصیدوں کے متحمل ہوئے اور پھر نہ سنبھل سکے۔ جس کی مدح میں دس بیس قصیدے کہے گئے۔ وہ عدم سے بھی پرے جا پہنچا نا صاحب!

قسم خدا کی میں نہ تاریخ ولادت کہوں گا اور نہ تاریخی نام ڈھونڈوں گا۔

ایک صاحب کو لکھتے ہیں۔ اشعر تازہ مانگتے ہو کہاں سے لاؤں عاشقانہ اشعار سے مجھے وہ بعد ہے جو ایمان سے کفر کو۔ گورنمنٹ کا بھاٹ تھا بھی کرتا تھا خلعت پاتا تھا۔ خلعت موقوف بھی متروک نہ غزل نہ مدح۔ ہزل و ہجو میرا آئین نہیں پھر کیا لکھوں۔ بوڑھے پہلوان کی طرح پیچ بتاتے رہ گیا ہوں"

ایک مرتبہ غالب نے اصلاح دی اس کے خلاف صاحب عالم نے اسناد پیش کیئے۔ جواب میں فرماتے ہیں "میں نہیں کہتا کہ خواہی نخواہی میری تحریر کو مانو مگر اس کھتری بچے سے اور اس معلم سے مجھے کمتر نہ جانو عربی کا حرف اور ہے اور فارسی کا قاعدہ اور ہے۔ سمجھو یا نہ سمجھو تم کو اختیار ہے۔ عقل کو کام فرمائیے، غور کرو اور سمجھو۔ عبدالواسع غیر زبان تھا، قتیل برہمن زادہ تھا۔ واقف غوث اعظم نہ تھے میں یزید نہیں ہوں شمر نہیں ہوں۔ مانو یا مانو تم جانو۔

ایک جگہ فرماتے ہیں۔ "مکرر لکھ چکا ہوں کہ مجھے یاد نہیں کون سی رباعیاں مانگتے ہو پھر لکھتے ہو رباعیاں بھیج، قصیدہ بھیج معنی اس کے یہ ہیں تو جھوٹا ہے اپنے کو معتبر سمجھیے گا۔ بھائی قرآن کی قسم، انجیل کی قسم، دساتیر کی قسم، ژند کی قسم، پازند کی قسم، استاد کی قسم، گرو گرنتھ کی قسم نہ میرے پاس وہ قصیدہ ہے اور نہ وہ رباعیاں یاد ہیں"۔

ایک جگہ روزہ نہ رکھنے اور روزہ بہلانے کے تعلق سے لکھتے ہیں۔

www.taemeernews.com

دھوپ بہت تیز ہے روزہ رکھتا ہوں مگر روزے کو بہلاتا رہتا ہوں ۔۔
کبھی پانی پی لیا کبھی حقہ پی لیا کبھی کوئی روٹی کا ٹکڑا کھا لیا یہاں کے لوگ
بھی عجیب قسم رکھتے ہیں میں تو روزہ بہلاتا ہوں اور یہ صاحب فرماتے ہیں کہ
تو روزہ ہی نہیں رکھا یہ نہیں سمجھتے کہ روزہ نہ رکھنا اور چیز ہے اور روزہ بہلانا
اور چیز ہے۔

ایک موقع پر صاحب عالم کو قواعد وغیرہ سمجھا کر فرماتے ہیں۔ وہ میاں
ہانسی کے رہنے والے بہت چوڑے چکلے جناب واسع صاحب فرماتے ہیں کہ
بے مراد صحیح، اور نامراد غلط، ارے تیرا ستیاناس جائے۔ بے مراد اور نامراد میں
فرق ہے جو زمین آسمان میں ہے نامراد وہ جس کی کوئی مراد، کوئی خواہش اور کوئی
آرزو بر نہ آئے اور بے مراد وہ جس کا خمسہ نقوش مدعا سے سادہ ہو۔
ان مثالوں سے آپ کو اندازہ ہوگیا ہوگا کہ کیسی صاف ستھری زبان ہے اور
کس قدر ظرافت کی چاشنی میں ڈوبی ہوئی کہ ہم پڑھتے ہیں مسکراتے ہیں اور
گھنٹوں ہونٹ چاٹتے رہتے ہیں۔ ہمارے ہاں ادب کے یہ معنی ہیں کہ لڑکا،
اپنے بزرگوں کے ڈر کے مارے کوئی سچی بات منہ سے نہ نکال سکے اور
جھک جھک کر بلا ضرورت سلام پر سلام بجائے یہ دیسا ہمارا ادب ہے جیسا کہ
ایک بندر والا بندر کو سکھاتا ہے کہ ٹانگ اُٹھا کر کھڑا رہے ہاتھ جوڑ کر
گردن نیچے جھکا کر سامنے رہے اور ایک اشارے کے ساتھ ڈگڈگی پر
چڑھ بیٹھے یہ ادب نہیں بلکہ بے ادبی ہے اس میں لڑکے کو ریاکاری اور
ظاہرداری کی تعلیم ہوتی ہے۔

کچھ نقلی ظرافت :۔ اب تک تو آپ نے ظرافت اور اس کے خاندانی
رشتہ داروں کے حالات سنے اب کچھ نقلی اور جعلی ظرافت بھی زیل، ہزل،
پھکڑ پن اور تمسخر کے حالات بھی سن لیجئے اور سڑی متان کے کرتبوں کو بھی

www.taemeernews.com

ملاحظہ فرمایئے گالی گلوچ اور فحش کلامی اس کی جان ہے۔

متانت، تہذیب اور ادب اس سے کوسوں دور رہتے ہیں اور لطافت زبان تو اس طرح غائب ہوتی ہے جیسے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔

اہل محفل کو بلا وجہ اور بے موقع ہنسانے اور قہقہوں کے طوفان اٹھانے کے سلسلہ میں تک بندی اور زٹلی قافیہ: تک بندی اور زٹلی قافیہ کا معاملہ تو ہر لحاظ سے دو ہاتھ آگے ہے۔ اس میں معنی اور مطلب سے کوئی سروکار نہیں ہوتا کوئی بے تکی بات بھی ہانک دی جاتی ہے اور سننے والے بے اختیار ہنس پڑتے ہیں۔ بہرحال زٹلی قافیوں کے استعمال سے اچھے اچھے شاعروں کے قافیے تنگ ہو گئے۔

زٹلیات کا باوا آدم: ہیں کہ جعفر زٹلی زٹلیات کے باوا آدم تھے خود فرماتے ہیں ؎

زٹلی تیری جعفر جہانگیر شد
زٹلی گفتن اندر نوئی مرشد

جعفر زٹلی عالمگیر کے زمانہ میں تھے۔ اور اپنے رنگ میں خوب کہتے تھے بیجاپور کی تعریف فرماتے ہیں ؎

عجب شہر ایں شہر بے جا بُرا ست
کہ ہر برج اُو مثل بھینسا سُرا ست

اس سلسلے میں بھانڈوں کا ذکر خیر نہ کرنا گویا ظرافت کو گالی دینا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ سوتی ہے وہ محفل کہ جہاں بھانڈ نہ باشد، جس محفل میں یہ نہ ہوتے وہاں اُداسی پڑ جاتی اور جہاں یہ قطار باندھ کر کھڑے ہو گئے تو بس سمجھ لو کہ دیوار قہقہہ کھڑی ہو گی۔

قوی ہجوگر۔ بھانڈوں کی ظرافت سستی اور بازاری ہوتی تھی۔ بہرحال

www.taemeernews.com

چھوٹا عالم ہو یا جاہل یہ اس پر فخر کرتے ہیں کبھی نہ چوکتے تھے اور بری بری طرح چوٹ کر جاتے تھے۔ مولانا عبدالحلیم شرر نے ایک موقعہ پر لکھا ہے کہ ان بھانڈوں نے یہاں کی سوسائٹیوں میں عجیب و غریب کام کیے ہیں یہ یہاں کے..... یعنی توی ہجوگو ہیں۔

دہلی کا سب سے پہلا بھانڈ کریلا مشہور ہے جو محمد شاہ کے عہد میں تھا کسی بات پر ناراض ہو کر محمد شاہ نے حکم دیا کہ بھانڈوں کو ہمارے ملک سے نکال دو۔ دوسرے دن بادشاہ کی سواری نکلی تو اوپر سے ڈھول بجے اور بھانڈوں کے گانوں کی آواز آئی تعجب سے سر اٹھا کر دیکھا تو کریلا اور چند بھانڈ ایک کھجور کے درخت پر چڑھے ہوئے ڈھول بجا بجا کر گا رہے ہیں۔ سواری رکوا کر پوچھا یہ کیا گستاخی ہے؟ اور ہمارے حکم کی اب تک تعمیل کیوں نہیں ہوئی؟

عرض کیا قبلہ عالم! ساری دنیا تو جہاں پناہ کے زیر نگین ہے جائیں تو کہاں! اس لیئے اب عالم بالا کا ارادہ کیا ہے اور یہ پہلی منزل ہے۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ بکسر کی لڑائی میں شجاع الدولہ کو شکست ہوئی۔ آصف الدولہ کو لکھنؤ پہونچا کر خود شجاع الدولہ فیض آباد آگئے وہاں غم غلط کرنے کو ایک جشن کیا بھانڈ مجرے کیلئے حاضر ہوئے ایک بھانڈ نے کھڑے ہو کر کہا مبارک مبارک ہمارے نواب صاحب جنگ سے واپس تشریف لے آئے دوسرے نے کہا خدا زندہ سلامت رکھے ہمارے نواب صاحب کیا آئے گویا بھاگ آئے۔

جراءت کا مشہور واقعہ ہے کہ انہوں نے کریلے بھانڈ کی ہجو کی، کریلا بہت برہم ہوا دوسرے روز نواب شجاع الدولہ کے دربار میں اس کا مجرا تھا جراءت بھی موجود تھے کریلے نے وہاں پر زچہ کا سوانگ بھرا اور ظاہر کیا کہ اس کے پیٹ میں بھنگا گھسا ہوا ہے۔ دوسرے صاحب ملا بن کر

www.taemeernews.com

تشریف لائے ۔ جھنجے اور ملا میں دیر تک نوک جھونک رہی آخرکار ملانے جھنجلا کر کہا ارے نامراد کیوں غریب ماں کی جان کو لاگو ہوا ہے جرأت ہے تو باہر نکل کہ تجھے جلا کر خاک سیاہ کر دوں ۔

ان کا ایک واقعہ بہت مشہور ہے کہتے ہیں کہ کسی رئیس نے انہیں دوشالہ انعام میں دیا وہ دوشالہ بہت پرانا تھا ایک نقال نے اسے ہاتھوں میں لے کر غور سے دیکھا ۔ اور اس کو بڑی غور سے دیکھتا رہا ۔

دوسرے نے پوچھا ابے دیکھتا کیا ہے! کیا دیکھتا یہ ہوں کہ اس پر کچھ لکھا ہوا ہے ۔ پوچھا آخر کیا لکھا ہے! اس نے جیب سے عینک نکال کر لگائی اور ایک ایک کر کے بڑی مشکلوں سے پڑھا "لا الہ اللہ" پوچھا بس اتنا ہی؟ محمد رسول اللہ نہیں جواب دیا محمد رسول اللہ کیسے لکھا ہو ۔ یہ تو ہمارے حضرت سے پہلے کا ہے ایک مرتبہ لکھنؤ کے کسی نواب کے ہاں بھانڈوں کا مجرا ہوا یہ نواب صاحب گڑھیا والے کے نام سے مشہور تھے اس لیئے اُن کے مکان کے پاس ایک گڑھیا تھی ۔ محفل میں ایک بھانڈ گھبرایا ہوا محفل کے سامنے آیا اور سب ساتھیوں سے کہا اُٹھو اُٹھو تعظیم کرو سب نے کہا کس کی تعظیم کریں ۔ یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے وہ بولا نواب صاحب تشریف لاتے ہیں ۔ اور یہ کہہ کر ایک ہانڈی سامنے رکھی اور ڈھکن اُٹھایا تو اس میں سے ایک بڑا سا مینڈک اُچھل کر بیچ محفل میں بیٹھ گیا ۔

اب اس نے پھر غل مچانا شروع کر دیا ارے میاں اُٹھو اُٹھو جلدی اُٹھو ساتھیوں نے پھر حیران ہو کر پوچھا ۔ آخر کس کیلئے اُٹھیں اس نے کہا ہے وہ تو! تم نے پہچانا نہیں! اور مینڈک کی طرف اشارہ کر کے کہا آپ ہیں گڑھیا والے نواب صاحب ۔

www.taemeernews.com

حاضر جوابی

حاضر جوابی خدا کی ایک دین ہے جو ہر کس و ناکس کو نصیب نہیں ہوتی۔ حاضر جوابی سے یہ غرض نہیں کہ جواب سن کر لوگوں کے دانت دکھائی دینے لگیں، تاہم لازم یہی ہے کہ حریف کیلئے وہ دندان شکن ہو، مگر ایسا جواب جو حریفوں کے دانت کھٹے کر دے اور دوسروں کے دانت بھی دکھائی دینے لگیں وہ ظرافت کا بہترین نمونہ ہے۔

ہندوستان میں گفتگو کی نوک جھونک عام طور پر ضلع جگت اور پھبتی میں رہتی ہے اور زیادہ تر ان صفتوں کے ذریعہ ہی بات چیت میں مزاح پیدا کیا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ صنائع لفظی اور دوسری صفتیں بھی ہیں جن کا تعلق بالکلیہ صنفِ سخن اور ادبِ لطیفہ سے ہے۔

آج سے کوئی نصف صدی پہلے ان ہی صفتوں نے عوام کی بول چال کو بہت دلچسپ بنا رکھا تھا اور غیر تعلیم یافتہ لوگوں کی گفتگو میں بھی شاعرہ اور ادبی نزاکتیں پیدا ہو گئی تھیں اور یہ واقعہ ہے کہ ان لوگوں کی باتوں کو اکثر صاحبانِ علم اور ارباب ذوق سن کر ششدر رہ جاتے تھے۔

واقعی دیکھا جائے تو الٹی سیدھی باتوں کے ذریعہ مذاق پیدا کرنا، "کوہ کندن کاہ برآوردن" سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا اور بہروپیوں کی، شکل بنا کر اپنے مخاطب کو ہنانا گرے ہوئے مذاق سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا اسی لیئے زمانہ دراز سے مضحکہ، تمسخر، ظرافت اور بذلہ سنجی کا ہنر

www.taemeernews.com

خاص، خاص حلقوں سے منسوب رہا ہے۔ اور اس میدان میں وہی لوگ، لطیفہ آزمائی کرتے رہتے ہیں۔ خوش طبعی، ظرافت، بذلہ گوئی اور حاضر جوابی ایک ایسی دولت ہے جو ہر انسان کو نصیب نہیں ہوتی۔

لطیفوں کی قسمیں: لطیفہ گوئی کا سب سے بڑا عنصر، اسلوب بیان ہے بعض خوش طبع اصحاب کا خیال ہے کہ ایسے لطیفے جن میں خاص طور پر مقررہ اصولوں کے تحت گفتگو میں مزاح پیدا کیا گیا ہے یا خوش مذاق اور اہل ذوق، حضرات کے برجستہ نا پے تُلے ہوئے جوابات بذات خود ایک لطیفہ ہیں مگر ان اصولوں کو پیش نظر رکھا جائے تو صرف چار قسم کے لطیفے رہ جاتے ہیں۔ جن سے عوام، دماغی تفریح اور روحانی غذا حاصل کرتے رہتے ہیں۔

پہلی قسم کے لطیفے: پہلی قسم کے لطیفے وہ ہیں جنہیں خوش فکر حاضر دماغی اور خوش طبع حضرات اپنے دماغ سے ڈھال ڈھال کر پیش کرتے رہتے ہیں۔ انشا اللہ خاں انشاء، نواب سعادت علی خاں کے دربار جاتے وقت لوگوں سے پوچھتے تھے کوئی نقل، کوئی چٹکلا یاد ہے؟ لوگ کہتے بھلا آپ کے آگے، اور ہم لطیفہ کہیں" وہ کہتے کہ ارے میاں کوئی بھی اُلٹی سیدھی بات بھی یاد ہو کہہ ڈالو پھر ہم اُس میں نون، مرچ لگا کر چٹ پٹی کر لیں گے۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ انشاء اللہ خاں انشاء، نواب سعادت علی خاں کے دربار پہنچے، اتفاق سے رزیڈنٹ بہادر کے میر منشی، علی نقی خاں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے، اثنائے گفتگو میں کسی کی زبان سے حضرت سعدی کا یہ مصرعہ نکلا "شاید کہ پلنگ خفتہ باشد" میر منشی صاحب نے نواب صاحب سے مخاطب ہو کر کہا میرے خیال میں "گلستان" کے ہر شعر میں مختلف روایتیں ہونا ممکن ہے۔ حضرت سعدی کا یہ مصرعہ اس طرح سے ہو "شاید کہ پلنگ خفتہ باشد" نواب سعادت علی خاں نے انشاء اللہ خاں کی طرف دیکھا۔ انشا اللہ خاں نے عرض

www.taemeernews.com

کی کہ حضور، میر منشی صاحب بجا فرماتے ہیں۔ غلام نے بھی ایک نسخہ میں ایسا دیکھا ہے کہ

تا مرد سخن نہ گفتہ باشد عیب و ہنرش نہفتہ باشد
ہر بیشہ گماں مبر کہ خالیست شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

انشاء نے کہا کہ وہ نسخہ بہت صحیح اور نفیس تھا، اس میں دو گفتہ اور نہفتہ اور نہفتہ کے معنی بھی لکھے ہوئے تھے، پھر منشی سے مخاطب ہو کر کہا کہ کہئے میر منشی صاحب وہ کنفی تو آپ کو یاد ہوں گے، یہ سن کر منشی صاحب تو سکتے میں آگئے لیکن نواب صاحب پھڑک گئے اور انشاء کو گلے سے لگا لیا اور بار بار وہی اشعار پڑھتے جاتے تھے اور انشاء کی پیشانی کو چومتے جاتے واقعہ صرف اسی قدر تھا مگر انشاء نے ایک محفل میں جب یہ واقعہ بیان کیا تو اہل محفل ہنستے ہنستے لوٹ گئے۔ سنئیے، انشاء اللہ خاں فرماتے ہیں۔

میاں! شعر پڑھنا تھا کہ یہ معلوم ہوا کہ کسی شیر نے آکر مجھے دبوچ لیا، کوئی سوا گز کا سینہ جو پکڑ کر بھینچا تو ادھر ہڈیاں پسلیاں ہو گئیں اور ادھر دم گھٹنے لگا۔ خدا خدا کر کے گرفت ڈھیلی ہوئی اور میں ذرا علیحدہ ہوا، ابھی سانس بھی نہ لینے پایا تھا کہ نواب صاحب نے میرے گلے میں باہیں ڈالیں، بوسہ پر بوسہ لینا شروع کر دیا، بھلا مجھے دیکھو اور نواب صاحب کی اس حرکت کو دیکھو بوسہ بازی تو کچھ افغانستان ہی میں بھلی معلوم ہوتی ہوگی۔ مجھے تو مارے شرم کے پسینے چھوٹ گئے مگر اللہ کا بندہ دم بھی نہیں لینے دیتا تھا ذرا دم لیا اور سبحان اللہ کہہ کر پھر لپٹ جاتا، لپٹا اور لپٹتے ہی بوسہ پر بوسہ لینا شروع کر دیتا بے چارے دوسرے بھلے آدمی کیا کہتے ہوں گے نا بھائی نا ایسے درباروں کو میرا دور ہی سے سلام ہے کون بے چارہ شعر پڑھ کر بوسہ پر بوسہ دے اور مفت میں اپنی ہڈیاں بھی تڑوائے۔

غرض کہ معمولی سی بات کو گھٹا بڑھا کر دلچسپ بنا دینا بدیہہ گو، بذلہ سنج یا قادر الکلام مقرر کیلئے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے موقعہ اور محل کی مناسبت

www.taemeernews.com

ہے۔ وہ جہاں چاہتا ہے بات کا بتنگڑ بنا دیتا ہے اور جہاں چاہتا ہے اُسکی بات کو مختصر کر کے دو لفظوں میں ادا کر جاتا ہے۔

اکثر بذلہ سنج اور خوش طبع حضرات، لطیفہ گوئی کو خوش مذاقی اور ظرافت کی ابتدائی کڑی سمجھتے ہیں، اس لیئے مختلف عنوانات پر اُنھیں بیوقوف بنانے، چٹکلے اور پہلیاں یاد رہتی ہیں۔ ہمیشہ اُن کی نوکِ زبان پر آبدار، اشعار اور پھڑکتے ہوئے جملے کھیلتے رہتے ہیں۔ اور ہر موقعہ پر ایک کی کڑی دوسرے سے ملا کر ایک نیا لطیفہ پیدا کر لیتے ہیں۔

لطیفہ گوئی کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ کسی معمولی واقعہ کو کم سے کم الفاظ میں اِس خوبی سے ادا کر دیا جائے کہ سُننے والے پھڑک اُٹھیں۔

پہلی قسم کے لطیفوں کے چند نمونے ملاحظہ فرمایئے۔

ایک روز انشا اللہ خاں، نواب صاحب کے ساتھ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے اُن کا سر منڈا ہوا دیکھ کر نواب صاحب کی طبیعت بھر آئی، ہاتھ بڑھا کر پیچھے سے ایک دھول جما کر رسید کی، انشاء اللہ خاں نے جلدی سے ٹوپی، سر پر رکھ لی، اور کہا سبحان اللہ، بچپن میں بزرگ سمجھایا کرتے تھے وہ بات سچ ہے کہ ننگے سر کھانا کھاتے ہیں تو شیطان دھول مارتا ہے۔

خواجہ میر درد کے ہاں کسی جلسے میں شاہ عالم بغیر اطلاع تشریف لے آئے اتفاقاً اُن روز شاہ عالم کے پاؤں میں درد تھا اس لئے ذرا پاؤں پھیلا دیا، خواجہ میر درد نے کہا یہ امر فقیر کے آدابِ محفل کے خلاف ہے! شاہ عالم نے کہا "معاف کیجئے عارضہ سے معذور ہوں" فرمایا کہ جب عارضہ تھا تو تکلیف کرنے کی کیا ضرورت تھی۔؟

ایک روز مولوی شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی خواجہ میر درد کے

www.taemeernews.com

یہاں چلے گئے۔ محرم کا مہینہ تھا مرثیہ خوانی ہو رہی تھی، گویئے اور رنڈیاں محفل میں موجود تھیں، شاہ صاحب اس وقت جوان تھے یہ رنگ محفل دیکھ کر مسکرا دیئے خواجہ صاحب اعتراض کو پا گئے اور ان سے مخاطب ہو کر کہنے لگے فقیر کے نزدیک تو یہ سب ماں، بہن ہیں۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ پھر ماں بہنوں کو عوام الناس میں لیکر بیٹھنا کیا مناسب ہے ؟

ایک روز مرزا غالب اپنی بھاوج کی عیادت کو گئے، پوچھا کیا حال ہے ؟ بولیں مرتی ہوں، قرض کی فکر ہے کہ گردن پر لئے جاتی ہوں۔ مرزا نے کہا، بوا ! بھلا یہ کیا فکر ہے اللہ میاں کے ہاں کیا مفتی صدر الدین خاں بیٹھے ہیں، جو ڈگری کر کے پکڑوا بلائیں گے۔

کسی محفل میں امام بخش صہبائی کا ذکر آیا، غالب نے کہا کہ مولانا نے بھی کیا عجیب وغریب تخلص رکھا ہے، عمر بھر ایک چُلو بھی نصیب نہیں ہوئی اور صہبائی کہلاتے ہیں۔ سبحان اللہ، قربان جایئے اس اتقا کے اور صدقے جایئے اس تخلص کے۔ !

ناطق مکرانی نے غالب کے اس مصرع پر اعتراض کیا " خوک شود پنجہ زدن ساز کرد " اعتراض یہ تھا کہ خوک یعنی سور کو پنجہ نہیں ہوتا، مرزا نے کہا کہ آپ کی بندہ نوازی اور اصلاح کا میں ممنون ہوں، میں اس کو بدل دوں گا، مگر معاف کیجیئے میں نے کبھی سوروں کا بیوپار نہیں کیا ہے اس لیئے مجھے یہ بات معلوم نہیں تھی۔

ایک مرتبہ غالب نے مشاعرہ میں اپنی فارسی غزل پڑھی جس وقت یہ مصرع پڑھا " بوادی کہ در آن خضر را عصا خفت است " مولوی امام بخش صہبائی

www.taemeernews.com

کی تحریک سے مفتی صدر الدین صاحب نے فرمایا کہ "عصا خفت است" میرا کلام ہے مرزا صاحب نے کہا کہ میں ہندی نژاد ہوں اس لئے آپ نے میرا عصا پکڑ لیا' اس شیرازی کا نہ پکڑا گیا ع

ولے بہ حملۂ اوّل عصائے شیخ نخفت

میرزا کے خسر نواب الٰہی بخش خاں معروف نے میرزا کو ایک شجرہ نقل کرنے کیلئے دیا آپ نے یہ حرکت کی کہ ایک کا نام لکھا اور ایک حذف کر دیا' پھر ایک نام لکھا اور ایک حذف کر دیا اور اس طرح پورا شجرہ ختم کر کے حوالے کر دیا۔ انھوں نے دیکھ کر کہا کہ تم نے غضب کیا ہے۔ یہ شجرہ تو غلط ہو گیا۔ مرزا نے کہا کہ حضرت شجرہ تو دراصل خدا تک پہونچنے کا ایک زینہ ہے' زینہ سے ایک سیڑھی درمیان سے نکال دی جائے تو کوئی حرج نہیں ہوتا' اُچک کر دوسری سیڑھی پر چڑھ سکتے ہیں۔

ایک مرتبہ غالب محفل میں میر تقی میر کی تعریف کر رہے تھے' ذوق نے سودا کو میر پر ترجیح دی' غالب نے کہا کہ میں تو آپ کو "میری" سمجھتا تھا مگر آج معلوم ہوا کہ آپ "سودائی" ہیں۔

ایک روز شاہ عالم بادشاہ نے مرزا رفیع سودا سے فرمایا کہ بھئی مرزا کتنی غزلیں روز کہہ لیتے ہو؟ جواب دیا کہ "پیر و مرشد جب طبیعت لگ جاتی ہے تو دو چار شعر کہہ لیتا ہوں۔ حضور نے فرمایا "بھئی ہم تو پانچ نہ میں بیٹھے' بیٹھے چار' چار غزلیں کہہ لیتے ہیں۔ سودا نے ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ حضور! اس میں ویسی ہی بو آتی ہوگی —!

www.taemeernews.com

ایک اہلِ گو شاعر نے ایک دن کہا کہ میں نے رات کو خواب میں دیکھا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے اپنا "عصا بر دھن" میرے منہ میں ٹپکا دیا ہے۔ سودا نے کہا تم غلط سمجھے، وہ تو تمہارے منہ پر تھوکنا چاہتے تھے۔ اتفاق سے تمہارا منہ کھلا ہوا تھا، تھوک اسی میں جا پڑا ــــ!

ایک فضولی گو شاعر حج کر کے واپس آئے۔ سودا سے ملے، اپنا دیوان دکھایا اور کہا کہ برکت کی غرض سے میں نے اس دیوان کو "حجرِ اسود" سے خوب رگڑا ہے۔ سودا نے کہا کہ بہتر ہوتا کہ آپ اس دیوان کو "آبِ زمزم" سے بھی دھو لیتے۔

مولانا شبلی کے دوستوں میں ایک شاعر ریحان تخلص کرتے تھے۔ شاعر صاحب کے ہاں لڑکا تولد ہوا۔ بچہ کا رنگ ذرا سانولا تھا۔ انھوں نے مولانا سے لڑکے کا نام رکھنے کی فرمائش کی۔ مولانا نے فرمایا بھئی اس کا نام اپنے تخلص کی رعایت سے "تخم ریحان" رکھ دو ــــ!

لطیفوں کی دوسری قسم

دوسری قسم کے لطیفے وہ ہیں جو مقبول اور زبان خاص و عام لطیفوں کے توڑ پر لکھے جاتے ہیں یا کسی لطیفے میں سے کچھ تغیر اور تبدیل کر کے اپنے مزاج، مذاق یا ملکی رسم و رواج کے مطابق ڈھال لیتے ہیں یا بعض ایسے گذرے ہوئے واقعات کو بے کم و کاست الفاظ میں اس طرح بیان کر دیا جاتا ہے جس طرح کہ وہ واقع ہوئے ہیں بلکہ بعض اوقات یہ الفاظ بھی دہرا دیئے جاتے ہیں جو اس شخص کی زبان سے نکلے ہیں۔ ہاں پس منظر پیدا کرنے کے لئے ذرا گرد و پیش کو ہلکے رنگ کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ واقعات کے کارٹون الگ ابھرے ہوئے دکھائی دینے لگیں۔

www.taemeernews.com

اس قسم کے اکثر لطیفے ایسے ہوتے ہیں نہ تو پڑھنے والے کو پڑھنے میں دقت ہوتی ہے اور نہ سننے والے کو نتیجہ پر پہونچنے کیلئے گھنٹوں انتظار کرنا پڑتا ہے ادھر دو جملے ختم ہوئے اُدھر منہ سے دانت نکل پڑتے ہیں اور چہرے پر تبسم کی لہر دوڑ جاتی ہے اسی طرز کے کچھ لطیفے ملاحظہ فرمایئے۔۔۔

عدالت فوجداری میں چپراسی نے باہر آ کر آواز لگائی کہ ملزمان بنام وینکٹ رامیا وغیرہ حاضر ہیں۔ ایک مہاراج پکار سنتے ہی اندر داخل ہوئے' مجسٹریٹ نے پوچھا کیا تم وینکٹ رامیا ہو۔؟ کہا کہ حضور میں وینکٹ رامیا نہیں' وغیرہ ہوں!

ایک امیدوار پارلیمنٹ نے انتخابی جلسہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ آپ لوگوں کو ایجوکیشنل ریفارم' سوشیل ریفارم' اکنامیکل ریفارم اور اس قسم کے بہت سے ریفارم کی ضرورت ہے ایک صاحب نے مجمع میں سے زور سے کہا کہ جناب اب آپ کو بھی کلوز فارم کی سخت ضرورت ہے۔

ایک صاحب کو مرضِ قبض اور پیٹ کی بیماریوں کا عارضہ تھا وہ دوستوں میں بیٹھے ہوئے شطرنج کھیل رہے تھے جب دو تین سخت ماتیں کھائیں تو جھنجھلا کر بول اُٹھے کہ آپ کیا اور آپ کی بساط کیا میاں! مات دینے کیلئے پیٹ میں مادہ چاہیئے' دوسرے صاحب نے جواب دیا کہ مادہ بھی ایسا کہ جلاب پر جلاب دیئے جائیں اور پیٹ میں اثر تک نہ ہونے پائے۔

وکالت کے امتحان میں سوال تھا کہ شہادت کسے کہتے ہیں۔؟ ایک صاحب نے لکھا کہ راہِ حق میں اپنی جان کے ایثار کرنے کو شہادت کہتے ہیں اور پھر تفصیل سے کربلا کا واقعہ لکھ ڈالا!

ایک کنجوس نے فقیر سے کہا کہ بھیک مانگنا اچھی بات نہیں ہے! فقیر نے جواب دیا حضور! میں نے بھیک مانگی ہے آپ سے صلاح نہیں مانگی تھی

ایک گرہ کٹ عین موقع پر گرفتار ہوا۔ مقدمہ کے دوران اس کے وکیل

www.taemeernews.com

نے مجسٹریٹ سے کہا حضور میرے موکل نے بہت ہی معمولی چوری کی ہے وہ معاف کی جائے۔
مجرم نے وکیل سے بگڑ کر کہا کیا یہ چوری کوئی معمولی چوری ہے بھلا کوئی کر کے تو دکھائے؟

ایک شخص نے ایک انسپکٹر پولیس کو بندر کہا وہ اس کی جواب دہی کیلئے عدالت طلب کیا گیا۔ مجسٹریٹ = تم نے ایک انسپکٹر پولیس کیلئے ایسا بے ہودہ لفظ کیوں استعمال کیا!
ملزم = تو کیا حضور اس لفظ سے توہین یا اہانت متصور ہوئی۔
مجسٹریٹ = بے شک سخت انسلٹ ہوئی۔
ملزم = سرکار اگر انسپکٹر پولیس کو بندر کہنا جائز نہیں تو بندر کو انسپکٹر پولیس کہنے میں تو کوئی توہین نہیں
مجسٹریٹ = میرے نزدیک تم بندر کو جو چاہو کہو!
ملزم = ملزم نے یہ سن کر مجسٹریٹ کا شکریہ ادا کیا پھر انسپکٹر پولیس کی طرف دیکھ کر کہا کہیے " انسپکٹر پولیس صاحب آپ کا مزاج کیسا ہے"؟
مجسٹریٹ = مستغیث کا بیان ہے کہ جب تم اُسے دیکھتے ہو تو گالیاں دیتے ہو۔ اس کے متعلق تمہارا کیا جواب ہے؟

ملزم۔ حضور اس کا جواب دو یہ عدالت ہے۔ بازار ہوتا تو میں اس کا پوری طرح جواب دیتا۔
مجسٹریٹ۔ تو کیا تم تسلیم کرتے ہو کہ مقتول کے سر پر کلہاڑی ماری تھی
ملزم۔ میں نے صرف دھمکانے کی غرض سے کلہاڑی ماری تھی۔ کوئی خدانخواستہ مار ڈالنے کی نیت تھوڑی تھی۔
ایک گواہ مرہم پٹی شدہ پیش ہوا۔ مجسٹریٹ نے پوچھا کہ واقعہ کے وقت تم کہاں تھے۔
گواہ۔ سرکار میں واقعہ کے اندر تھا۔

www.taemeernews.com

مجسٹریٹ ۔ جب تم نے رقم مانگی تو مدعی علیہ نے کیا کہا ؟

مدعی ۔ اس نے کہا کہ جہنم میں جاؤ ۔

مجسٹریٹ ۔ پھر تم نے کیا کہا ؟

مدعی ۔ پھر میں عدالت میں حاضر ہو گیا ۔ !

وکیل مجسٹریٹ سے مخاطب ہو کر ۔ براے کرم اس بچے کو چھوڑ دیجئے یہ بچہ ابھی ناسمجھ ہے اور اسی طرح حرامز دگیاں کرتا ہے جیسے اپنے بچپن کے زمانہ میں ہم اور آپ کیا کرتے تھے ۔

مجسٹریٹ ۔ ملزم سے مخاطب ہو کر کہا تم چاہتے ہو کہ سرکار کی طرف سے کوئی وکیل تمھارے لیئے مقرر کیا جائے ۔ !

ملزم ۔ حضور وکیل کی ضرورت نہیں ہاں دو ایک گواہ میری طرف سے تیار کر کے اگر حضور لے آئیں تو بڑی عنایت ہوگی !

وکیل گواہ سے ۔ اچھا ملزم نے تمھارے منھ پر تھپڑ مارا اس کے بعد کیا ہوا ۔

گواہ ۔ اس کے بعد ملزم نے پھر مجھے تیسرا تھپڑ مارا ۔

وکیل ۔ دوسرا تھپڑ کہو ۔

گواہ ۔ جی نہیں دوسرا تھپڑ تو میں نے ملزم کو مارا تھا ۔

وکیل ۔ ہاں تو اب یہ سچ سچ کہہ دو کہ تم نے چوری کی تھی یا نہیں ۔

موکل ۔ ضرور کی تھی چوری نہ کی ہوتی تو پھر آپ کی فیس کیوں کر ادا کرتا ۔ ؟

www.taemeernews.com

ایک وکیل ایک گواہ پر جرح کر رہا تھا۔ گواہ نے غصہ میں آکر کہا کہ میں جوتا رسید کر دوں گا۔ وکیل نے مجسٹریٹ سے شکایت کی۔ مجسٹریٹ نے کہا کہ تم ذرا ہٹ کر کھڑے ہو جاؤ۔

ایک ظریف کی صحبت میں ایک مجسٹریٹ صاحب بیٹھے ہوئے طنزیہ اپنے کارنامہ بیان کر رہے تھے کہ میں نے فلاں لیڈر کو حبس دوام کی سزا دی۔ فلاں قائد کو سولی پر چڑھانے کا فیصلہ دیدیا اور فلاں باغی شاعر کو جلا وطن کر دیا ظریف ان بے ہودہ باتوں سے اکتا گیا اور کہنے لگا۔ کہ جناب کیا بہتر ہوتا کہ اس باغی شاعر کے ساتھ آپ مجھ کو بھی جلا وطن کرا دیتے!

ایک وکیل گواہ پر جرح کر رہے تھے پوچھنے لگے کہ کیا تم پہلے بھی شہادت دینے آئے تھے۔

گواہ۔ جی نہیں!

وکیل۔ تمہاری صورت کچھ جانی پہچانی سی معلوم ہوتی ہے!

گواہ۔ جناب میری شراب کی دوکان ہے۔ کبھی آپ وہاں تشریف لائے ہوں گے۔

مجسٹریٹ نے گواہ سے مخاطب ہو کر کہا تمہارے بھائی کی شہادت قلمبند کی جا چکی ہے۔ دیکھو جی! تم نے جھوٹ بیان کیا تھا کہ تمہاری ایک ہی بہن ہے اب تمہارا بھائی یہ کہتا ہے کہ اس کی دو بہنیں ہیں ٹھیک ٹھیک بتاؤ کہ تمہاری کتنی بہنیں ہیں ورنہ دروغ حلفی کا مقدمہ تم پر چلایا جائے گا۔

جج۔ تمہارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ یہ مرغیاں تمہاری ہیں؟

www.taemeernews.com

مدعی ۔ سرکار اس نسل کی مرغیاں میرے گھر کے سوا اور کہیں نہیں ہے ۔
جج ۔ یہ تو کوئی بات نہیں میرے گھر میں بھی اسی نسل کی مرغیاں موجود ہیں ۔
مدعی ۔ حضور پہلے بھی چند ماہ پیشتر میری کچھ مرغیاں چوری ہوگئی تھیں ۔

ایک دوست ۔ کہو اس مقدمہ کا کیا ہوا، جو تم نے اس آدمی پر چلایا تھا جس کے کتے نے تم کو کاٹا تھا ۔ کیا پرچہ ملا ہے ۔
دوسرا دوست : پرچہ کیسا؟ الٹا پرچہ مجھ کو دینا پڑا اس کے وکیل نے یہ ثابت کر دیا کہ کتے نے مجھ کو نہیں کاٹا بلکہ میں نے کتے کو کاٹا تھا ۔

ایک مقرر، عورتوں کی صلاحیتوں اور ان کے حقوق پر تقریر کر رہا تھا ۔ اثنائے تقریر میں اس نے کہا کہ عورتیں مثل مردوں کے ہاتھ پاؤں رکھتی ہیں آنکھ رکھتی ہیں، دل و دماغ رکھتی ہیں ۔ اور ان کے صرف بدن کی ساخت میں، مردوں کی ساخت سے بہت تھوڑا فرق ہے مجمع میں سے ایک صاحب چیخ کر بولے کہ
"بہت تھوڑا فرق زندہ باد"

ایک نیا شادی شدہ جوڑا سینما دیکھ رہا تھا ۔ ایک عشقیہ سین میں ہیرو اور ہیروین دونوں ایک دوسرے کو بھینچ بھینچ کر پیار کر رہے تھے ۔ بیوی نے شوہر کو کہنی مار کر کہا کہ تم اس طرح کیوں نہیں پیار کرتے ۔؟ شوہر نے کہا تمہیں معلوم بھی ہے اس ہیرو کو اس طرح پیار کرنے کا کتنا معاوضہ ملتا ہے ؟

ایک نوجوان لڑکا اپنے دوست سے کہنے لگا کہ افسوس میری چھینوں کی اکارت گئی، ابھی محبت کی بات شروع کی تھی ۔ لیکن پوری نہ ہو سکی دوست نے کہا کیا

www.taemeernews.com

لڑکی کے باپ تم دونوں کے بیچ میں آ گئے۔ جواب دیا کہ نہیں بیچ میں نہیں آئے بلکہ پیچھے سے آ گئے ۔ !

ایک شخص ۔ بھائی تم نے میری جان بچائی ہے ۔ میں کیوں کر تمھارا احسان اتاروں ۔۔۔ ؟
دوسرا شخص ۔ بس میری بیوہ ساس سے شادی کر لو اور اُن کو دور کسی بیرونی ملک لے کر چلے جاؤ ۔

شوہر (لڑائی کے دوران) بس میں سمجھتا ہوں کہ اب تم اپنی ماں کے پاس جانے کی دھمکی دو گی ۔
بیوی ۔ میں ایسی بیوقوف نہیں ہوں میں تو اپنی ماں کو یہیں بلانے والی ہوں ۔

ایک خواتین کی کانفرنس میں ایک نہایت بد شکل عورت تقریر کرنے کھڑی ہوئی تقریر کا عنوان تھا "مہربانی اور سکون" اُس نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ مثلاً میرے شوہر کو ہی لیجئے ۔ وہ بہت سخت مزاج اور نہایت تنگ دل ہیں مگر میں اُن سے بد مزاجی سے پیش نہیں آتی جب وہ رات دیر گئے نشہ میں چور گھر آتے ہیں تو کیا میں ان سے بد سلوکی کرتی ہوں ہرگز نہیں گالیاں دیتی ہوں ؟ ہرگز نہیں پھر آپ پوچھیں گا میں کیا کرتی ہوں میں تو ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر پیار کر لیتی ہوں"۔
جلسہ میں سے کسی نے چلا کر کہا کہ "بس اُس کم بخت کی یہی سزا ہے"

مشینوں کے ایک ایجنٹ نے کسی فیکٹری پہونچ کر اس کے پروپرائیٹر سے کہا کہ مسٹر میرے پاس ایک ٹائپ مشین ہے جو بولتی ہے، جواب ذہین ہے،

www.taemeernews.com

خطوط کھولتی ہے اور جبین بھی صاف کرتی ہے۔

پبلشر نے جواب دیا کہ مجھے اب اس قسم کی مشین کی ضرورت نہیں اس لیئے کہ کل ہی میری شادی ہو چکی ہے۔

ایک بیمہ کمپنی کا ایجنٹ کسی کروڑپتی کے پاس پہونچا اور کہا کہ آپ اپنی جان کا بیمہ کرا لیجئے۔ کروڑپتی نے کہا کہ میری ایک آنکھ شیشے کی ہے اور ایک اصلی اگر یہ بتا دو کہ اس میں کونسی شیشے کی ہے تو میں تم سے بیمہ کرا لوں گا۔ ایجنٹ نے بائیں آنکھ کی طرف اشارہ کیا۔ کروڑپتی نے کہا کہ صحیح ہے۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ تم نے یہ کیوں کر پہچانا۔ جواب دیا کہ اس آنکھ میں بہ نسبت دوسری کے انسانیت زیادہ ہے۔

ایکٹر (فلم ڈائرکٹر سے) ڈنر کے سین میں آپ کو سچ مچ کھانا کھلا دینا ہوگا۔

فلم ڈائرکٹر۔ بہت اچھا مگر موت کے سین میں آپ کو سچ مچ مرنا ہوگا۔

پبلشر (نئے ملازم سے) کہا منیجر صاحب نے تمہیں سمجھا دیا ہے کہ تمھیں کیا کام کرنا چاہیئے۔

ملازم۔ جی ہاں اُنھوں نے تاکید کردی ہے کہ جب میں دور سے آپ کو آتا ہوا دیکھوں تو ان کو جگا دوں۔

ڈاکٹر۔ ایک خاتون مریضہ سے تمھیں کوئی خاص شکایت نہیں صرف آرام کرنے کی ضرورت ہے۔

مریضہ۔ لیکن ڈاکٹر صاحب میری زبان تو دیکھئے۔

www.taemeernews.com

ڈاکٹر۔ ہاں اس کو بھی بہت آرام کی ضرورت ہے

باپ نے بیٹے سے پوچھا کہ تمہارے نئے ڈاکٹر صاحب کیا پوچھ رہے تھے؟
بیٹے نے جواب دیا کہ پوچھتے تھے کہ کیا تمہاری بستی میں صرف ایک ہی قبرستان ہے؟

ایک ظریف ڈاکٹر نے مریض کی توند پر ہاتھ پھیر کر کہا کہ جناب آپ کے پیٹ میں کیا کیا بھرا ہوا ہے۔ توندل مریض نے کہا کہ کیا ہے؟ فضلہ ہے
ڈاکٹر نے کہا کہ میں یہ دریافت کر رہا ہوں کہ اس میں آپ کا ہی فضلہ ہے یا تمام شہر کا

ڈاکٹر نے دونوں ہاتھوں سے مریض کے پیٹ کو اچھی طرح دبا دبا کر دیکھا اور پوچھا کہ تمہارے پیٹ میں درد تو نہیں ہوتا؟
مریض نے کہا کہ بہت سخت!
ڈاکٹر نے پوچھا کہ کب سے
مریض نے جواب دیا کہ جب سے آپ دبا رہے ہیں۔

ایک سرجن (دس سرجنوں سے) اچھا یہ بتاؤ کہ یہ مریض عمل جراحی کے قابل ہے یا نہیں؟
سب دس سرجنوں نے مریض کو اچھی طرح دیکھ کر کہا کہ اس کو عمل جراحی کی کوئی ضرورت نہیں۔
سرجن تم سب کے سب غلطی پر ہو میں اس پر عمل جراحی کروں گا؟
مریض جو عمل جراحی سے ڈرتا تھا نہیں سرجن صاحب آپ عمل جراحی نہیں

www.taemeernews.com

کر سکتے۔ بارہ ڈاکٹروں کے مقابلے میں آپ کی ایک رائے کوئی وقعت نہیں رکھتی
لائیے میرے کپڑے عنایت فرمائیے اب میں جاتا ہوں۔

ایک ماسٹر صاحب کہا کرتے تھے۔ ایک روز کہنے لگے کہ میں اسکول کے طالب علموں سے یکساں برتاؤ کرتا ہوں۔ چاہے وہ امیر ہو یا غریب، ہندو یا مسلمان، سکھ ہو یا عیسائی!
ایک شوخ لڑکا بولا کہ واقعی آپ سب کو ایک ہی آنکھ سے دیکھتے ہیں!

استاد (لڑکوں) سے تم میں سے کوئی بتا سکتا ہے کہ اگر ہم اچھے کام کریں تو کہاں جائیں گے؟ لڑکے چپ چاپ بیٹھے رہے۔
استاد۔ اچھا میں بتاتا ہوں۔ وہاں سونے کی خوبصورت عمارتیں ہیں ہرے بھرے درخت ہیں رنگ برنگی پھول کھلے ہوئے ہیں اور دلکش باجا بجتا ہے۔
سب لڑکے ہیک آواز ہاں سمجھ گئے!
استاد بھلا بتاؤ تو!
سب لڑکے سینما سینما ــــ!

ایک معلمہ اپنے کلاس میں غرور اور انکساری کا فرق استعارے کی صورت میں گلاب اور بنفشہ کی تمثیل دے کر اس طرح سمجھا رہی تھی۔ بولی، لڑکیو! دیکھو۔ ایک حسین صورت زرق برق لباس پہنے باغ میں ہمارے سامنے ہے اس قدر مغرور ہے کہ اپنے سوا کسی کو نہیں دیکھتی اور کسی سے مخاطب نہیں ہوتی تم جانتی ہو وہ کون ہے وہ گلاب ہے اب اس کے پیچھے ایک نہایت حقیر چیز ہے وہ عجز و انکساری سے اپنا سر جھکائے ہوئے ہے بتاؤ وہ کون ہے؟ ایک لڑکی۔ وہ اس کا شوہر ہے؟

www.taemeernews.com

ایک صاحب دندان ساز کی دوکان گئے' دندان ساز نے کہا ذرا منہ کھولیئے مریض نے اپنے آنکھیں بند کر کے منہ پھاڑ دیا۔
دندان ساز نے کہا مہربان اس قدر منہ نہ پھاڑیئے میں تو باہر کھڑا رہکر دانت نکالتا ہوں۔

دو خواتین ایک ریل کے کمپارٹمنٹ میں بیٹھی سفر کر رہی تھیں اور ان کے آپس میں کھڑکی کھولنے اور بند کرنے پر سخت جنگ ہو رہی تھی۔
ایک کہہ رہی تھی کہ اگر کھڑکی بند رہی تو میں گھٹ کے مر جاؤں گی!
دوسری کہتی تھی کہ اگر کھڑکی کھلی رہی تو میں جاڑے سے سکڑ کر مر جاؤں گی۔
گارڈ پریشان تھا کہ کیا' کیا جائے؟ ایک مسافر جو اسی درجہ میں بیٹھا تھا۔
ٹھنڈی سانس لے کر بولا گارڈ صاحب! اول کھڑکی بند کر دو تاکہ نمبر ایک دم گھٹ کر مر جائے اور پھر کھڑکی کھول دو تاکہ نمبر دو کا سردی سے خاتمہ ہو جائے اور ہماری جان اس عذاب سے چھوٹے۔!

ایک بیوی نے اپنے مرحوم شوہر کی روح کو حاضرات کے ذریعہ طلب کیا اور پوچھا کہ پیارے تم وہاں کیا آرام سے ہو؟ روح نے جواب دیا کہ بہت آرام سے ہوں۔ بیوی نے پھر پوچھا کہ اس دنیا میں جب ہم اور تم ملا کر رہتے تھے کیا وہاں اس سے بھی زیادہ آرام ہے۔
روح نے جواب دیا کہ ہاں' دنیا کی نسبت جب میں تمہارے ساتھ زندگی بسر کرتا تھا اب مجھے بہت آرام ہے۔ بیوی نے پھر سوال کیا کہ بھلا یہ تو بتاؤ کہ اب جنت میں کیا آرام ہے؟
روح نے جواب دیا جنت کیسی؟ کہاں کا آرام جس وقت سے تم نے

www.taemeernews.com

میری روح کو حاضرات کے ذریعہ طلب کیا ہے میں جنت میں نہیں ہوں بلکہ تمہاری قربت سے میں دوزخ کی بد ترین اذیت میں مبتلا ہوں۔

ایک صاحب کچھ سوچ میں بیٹھے ہوئے تھے پیچھے سے دوسرے صاحب نے اُن کے شانے پر بہت زور سے ایک ہاتھ مارا اور کہا کہو راج کیا سوچ رہے ہو ۔۔۔ ؟ اس نے مڑ کر جو دیکھا تو یہ پریشان ہو کر کہنے لگے کہ جناب معاف کرنا میں اپنے دوست راج کے دھوکے میں آپ سے یہ حرکت کر بیٹھا۔ اس نے کہا خیر وہ تو مضائقہ نہیں مگر آپ نے اپنے دوست راج کو اتنے زور سے کیوں مارا ؟ اس نے کہا جناب وہ میرا دوست ہے۔ میں جتنے زور سے چاہوں ماروں، آپ کو ان معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے ۔۔۔!

ایک امیر تاجر کی ٹانگ خود بخود سوکھ کر شل ہوگئی اس نے ڈاکٹر کو بلا کر مشورہ کیا۔ مگر اتفاق سے یہ ڈاکٹر دوسرے ڈاکٹروں سے زیادہ راست باز اور سچا تھا۔ تاجر سے کہا کہ اب آپ اس کا علاج وغیرہ کچھ نہ کیجئے یہ عارضہ صرف عمر کی وجہ سے پیدا ہوگیا ہے۔

تاجر نے جواب دیا کہ اگر یہ عمر کی وجہ سے ہے تو میری دونوں، ٹانگیں ہم عمر ہیں ایک ہی ٹانگ کیوں شل ہوئی دوسری ٹانگ کو بھی شل ہو جانا چاہئے تھا۔

ایک معمولی استعداد کا ڈاکٹر مجمع میں بیٹھا ہوا غیر معمولی طور پر بلند آواز سے باتیں کر رہا تھا ایک صاحب اس کی باتیں سُن کر بہت متاثر ہوئے اور ڈاکٹر کے جانے کے بعد دوسرے صاحب سے کہنے لگے کہ اب بھی آپ کو اس شخص کی علمیت میں کلام ہے اُس نے جواب دیا کہ مجھے اس کی علمیت کا تو علم نہیں

www.taemeernews.com

مگر یہ علم ضرور ہے کہ عالم اس قدر شور و غل نہیں مچاتا ہے۔

ایک کمسن لڑکی نرسنگ ہوم میں ٹریننگ کیلئے داخل ہوئی ڈاکٹر سے دریافت کیا کہ میرا کیس سرجیکل ہے یا میڈیکل ڈاکٹر نے ہنس کر جواب دیا کہ کیا تم کو ان دونوں کا فرق معلوم ہے ؟ لڑکی نے جواب دیا کہ ہاں! سرجیکل کیس وہ ہے جس میں تم اچھے جاؤ اور بیمار نکلو اور میڈیکل کیس وہ ہے کہ تم بیمار جاؤ اور اچھے نکلو۔

ایک شخص نے کسی ظریف سے پوچھا کہ علی الصباح مرغ بانگ دیتے وقت ایک ٹانگ زمین پر ٹیک کر دوسری ٹانگ کیوں اُٹھا رکھتا ہے۔
اس نے جواب دیا کہ اگر وہ دونوں ٹانگیں اُٹھالے تو وہ زمین پر گر پڑے گا۔

کسی نے ایک شاعر سے کسی کنجوس کے متعلق دریافت کیا کہ دسترخوان پر اس کے ساتھ کون کھانا کھاتا ہے۔
شاعر نے جواب دیا کہ مکھیاں!

ایک معلمہ۔ بچوں کا امتحان لے رہے تھے' ایک بچے سے پوچھا دو دونی۔؟
پہلے بچے نے کہا چار۔
معلمہ صاحبہ نے کہا شاباش اور مٹھائی کی چار گولیاں نکال اس کو انعام میں دیں۔ دوسرے سے پوچھا دو چوکے ؟
دوسرے بچے نے کہا آٹھ۔ اس کو آٹھ گولیاں دی گئیں۔
تیسرے بچے سے پوچھا دو ستے۔ ؟

www.taemeernews.com

تیسرے بچے نے کہا ستھر
ممتحین صاحب اس کو لال پیلے ہو کر گھورنے لگے۔
بچے نے کہا جناب سوچیئے گا بعد میں پہلے میری ستھر گولیاں سیدھے ہاتھ سے گن کر رکھ دیجیئے۔

استاد۔ انسان کے ہاتھ پاؤں میں کیا نسبت ہے؟
طالب علم۔ صرف یہ کہ ہاتھ منہ تک اور پاؤں زمین تک پہونچ جائیں!

ماسٹر۔ اچھا بتاؤ کہ شکر کہاں سے آتی ہے؟
طالب علم۔ بنیئے کی دوکان سے!

استاد۔ (جو طالب علموں کو ہوم ورک دے چکا تھا) کیا تمہیں کوئی سوال پریشان تو نہیں کرتا؟
شاگرد۔ جی نہیں، سوال تو صاف ہیں صرف جواب ہی پریشان کرتے ہیں

معلمہ۔ ایک دن وہ آئے گا کہ زمین فنا ہو جائے گی۔
ایک لڑکی۔ پھر جو لوگ ہوائی جہاز میں اڑ رہے ہوں گے وہ کہاں اتریں گے۔

استاد۔ اشیم کسے کہتے ہیں۔
شاگرد۔ پانی کی روحانی شکل کو کہتے ہیں۔

ماسٹر۔ شبنم کی تعریف کرو۔

www.taemeernews.com

شاگرد ۔ زمین جب اپنے محور پر گھومتے، گھومتے تھک جاتی ہے تو اس کے پسینہ نکل آتا ہے ۔

اُستاد : اچھا بتاؤ کہ مصور تصویروں کے نیچے اپنا نام کیوں لکھ دیتے ہیں؟
بچہ ۔ اس لیے کہ الٹی سیدھی معلوم ہو سکے !

کلاس میں آرٹ اور حسن کاری پر لیکچر ہو رہا تھا۔ استاد نے کہا کہ بڑے فخر کی بات ہے کہ ہمارے ملک میں ایسے نامور آرٹسٹ بھی تھے جن کے ہاتھوں میں یہ قوت تھی کہ ایک ہی گردش میں ہنستا ہوا چہرہ، روتا ہوا بنا دیتے تھے۔
ایک شاگرد ۔ یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے ۔ میری ماں بھی ہاتھ کی ایک ہی گردش میں میرے باپ کا چہرہ ایسا ہی بنا سکتی ہے ۔ !

استاد ۔ پہلے قطب مینار کیا تھا ۔
شاگرد ۔ وہاں قطب شاہ کی بیویاں رہتی تھیں ۔

اگر سونے کو کھلی ہوئی ہوا میں رکھا جائے تو کیا نتیجہ ہوگا ؟
طالب علم ۔ چوری !

استادنی ۔ بھلا تم بتا سکتی ہو کہ وہ کون سا جانور ہے جس کے منہ میں دانت نہیں ہوتے ۔ لڑکی ۔ جی ہاں ۔
استادنی ۔ تبلاؤ تو ؟
لڑکی ۔ ہمارے نانی جان ۔ !

www.taemeernews.com

استاد ۔ دیکھو وہ دیوار پر ہندوستان کا نقشہ لٹک رہا ہے بھلا بتاؤ اس میں پانی کہاں ہے ۔

شاگرد نے نقشہ کی سطح پر ہاتھ پھیر کر کہا یہاں پانی والی کہیں نہیں ہے نقشہ بالکل خشک ہے ۔

ایڈیٹر ۔ تمھارے چہرے، لبشرے سے معلوم ہوتا ہے کہ تم نے اچھے دن دیکھے ہیں، پھر اس حالت میں کس طرح پہونچے ۔ کیا تمہارا کوئی دوست نہیں ہے ۔ ؟

شریف سائیل ۔ جی نہیں میرا ایک بھی دوست نہیں، میں مدتوں اس اخبار کا ایڈیٹر رہا ہوں ۔

ایڈیٹر (رپورٹر سے) اگر تمھیں ایسے مسائل اور معاملات پر کچھ لکھنا ہے جس کے متعلق تم کچھ نہیں جانتے تو کس طرح لکھو گے ؟

رپورٹر ۔ میں اپنی رپورٹ اس طرح سے شروع کرونگا ..... ہمیں معتبر ذرائع سے معلوم ہوا کہ

ایڈیٹر : بالکل ٹھیک، اچھا ختم کس طرح کرو گے ؟

رپورٹر ۔ بس یہی کہ اس معاملہ پر صفحہ کے صفحہ لکھے جا سکتے تھے مگر افسوس کہ یہاں گنجائش نہیں ہے ۔

ایڈیٹر بہت خوب، بہت خوب آج سے تم ہمارے چیف رپورٹر ہو ۔

ایک گنجے پریس رپورٹر، حجام کی دوکان پر بال کٹوانے کیلئے گئے ۔ دیکھا کہ ایک نوجوان حجامت بنوا رہا ہے اور اس کے سر پہ بہت گھنے بال ہیں ۔ پوچھا کہ کیا تم مجھ

www.taemeernews.com

سے بھی وہی اُجرت لوگے۔ یہ تو بڑی ناانصافی ہے" ؟

نائی نے جواب دیا کہ حضور آپ سے بھی وہی اُجرت لی جائے گی اس وجہ سے کہ میرا اُتنا ہی وقت صرف ہوگا یعنی آدھا وقت بال کاٹنے میں اور آدھا وقت آپ کے بال ڈھونڈنے میں ۔!

ایک شخص چھت پر سے ایک خوش مذاق شخص کے سر پر گرا اور اُن کی گردن ٹوٹ گئی گھبرا کر ان کی مرہم پٹی کی گئی۔ کوئی صاحب عیادت کو آئے اور واقعہ دریافت کیا مسکرا کر کہا ہماری قسمت بھی بڑی عجیب ہے کہ ایک صاحب پھسل کر چھت سے گرے اور گردن ہماری ٹوٹی !

ایک دوست نے دوسرے سے کہا کہ یار تمہاری بیوی تو بہت لمبی قد ہے؟ جواب دیا کہ قیامت اور مصیبت جس قدر کم ہو اچھی ہے !

ایک شخص نے اپنے دوست سے کہا کہ میرا ملازم کام کرتے وقت ہمیشہ سیٹی بجاتا ہے۔ جواب دیا کہ تم تو بڑے خوش قسمت ہو ہمارا نوکر تو ہمیشہ سیٹی ہی بجاتا رہتا ہے ۔!

فلم دیکھتے دیکھتے ایک عرب نے بڑی لمبی جمائی لی۔ ایک انگریز نے طنزاً کہا کہ کیا آپ مجھے نگلنا چاہتے ہیں۔ ؟ عرب نے جواب دیا کہ آپ گھبرائیے نہیں ہمارے ہاں سؤر کھانا حرام ہے۔

آقا نوکر سے تو یہ سمجھتا ہے کہ میں بے وقوف ہوں؟

www.taemeernews.com

نوکر ۔ حضور میں کچھ کہہ سکتا اس لیئے کہ میں آج ہی آیا ہوں ۔

ایک استاد نے پوچھا کہ وہ کون سا مسئلہ ہے جس پر تمام وکیل اور ڈاکٹر متفق ہیں ۔

ایک لڑکے نے جواب دیا کہ فیس ۔ !

ایک جگہ گدھے کھڑے تھے ۔ شوہر نے مذاقاً اپنی بیوی سے کہا کہ وہ دیکھو تمہارے رشتہ دار کھڑے ہیں ۔ بیوی نے کہا کہ ہاں میرا تو ان سے سسرالی رشتہ ہے !

مالک نے نوکر سے کہا تو ہر وقت سوتا رہتا ہے نوکر نے جواب دیا کہ آپ ہی نے خود کہا تھا کہ تجھے یہاں سونا پڑے گا ۔ !

تیسری قسم کے لطیفے

متمدن ممالک میں اس فن کے بیسیوں ماہرین موجود ہیں جو ہزاروں لطیفے گھر بیٹھے ہوئے گھڑتے رہتے ہیں ۔ اور ہنستے ہنستے ہزاروں روپیہ پیدا کرتے رہتے ہیں ۔ اس قسم کے لطیفوں میں بعض تو ایسے بے ساختہ لطیفے ہوتے ہیں کہ سبحان اللہ اور بعض میں تصنع اور بناوٹ ہوتی ہے اور اکثر لطیفوں میں من گھڑت قصے ، بالکل اچھوتے نئے اور معنی خیز اور دلچسپ ہوتے ہیں ۔ کچھ نہ کچھ مقصد ضرور پوشیدہ رہتا ہے ۔

لیکن ان میں بہت سے ایسے لطیفے بھی ہیں جن میں زبردستی کھینچ تان کر ، مذاق پیدا کیا جاتا ہے اور صرف کسی ایک مزاحیہ لفظ کی خاطر بہت بیہودہ گوئی سے کام لیا جاتا ہے ۔

www.taemeernews.com

اس قسم کے لطیفوں کی مثالیں حسبِ ذیل ہیں ۔

ایک امیر کا خاصہ، دسترخوان پر چُنا ہوا تھا ۔ ایک قاب میں مُرغ مسلم، دوسری میں ایرانی پلاؤ، ایک میں بادام کا میٹھا، دوسری میں سویوں کا مزعفر وغیرہ تھا۔ امیر کھانا کھانے کیلئے بیٹھا ہی تھا کہ کوئی ضروری کام آ پڑا ۔ جہاں فوراً جانا ضروری تھا اُٹھ کھڑا ہوا اور ملازم سے چلتے چلتے کہا کہ ۔

دیکھو! کسی کو دسترخوان پر نہ آنے دینا اور نہ تم کسی چیز کو ہاتھ لگانا، اس قاب میں مرغ بند ہے، کہیں تمہاری غفلت سے اڑ نہ جائے اور دوسری قاب میں زہر ہلاہل ہے ۔

ملازم تھا شہدا، اِدھر امیر نے گھر سے قدم نکالا اُدھر اُس نے اول تو مُرغ مسلم چٹ کر ڈالا اور پھر بادام کا میٹھا نوش جان کر دیا اس کے بعد تھوڑا سا پلاؤ کھایا اور باقی صحن میں بکھیر دیا اور خود دیوڑھی پر جا بیٹھا ۔ تھوڑی دیر میں امیر واپس آئے تو دیکھا کہ دسترخوان صاف ہے ۔ غصہ میں آکر بولے کہ بے وقوف تو نے یہ کیا کیا ۔؟

ملازم نے ہاتھ باندھ کر عرض کی ۔ کہ حضور خطا معاف، سرکار کے جانے کے بعد میں نے دیکھا کہ مُرغ قاب سے نکل کر اُڑا ۔ میں ڈرا کہ اب کیا ہوگا؟ مگر وہ نہ آیا، آخر سرکار کے خوف سے میں زہر ہلاہل کا پیالہ پی لیا اور اب ملک الموت کے انتظار میں بیٹھا تھا کہ حضور تشریف لے آئے ۔

ایک واعظ نے اثنائے وعظ میں کہا کہ دنیا میں دو قسم کے لوگ ہیں ایک تو وہ ہیں کہ جن کی سپید داڑھیاں ہیں اور دوسرے وہ کہ جن کی کالی داڑھیاں ہیں مگر قیامت میں ہزاروں سپید داڑھی والے سیاہ داڑھی والوں کے طفیل میں بخشے جائیں گے ۔

www.taemeernews.com

ایک ظریف ... یہ سُن کر آہستہ سے اُٹھے اور اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیر کر کہنے کہ مولانا مگر اس گنہگار کی داڑھی تو بالکل لال ہے پھر آپ کے حساب سے یہ عاصی کس شمار و قطار میں ٹھہرے گا۔

ایک راجہ کے عہد میں کنیوں کا عروج ہوا، یہاں تک کہ تیلی، لداخ ساربان اور ایک ملاجی یہ چاروں وزارت کے درجہ تک پہونچ گئے اتفاق سے غنیم نے حملہ کیا۔ راجہ نے چاروں وزیروں کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ تیلی بولا، ابھی کیا دیکھا ہے۔ تیل دیکھئے تیل کی دھار دیکھئے۔

لداخ بولا۔ تانت باجے، راگ بوجھے، ساربان نے کہا اب دیکھئے وقت کا اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ ابھی یہ مشورہ ختم بھی نہیں ہوا تھا کہ اطلاع ملی غنیم نے شہر پر قبضہ کر لیا۔ ملا صاحب نے سُن کر راجہ سے کہا کہ ہرج کیا ہے۔ آپ کا ملک گیا۔ غنیم کا ایمان گیا اللہ اللہ خیر سلا

ایک راجہ صاحب اپنی جاگیر میں روز ایک نئے تعلقدار کا تقرر کرتے تھے اور فوراً اس کی برطرفی کا پروانہ بھی جاری کر دیتے تھے۔ اتفاقاً اس عہدہ پر کسی ظریف کا تقرر ہو گیا ظریف گھوڑے کی دُم کی طرف منہ کر کے بیٹھا اور اس ہیئت کذائی سے اپنے مستقر کی جانب روانہ ہوا۔

راجہ نے دیکھ کر کہا کہ تم کو گھوڑے پر بیٹھنا تک نہیں آتا ۔؟

جواب دیا کہ سب کچھ آتا ہے مگر اس لیئے اس طرح بیٹھا ہوں کہ اگر آپ میرے پیچھے برطرفی کا پروانہ روانہ کریں تو قبل از قبل دیکھ لوں اور میری واپسی آسان رہے ۔!

ایک روز ایک ٹیچر، میٹرک کے کورس میں مولانا حالی کی نظم حب الوطن

www.taemeernews.com

پڑھا رہے تھے جب اس مصرعہ پر پہونچے کہ۔
"بھاگ اس ملک کے جس ملک میں راج اس کا۔ تو بھاگ کے نقطہ پران کے قدم اکھڑے مگر سنبھل کر فرمانے لگے دیکھو' بھاگ اس ملک کے" اس میں کے غلط چھپ گیا ہے۔ سب طلباء "بھاگ اس ملک کے" کی جگہ "بھاگ اس ملک سے" بنالو اب مطلب صاف ہو گیا۔ !

ایک ظریف کسی درویش کے ہمان تھا اس کا مکان بوسیدہ تھا، اور چھت کی لکڑیوں سے چٹ، چٹ کی آوازیں آرہی تھیں' ظریف گھبرایا کہ قبلہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ درویش نے کہا خوف نا کرو میرے گھر کی کڑیاں، ذکر و تسبیح کرتی ہیں' ظریف نے کہا مجھے ڈر اس بات کا ہے کہ کہیں اسی ذکر و اذکار میں کہیں انہیں عالم جذب پیدا ہو جائے اور یہ رقص کر کے سجدے میں نہ آپڑیں، اور اس وقت میرا کیا حشر ہوگا۔

ایک روز نواب صاحب نے اپنے طبیب سے کہا کہ اب پرہیز کرتے کرتے جی بیزار ہو گیا ہے میٹھا کھانے کو طبیعت بہت چاہتی ہے طبیب نے آکر نبض دیکھی تو کہا کہ آپ نے کوئی سخت بد پرہیزی کی ہے۔ کہا کہ میں نے آپ کے فرمانے کے مطابق صرف آدھا لڈو کھایا ہے۔ اور وہ آدھا لڈو (ویسا ہی) سامنے رکھا ہوا ہے۔ طبیب نے پلٹ کر دیکھا کہ آدھا لڈو تقریباً (۴) سیر وزنی رکھا ہوا ہے کہا کہ جناب اتنا بڑا لڈو بنایا کہ جس کا آدھا چار سیر کے قریب ہے۔ انھوں نے کہا کہ میں ہمیشہ اسی وزن کا لڈو کھاتا ہوں ـــ !

بنگال کے قحط کے وقت ایک راشن آفیسر نے مرغی خانوں کے منیجروں کو طلب

www.taemeernews.com

کر کے پوچھا کہ تم اپنی مرغیوں کو کیا کھلاتے ہو؟ ایک منیجر نے جواب دیا کہ غلہ۔ راشن آفیسر نے اُسے گرفتار کر لیا۔ اور کہا کہ غلہ تو ہم بھوکے عوام کیلئے جمع کر رہے ہیں اور تم مرغیوں کو کھلا رہے ہو۔؟ تمہارے خلاف سخت کاروائی کی جائیگی۔ پھر دوسرے منیجر سے پوچھا کہ تم اپنی مرغیوں کو کیا کھلاتے ہو؟ اس نے سوچ کر جواب دیا کہ بھوسہ۔ راشن آفیسر نے اُسے بھی گرفتار کر لیا اور کہا کہ بھوسہ سے ہم ننگے عوام کیلئے کپڑا تیار کر رہے ہیں۔ اور تم مرغیوں کو بھوسہ کھلا رہے ہو۔ تم پر بھی مقدمہ چلایا جائے گا۔

اس کے بعد اس نے تیسرے منیجر کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا کہ تم اپنی مرغیوں کو کیا کھلا رہے ہو۔! اس نے جواب دیا کہ حضور! میں تو اپنی مرغیوں کو روز آنہ پیسے تقسیم کر دیتا ہوں اور اُن سے کہہ دیتا ہوں کہ بازار جاؤ اور اپنی غذا آپ خرید کر کھالو۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک بڈھا آدمی منہ پر ہاتھ بھر کی داڑھی لیے کسی محفل میں انگریز نوجوان کی طرح مٹھار مٹھار کر باتیں کر رہا تھا ایک بزرگ نے اس سے پوچھا کہ حضرت ذرا یہ تو بتائیے کہ آپ عمر میں بڑے ہیں یا آپ کی داڑھی ــــ؟

بوڑھے آدمی نے جواب دیا کہ جناب پہلے میں پیدا ہوا ہوں اور بعد میں میری داڑھی پیدا ہوئی ہے۔ اس حساب سے میری عمر داڑھی سے بہت زیادہ ہے۔ بزرگ نے کہا آپ کی داڑھی نے تو اپنا رنگ بدل دیا مگر افسوس آپ نے اپنا رنگ نہیں بدلا۔

ایک ظریف کپڑے والے کی دوکان پر کھڑے تھے۔ وہیں ایک طوائف بھی،

www.taemeernews.com

تشریف لائیں جن کا نام اٹھیاسی تھا۔ ظریف نے ایک تھان اٹھا کر دوکان دار سے پوچھا کہ اس کے کیا دام ہیں۔؟ جواب دیا کہ نوے روپئے۔ ظریف نے کہا کہ میں تمہیں اٹھیاسی دیتا ہوں راضی ہے۔؟ اس نے کہا کہ جی نہیں میں کوڑی کم نہیں لوں گا۔ ظریف نے کہا کہ میں آپ دونوں کے درمیان تصفیہ کردیتا ہوں یہ نوے کہتے ہیں اور آپ اٹھیاسی نہ آپ کی بات اور نہ ان کی بات' ظریف صاحب آپ نواسی دیجئے تو یہ راضی ہوجائیں۔

ایک صاحب قبرستان گئے تو قبر پر کتبہ دیکھا' جس پر لکھا ہوا تھا کہ میں اس شخص کا فرزند ہوں جس کے قبضہ میں ہوا تھی جب وہ چاہتا اس کو قید کرلیتا اور جب چاہتا اس کو رہا کردیتا تھا۔

اس کتبہ کو دیکھنے کے بعد انھیں یہ خیال ہوا کہ شاید کسی بزرگ کا لڑکا ہے یا کسی جادوگر کی اولاد ہے۔ جب وہ مڑے تو دیکھا کہ اس کے سامنے ایک اور بھی قبر تھی جس کے کتبہ پر کندہ تھا" میرے بالکل متصل میں جو قبر ہے وہ ایک شیخی باز اور پرلے درجہ کے جھوٹے آدمی کی قبر ہے اس کا باپ ایک معمولی لوہار تھا اور صرف بھتہ ، دھونکنے وقت بھتہ میں ہوا بند ہوجاتی تھی اور تھوڑی دیر کے بعد نکل جاتی تھی۔!

ایک گویا کسی کنجوس امیر کے سامنے دیر تک گاتا رہا۔ گانا ختم کرنے کے بعد انعام اکرام مانگا امیر نے کئی دفعہ اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرا اور کہا کہ تمہیں کچھ نہیں مل سکتا اس نے کہا کہ کیوں ؟ جواب دیا کہ ہمارا دستور ہے کہ ہم جب کسی کو کچھ روپیہ پیسہ دیتے ہیں تو پہلے داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہیں اور جتنے بال ہماری انگلیوں میں آتے ہیں اس کو اتنا ہی انعام دیتے ہیں۔! آج تیرے نام پر ہم نے دو تین مرتبہ ہاتھ پھیرا لیکن تو اتنا بدقسمت ہے کہ ایک بال بھی نہ ٹوٹا اس واسطے' تجھ کو ہم کچھ نہیں دے سکتے ـــ!

www.taemeernews.com

گویا یہ بات سُن کر کہنے لگا کہ حضور! یہ شرط تو ٹھیک نہیں، اس لئے کہ، حضور کا ہاتھ تھا اور حضور کی داڑھی تھی۔ انصاف تو یہ ہے کہ داڑھی حضور کی اور ہاتھ ہو میرا، پھر اگر بال نہ اُکھڑے تو بے شک غلام کی قسمت ہے۔

ایک دفعہ رات کے وقت کسی قاضی صاحب کے گھر کے سامنے دو آدمی لڑ رہے تھے قاضی صاحب نے اپنی بیوی سے کہا کہ ذرا قندیل تو لاؤ دیکھوں یہ لڑائی کیوں ہو رہی ہے؟ بیوی نے کہا کہ جاکر کیا کروگے۔ لیکن وہ نہ مانے چادر اُڑھا اور قندیل لے کر باہر نکلے دیکھا کہ دو آدمی لڑ رہے ہیں۔ قاضی صاحب کو دیکھ کر اُن میں سے ایک آدمی اُن کی طرف لپکا اور اُن کی چادر اُتار کر بھاگا۔ تھوڑی دیر کے بعد، دوسرا آدمی اُس کے پیچھے بھاگا۔ قاضی صاحب چادر کھو کر اندر آئے بیوی نے پوچھا پتہ چلا کہ وہ آدمی کیوں لڑ رہے تھے! قاضی صاحب نے کہا کہ وہ دو آدمی، میری چادر کیلئے لڑ رہے تھے۔

ایک قافلے پر ڈاکوں نے حملہ کیا اور لوٹ مار کرنے لگے، ایک ڈرپوک آدمی جان بچا کر بھاگا۔ اور ایک گدھے کے پیٹ کے نیچے جا چھپا۔ لٹیروں نے دیکھ لیا اور پکڑ لائے۔ پوچھا یہ کیا حرکت تھی، کہا کہ خدا کے واسطے مجھے چھوڑ دو میں تو اسی گدھے کا بچہ ہوں۔ لٹیروں نے ہنس کر کہا کہ بیوقوف یہ تو نر ہے اس کا بچہ کیسے ہو سکتا ہے؟

جواب دیا حضور ماں مرگئی ہے اور باپ کے حوالے کر گئی ہے!

چوتھی قسم کے لطیفے

چوتھی قسم کے وہ لطیفے ہیں۔ جن میں مختلف لوگوں کے خصوصیات، معاشرتی زندگی کا خاکا اور عادات و اطوار کی ایک ہلکی سی جھلک دکھائی دیتی ہے اس قسم

www.taemeernews.com

کے واقعات، روزمرہ ہماری نظروں سے گذرتے رہتے ہیں اور اُن مضحکہ خیز، حرکتوں اور کمزور پہلوؤں کی تصویریں اس خوبی سے الفاظ میں کھینچ دیتی ہیں کہ لوگ سن کر بے ساختہ ہنس پڑتے ہیں مثلاً

ایک قاری صاحب کو تمباکو میں شیرہ ڈالنے کی ضرورت تھی ایک دوکاندار کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ "آپ کے پاس بشراع ہے شروع ہو" اور عین کو صحیح مخرج کے ساتھ ادا کیا۔ دوکاندار نے کہا کہ جناب شیرہ تو ہے مگر اتنا گاڑھا نہیں ہے جتنا آپ کے حلق سے نکل رہا ہے۔

ایک عرب بمبئی پہونچا اور چند اُردو الفاظ سیکھ لیے کسی چور نے اُس کا سامان چرالیا۔ وہ بے چارہ صبح مسافر خانہ میں چیخ رہا تھا کہ ایسا الناس شور، (لوگو چور) بہت لوگ جمع ہوگئے اور اشاروں میں واقعہ پوچھا تو معلوم ہوا کہ چوری ہوگئی۔ پھر پوچھا کیا چیز چوری ہوگئی تو عرب نے کہا کہ واحد بیتی، واحد سکری یعنی ایک پیٹی اور ایک پگڑی۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ بعض سیاح جو ایک ملک سے دوسرے ملک ایک ریاست سے دوسری ریاست میں جاتے ہیں اور وہاں کی زبان کی لاعلمی اور، رسم و رواج سے ناواقفیت کی وجہ سے بہت سی ایسی باتیں کر جاتے ہیں جو نہایت مضحکہ خیز ہوتی ہیں۔ چند روز ہوئے میں نے ایک سیاح کا سفرنامہ پڑھا تھا۔ جس میں بیسیوں دیدہ زیب ہندوستانی مناظر تھے اور اس نے حتی الامکان ہر مقام کا حال اپنے خیال میں نہایت صحت اور وضاحت سے لکھا تھا مگر اس کا ہر واقعہ ایک لاجواب لطیفہ تھا بدقسمتی سے وہ دسویں محرم کو لکھنو

www.taemeernews.com

پہونچے، دیکھا کہ لوگ تعزیئے کاندھوں پر دھرے ہوئے حسنؑ حسینؑ کی آوازیں لگاتے ہوئے کربلا کی جانب چلے جا رہے ہیں۔ اس واقعہ کو آپ نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ محرم کی دسویں تاریخ کو میں لکھنو پہونچا اس روز قیامت کا دن تھا یعنی ہر ایک ہندوستانی اپنے کاندھوں پر اپنی اپنی قبر لیئے ہوئے قیامت کے میدان کی طرف چلا جا رہا تھا اور ہر ایک شخص ہائے سُن، جناب سُن، جاب سن، جاب سن (حسن حسین) کے دلخراش نعرے لگا رہا تھا۔

ایک ہندوستانی مسافر پیکن وچین کے دارالسلطنت میں سیر کرنے گیا۔ ایک ہوٹل پہونچا زبان سے ناواقف تھا اس لیئے اشاروں سے کچھ کھانے کی چیزیں مانگیں ان میں سے ایک ڈش اسے بہت پسند آئی جب بٹلر آیا تو اس نے یہ دریافت کرنا چاہا کہ کیا یہ بطخ ہے؟

اس کے واسطے اس نے بٹلر کے سمجھانے کو لفظ "قان، قان" کہا بٹلر نے ہاتھ کے اشارہ سے کہا نہیں اور اس نے آواز نکالی "میوں میوں" (یعنی بلی ہے)

ایک میم صاحب کے ہاں لڑکا پیدا ہوا اور دودھ پلانے کے واسطے ایک گدھی کی ضرورت ہوئی۔ اپنے بیرے کو بلا کر کہا ویل بیرا بابا کے واسطے ایک گدھا لاؤ۔ بیرا بیچارہ ایک کمہار سے جا کر خاصا صحت مند سا گدھا خرید لایا۔ اب میم صاحب، دیکھتی ہیں تو اس میں تھن نہیں گھبرا کر بیرے سے بولیں کہ ویل بیرا یہ صاحب کے ماپھک ہے، ہمارے ماپھک لاؤ (یعنی نر نہیں مادہ)

ایک روز ایک صاحب بہادر کی دعوت ایک نواب صاحب کے ہاں تھی پلاؤ آیا تو صاحب بہادر نے لینے سے انکار کیا۔ نواب صاحب نے کہا لیجئے یہ ہندوستان

www.taemeernews.com

کی خاص ڈش ہے صاحب بہادر جن کو اردو دانی کا بہت دعویٰ تھا کہنے لگے کہ معاف! ہم صرف اپنی زبان پہچان والوں کو کھاتا ہے۔

ایک پارسی کرکٹ کھیلنے میں مشہور تھا اس کو اردو زبان دانی کا بھی دعویٰ تھا کسی نے پوچھا کہ بمبئی میں آپ سے بہتر بھی کوئی کرکٹ کھیلنا جانتا ہے انھوں نے نہایت کسر نفسی سے جواب دیا کہ وہاں کا تو چھوٹا کھیل والا ہمارا باپ ہے۔

ہندوستان کے کسی شہر میں ایک بنگالی بابو نے ایک بھشتی کو دیکھا کہ کمر پر بھری ہوئی مشک لیے سپاہی کو پانی پلا رہا ہے چونکہ بنگال میں بھشتی نہیں ہوتے اس لیے وہ ان دونوں کی حرکتوں کو غور سے تکتا رہا۔ کسی نے پوچھا کہ بابو جی کیا دیکھ رہے ہو تو بابو جی نے فرمایا کہ شپاہی شالا تو شپاہی شالا مگر یہ چاڈی کھیلی والا کا۔

ایک بنگالی بابو دہلی پہونچے بھٹیارہ تندور میں سے روٹیاں نکال کر ایک طرف رکھتا جاتا تھا۔ چونکہ بنگال میں تندور نہیں ہوتے اس لیے وہ اس تماشہ کو حیرت سے دیکھتا رہا۔ کسی نے پوچھا کہ بابو جی کیا دیکھ رہے ہو تو جواب دیا کہ اللہ کی کدرت دیکھو اور مانش کی بدھی دیکھو، شالا بیٹا کنوئیں میں سے روٹی نکالتا جا رہا ہے۔

کسی سیٹھ نے دعوت کی اس میں انگریزوں کو بھی مدعو کیا جب لوگ جانے لگے تو سیٹھ صاحب ہر ایک کو ایک پھول سونگھنے ہاتھ میں اور ایک گجرا

www.taemeernews.com

گلے میں ڈال دیتے تھے ایک گجراہیم صاحب کو بھی دیا ہیم صاحبہ نے اُسے ہاتھ میں لٹکا لیا۔ سیٹھ صاحب نے کہا کہ ہیم شاپ اس ہار کو اپنے کنٹھ میں ڈال لیں تو بہت اچھا لگے گا۔

ایک شخص کی گائے چوری گئی اس کا مقدمہ عدالت میں ایک انگریز مجسٹریٹ صاحب کے اجلاس پر پیش ہوا۔

مجسٹریٹ۔ ویل! ہم نہیں سمجھا کہ گائے کس کو بولتا ہے ۔۔۔؟ ہم گائے دیکھنا مانگتا ہے۔ وکیل صاحب نے مجسٹریٹ کے حکم کے مطابق گائے کو عدالت میں پیش کیا۔ صاحب بہادر کی نظر گائے پر پڑی تو فوراً ہنس کر کہنے لگے۔

ویل! ایڈوکیٹ ۔۔۔! یہ تو بیل کا ہیم صاحب ہے یہ ہم کو معلوم تھا تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا!

ایک مدراسی مجسٹریٹ اپنی بیوی کو عدالت میں تماشا دکھانے کیلئے لائے اور چیمبر میں چلمن کے پیچھے بیٹھا کر خود اجلاس پر رونق افروز ہو گئے، وکلا، ملزمین اور کورٹ انسپکٹر وغیرہ سب اپنے اپنے مقام پر کھڑے ہو گئے۔ پھر تمام اہلکاران عدالت کو ایک لائن میں کھڑا کر کے اپنی بیوی کے جانب مخاطب ہوئے اور کہا۔ او یے یہ ملزمان۔ ملزمان کئے تو گناہ کرے سوائون۔

یہ کورٹ انسپکٹر یا کورٹ انسپکٹر کیئے تو گناہ کرے سوان کو سزا دلانے والا یہ وکیلاں۔ وکیلاں کیئے تو ہمارے مدراس سٹی میں ہیں نا، پلیڈرس وہ یہ صفحہ داران صفحہ داران کیئے تو میرے ہاتھ کے نیچے کام کرتیں سو کلرکاں اور یہ سب کے اُپر میں بڑا۔

ایک صاحب مدراس سیر کرنے گئے، راستہ میں ایک شخص سے کسی

www.taemeernews.com

مقام کا پتہ دریافت کیا اُس شخص نے نہایت غصّہ میں آکر جواب دیا آپ بے کون خفت! راستہ میں میرے کو پکڑنے کو پوچھیں سو میں پوسٹ مین کیا تمنا پتہ بتانے کو ـــ!

ایک پٹھان سفر کررہا تھا ان کے ساتھ ریل میں ایک مرہٹہ بھی تھا ایک اسٹیشن آیا۔

خان صاحب نے پوچھا کہ یہ کون اسٹیشن ہے؟ مرہٹہ نے کہا کہ کاٹے سانگت؟ خان صاحب نے فوراً اپنی ڈائری نکالی کاٹے سانگت نوٹ کرلیا۔ دوسرا اسٹیشن آیا خان صاحب نے پھر پوچھا یہ کون اسٹیشن؟ مرہٹے نے پھر وہی کہا کہ کاٹے سانگتا؟ خان صاحب نے پھر ڈائری نکالا کر کاٹے سانگت فوراً نوٹ کرلیا۔

تیسرے اسٹیشن پہ خان صاحب نے پھر پوچھا کہ یہ کون اسٹیشن؟ مرہٹے نے پھر وہی کہا کہ کاٹے سانگت؟ بس خان صاحب کو غصّہ آگیا، دبا کے ایک گھونسہ رسید کیا اور کہا ہر اسٹیشن کا نام کاٹے سانگت بتاتا ہے۔ مرہٹہ گھبرا کر چیخا کہ، کاٹے زالم، کاٹے زالم؟

اس پہ خان صاحب ٹھنڈے ہوئے اور کہا کہ گھونسا کھاکر صحیح نام بتایا اور جھٹ اپنی ڈائری میں اس مقام کا نام کاٹے زالم لکھ لیا۔

اُردو کے محاورے

ہمہ اقسام کے لطیفوں کے علاوہ اُردو زبان میں کئی محاورے اور ضرب الامثالیں ایسی ہیں۔ جن کی وجہ تسمیہ نہایت ظریفانہ انداز میں بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ ان محاوروں کو واقعات کے ساتھ یا یوں کہو واقعات کو محاوروں کے ساتھ ایسا چپکا دیا گیا ہے کہ جیسے گوند سے کاغذ مگر ایسی تحریریں انگریزوں کے ہاں ہوتیں تو انہیں ادبیات میں ایک خاص رتبہ حاصل

www.taemeernews.com

ہوتا۔ اس کے علاوہ جن بذلہ سنج اور خوش مذاق حضرات نے وہ محاورے بنائے ہیں۔ اُن کے نام سنہری حرفوں میں تفصیل کے ساتھ ہر لطیفہ، محاورے اور ضرب الامثال کے ہمراہ لکھے جاتے۔

دو چار محاورے اور ان سے منسوب واقعات آپ بھی ملاحظہ فرمائیے

"یہ تو ٹیڑھی کھیر ہے"

ایک نابینا شخص کو کسی نے دعوت دی۔ نابینا نے کہا کہ دعوت میں کیا، کیا کھلاؤ گے۔ اس نے جواب دیا کہ کھیر۔ نابینا نے تعجب سے پوچھا کہ کھیر کیسی ہوتی ہے؟ جواب دیا کہ سفید بگلا جیسی۔ نابینا نے پوچھا کہ بگلا کیسا ہوتا ہے۔ اُس نے مذاقاً اپنے ہاتھ کو ٹیڑھا کر کے بگلے کی چونچ کی طرح بنایا اور کہا کہ دیکھو بگلا ایسا ہوتا ہے۔

نابینا نے اس کے مڑے ہوئے ہاتھ اور کلائی کو اچھی طرح سے ٹٹول کر کہا کہ بھئی یہ تو ٹیڑھی کھیر ہے۔؟

"یہیں بیٹھے۔ بیٹھے بھیگی بلی بتاتا ہے"

ایک صاحب نے اپنے نوکر سے کہا کہ باہر دیکھ کر آ کہ بارش ہو رہی ہے یا نہیں نوکر نے وہیں سے بیٹھے ہوئے جواب دیا کہ سرکار ابھی تو مینہ برس رہا ہے مالک نے کہا کہ تجھے کیسے معلوم ہوا اس نے جواب دیا کہ سرکار ابھی باہر سے بلی آئی تھی میں نے اس کی پیٹھ سہلائی تو دیکھا کہ وہ بھیگی ہوئی تھی مالک نے طیش میں آ کر کہا کہ بے وقوف چل باہر جا کر دیکھ، یہیں سے بیٹھے بیٹھے بھیگی بلی بتاتا ہے۔

"غت ربود"

ایک صاحب گلستان پڑھ رہے تھے جب اس مصرع پر پہنچے کہ،

www.taemeernews.com

سعدی کہ گوئے بلاغت ربود ۔ ایک صاحب نے پوچھا کہ حضرت بلا تو خیر بلا ہے مگر یہ غت ربود کے کیا معنی ہیں ۔؟

"رحمت بر نباشِ اوّل"

ایک کفن چور قبریں کھود کر مردے باہر نکالتا اور ان کا کفن لے کر اسی طرح بے گور کفن باہر پھینک کر چلا آتا تھا تمام مردے اس کی اِس حرکت سے عاری تھے مگر مردہ بدست زندہ کیا کر سکتے تھے۔ چند روز بعد وہ مر گیا لوگ سُن کر بہت خوش ہوئے تھوڑے روز بعد کسی دوسرے شخص نے وہ قبرستان سنبھال لیا یہ حضرت ان سے بھی دو ہاتھ بڑھ کے نکلے یعنی قبر کھود کر مردہ نکالتے اور کفن اُتار کر اس کے پاؤں میں رسی باندھ کر درختوں سے اُلٹا لٹکا کر چلے آتے تھے لوگوں نے جب یہ کیفیت دیکھی تو ایک زبان ہو کر کہا کہ "رحمت بر نباشِ اول"

"خوب شد کہ بیل نہ بود"

ایک مرتبہ شہر کرمی کے لوگوں نے مشورہ کیا کہ بادشاہ کو کچھ نہ کچھ تحفہ دینا چاہیئے ایک نے کہا کہ یہاں کے بیل اچھے ہوتے ہیں وہی نذر دیئے جائیں تو مناسب ہے دوسرے نے کہا کہ کیت تحفتہ روانہ کیئے جائیں تو بہتر ہے مگر ایک تجربہ کار بڈھے نے کہا کہ بیل یا کیت لے کر کیا بادشاہ اپنے سر سے مارے گا۔ اگر خدانخواستہ کھٹے نکلے تو بدمزگی اور بدنامی کا اندیشہ ہے ارے میاں گولر دو گولر اس رائے پر سب نے صدائے آفرین بلند کی۔ ہزاروں گولر توڑے گئے اور ہر ایک گولر کو اچھی طرح سے چکھ کر بڑے بڑے جبھوں میں جمایا۔ اور تقریباً تین سو چار سو جبھے لیکر بڑی

www.taemeernews.com

شان و شوکت سے یہ مجمع لکھنو روانہ ہوا۔ تین چار روز بعد دربار میں پہونچے
چھوٹے بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش ہوئے۔

"اندھیر نگری چوپٹ راجہ ٹکے سیر بھاجی ٹکے سیر کھاجا"

ایک گرو اور چیلے ہم سفر تھے ایک مقام پر پہونچے، گرو نے چیلے سے کہا کہ رسوئی بنانے کیلئے کچھ بازار سے خرید لا۔ چیلے گئے تو بہت سامان خرید لائے گرو نے پوچھا کہ بیٹا دو آنے میں اتنا سامان کیسے آیا۔ جواب دیا گیا کہ گرو جی الٹنور کی کرپا سے یہاں ہر چیز ٹکے سیر مل رہی ہے۔ گرو نے پوچھا کہ کھاجا کیا سیر مل رہا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ٹکے سیر پھر پوچھا کہ ساگ پات؟ جواب دیا کہ وہ بھی ٹکے سیر، گرو نے کہا کہ بیٹا پھر تو یہ اندھیر نگری معلوم ہوتی ہے۔ یہاں تو گھوڑے گدھے ایک ہی لکڑی سے ہانکے جا رہے ہیں۔

چیلے بھلا ایسے سستے شہر کو چھوڑ کر کیسے سرکتے وہیں رہ پڑے اور گرو جی وہاں سے چل دیئے۔ ایک روز کسی مجرم کو سولی دی جارہی تھی۔ چیلے بھی سامنے کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے یکا یک شور مچا کہ مجرم کی گردن پتلی ہے اور سولی کا پھندا بڑا ہے کیا کیا جائے۔؟

راجہ نے حکم دیا کہ پھندا جس کی گردن میں برابر بیٹھے اُسے سولی دیدی جائے۔ چیلے سامنے تھے۔ ان کی گردن ناپی تو پھندے کے برابر اُتری۔ فوراً ان کو پکڑ سولی تلے لے آئے۔ سولی دینے سے پہلے پوچھا گیا۔ اے شخص تیری کوئی خواہش ہے جواب دیا کہ آخری وقت اپنے گرو کا دیدار چاہتا ہوں۔ حسب خواہش بڑی تلاش سے گرو حاضر کیئے گئے۔ گرو نے یہ معاملہ دیکھا اور راجہ سے کہا کہ اس کو پھانسی نہ دیجئے، پھانسی مجھے دیجئے۔

www.taemeernews.com

چیلے کو گرو جی کا یہ ایثار دیکھ کر جوش آیا تو کہنے لگے کہ نہیں پھانسی مجھ کو دیجیے گرو جی کو ہرگز نہ دیجیے۔

راجہ نے اس کی وجہ پوچھی تو گرو جی نے کہا کہ واقعہ یہ ہے کہ اس وقت سمجھو دل میں ہے جو پھانسی پائے گا، وہ آئندہ جنم میں تمام دنیا پر راج کرے گا۔

راجہ جی نے فرمایا کہ تم بھیگ منگوان کو میرے مقابل میں راج پاٹ کرنے کا کیا حق ہے؟ راجہ میں ہوں حکم دیا کہ ان دونوں سنیاسیوں کو شہر کے بارہ پتھر باہر نکال آؤ۔ اور حفاظت تمام سے جاؤ کہ کہیں یہ کم بخت اسی بھی گھڑی میں مرنے نہ پائیں۔

پھر خود راجہ صاحب نے سولی کے نیچے کھڑے ہو کر فرمایا کہ چلو مجھ کو پھانسی دو۔

گرو نے چیلے سے کہا کہ چلو بیٹا، جان بچی اور لاکھوں پائے۔ دیکھ میں نہیں کہتا تھا کہ "اندھیر نگری چوپٹ راجا ٹکے سیر بھاجی ٹکے سیر کھاجا"

"گھر کی مرغی دال برابر"

ایک صاحب کو مرغیاں پالنے کا بہت شوق تھا۔ ایک روز انھوں نے اپنے باورچی کو حکم دیا کہ رات کے کھانے میں مرغی پکانا۔ باورچی نے کسی وجہ سے بجائے مرغی کے دال پکا کر سامنے رکھ دی۔

مالک نے کہا کہ بے وقوف میں نے تجھ سے کہا تھا کہ مرغی پکا۔ پھر تو نے دال کیوں پکائی؟ جواب دیا کہ سرکار مرغیاں تو گھر کی ہیں ہر وقت پکا سکتے ہیں۔ مگر دال کا یہ ایک نیا نسخہ ہتھے چڑھا ہے۔ اس طرح کی ہر وقت نہیں پک سکتی۔ مالک نے کہا کہ وہ "گھر کی مرغی دال برابر"۔

www.taemeernews.com

"مضمون دونوں کا واحد ہے"

ایک نوسیکھ گھوڑے پر بیٹھے ہوئے جا رہے تھے۔ سامنے دیکھا کہ ایک دوسرے صاحب بھی آہستہ آہستہ گھوڑے پر تشریف لا رہے ہیں۔

اس خیال سے کہ کہیں گھوڑا بدلگامی نہ کر جائے۔ نوسیکھ نے اپنا گھوڑا روک لیا۔ تاکہ وہ صاحب نکل جائیں اور اس عرصہ میں انھوں نے جیب سے ایک خط نکال کر اس طرح سامنے رکھ لیا، جیسے کوئی سمجھے کہ گویا خط پڑھنے کیلئے ٹھہرے ہوئے ہیں۔

اتفاق سے دوسرے صاحب بھی اناڑی تھے، گھوڑے کے آن، کو دیکھ کر ہنسنا شروع کیا اور وہ بھی وہیں آکر اڑ گیا اور اس طرح اڑا کہ، دونوں سواروں کے منہ سے منہ مل گئے اور دوسرے صاحب بھی ان کے خط کو دیکھنے لگے۔

انھوں نے کہا کہ قبلہ معاف فرمائیے آپ میرا خط کیوں پڑھ رہے ہیں۔ جواب دیا کہ جناب خط پڑھنے میں کون سا امر مانع ہے۔ مضمون دونوں کا واحد ہے۔

www.taemeernews.com

عربوں کی ظرافت

عربوں کا مقولہ ہے کہ "مُلح فی الکلام کا ملح فی الطعام" جس طرح تھوڑا سا نمک کھانے کو خوش ذائقہ بنا دیتا ہے اسی طرح تھوڑی ظرافت بھی بات کو چٹخارے دار بنا دیتی ہے منطقی دلائل اور فلسفیانہ انداز میں جو بات کہی جائے وہ اتنا اثر نہیں دکھاتی جتنا کہ ظریفانہ رنگ میں دکھائی جاتی ہے عربی زبان میں کثرت سے ایسی کتابیں ہیں جن میں علمی نکات لطیف ظرافت کے چٹخاروں کے ساتھ موجود ہیں۔ اور تلخ ترین مقولے ظرافت کی چاشنی سے شیریں اور خوشگوار بنا دیئے گئے ہیں۔

بدیہہ گوئی اور حاضر جوابی عربوں کی گھٹی میں پڑی ہے اور سچ پوچھو تو یہی باتیں ظرافت کی جان ہیں اس پر بھی عربوں نے اس فن پر کئی مستقل کتابیں تحریر کی ہیں۔ اور ظرافت کے حدود متعین کر دیئے۔ تاکہ وہ اپنے حدود سے آگے بڑھنے نہ پائے ظرافت اپنے اصلی معنوں میں رہے اور وہ ظرافت عامیانہ اور مکروہ الفاظوں سے [illegible] اور فحش نہ ہونے پائے۔

خوش طبعی، ظرافت، بدیہہ گوئی اور حاضر جوابی خدا کی دین ہے جو ہر شخص کو نصیب نہیں عرب میں بہت سے خدا کے بندے بلکہ خدا رسیدہ بزرگ ایسے ملیں گے جن کے دل غنچوں کی مانند زہد و تقویٰ اور معرفت الٰہی سے معمور اور سربلند ہیں لیکن زبان نئے نئے گل کھلاتی رہتی ہے اور جو بات ان کی زبان سے نکلتی وہ اس قدر چٹی تلی اور ظرافت میں ڈوبی ہوئی ہوتی کہ جیسے سُن کر ان کی علمیت اور شوخ

www.taemeernews.com

طبعی اور حاضر جوابی پر بے ساختہ داد نکل جاتی ہے۔

ان کی اس قسم کی باتوں سے کسی کا مضحکہ اڑانا یا کسی کو ہنسانا مقصود نہیں ہوتا تھا بلکہ ظرافت آمیز تقریب اہل محفل کیلئے تازیانہ ہوتے تھے۔ جن کی آواز خوشگوار اور ضرب کارگر ہوتی تھی چوتھی صدی ہجری میں ابو سعید منصور ابن الحسن نے ایک کتاب "نثر الدارنی المحاضرات" لکھی ہے اس میں ظرافت کے بعض شعبوں پر بحث کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر بیسوں حکایتیں، خلفائے وقت کے مقولے، مدینے میں رہنے والوں کی حاضر جوابیاں اور ان گنت دلچسپ واقعات بیان کئے ہیں اس کے علاوہ اور بھی کئی کتابیں ہیں ان میں "منظرف" بہت مشہور ہے جسے آٹھویں صدی میں شیخ الامام ابو الفتح محمد بن احمد نے لکھی ہے یہ دونوں کتابیں بے حد مقبول ہوئیں اور انگریزی، فرانسیسی، لاطینی اور فارسی کے علاوہ دوسری زبانوں میں ان کے ترجمے شایع ہوئے اور جو پسند کئے گئے۔

عموماً اس قسم کی کتابیں جن میں عربوں کے فن محاضرات پر بحث کی گئی ہے۔ کئی کئی بابوں پر مشتمل ہیں۔ شروع میں خدا اور رسول کے احکامات پھر مہاجرین و انصار کی دلچسپ باتیں، اس کے بعد خلیفہ اور گورنروں کے پُر مذاق مقولے، اور آخر میں علماء، فضلا اور عالموں کی حاضر جوابیاں اس حسن و خوبی سے ترتیب دی گئی ہیں کہ مطالعہ کے بعد قلب کو سکون، دماغ کو سرور، تازگی، روح کو مسرت اور طبیعت میں ایک جولانی سی پیدا ہو جاتی ہے۔

نمونہ کے طور پر اُن کی حاضر جوابیاں اور ذکاوت طبع کے چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں آپ بھی ملاحظہ فرمائیے اور لطف اٹھائیے۔

عربوں کا قاعدہ ہے کہ بعض اوقات وہ شعرا قصہ گو اور افسون کے واقعات بیان کرنے سے پیشتر اور واقعات کے راویوں کا سلسلہ بھی اصلی بیان کرنے والے اصحاب تک پہونچا دیتے ہیں مثلاً کسی لطیفے کو بیان کرنے سے

www.taemeernews.com

پیشتر وہ لکھتے ہیں کہ اس واقعہ کو ایک شخص قاسم لطیفہ گو نے سنا ہے اور قاسم نے یہ ذکر اپنے باپ تدبیر مفتی سے سُنا اور تدبیر نے اپنے والد اسمعیل سے سُنا اور اسمعیل نے جمیل سے سُنا جس کا خود یہ بیان ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگ کس قدر محنت اور مشقت برداشت کر کے اصلی واقعات فراہم کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ پھر ان میں اگر کوئی راوی مستند نہیں ہوتا تھا تو صحیح تسلیم نہ کرتے تھے

ایک محدث کا یہ مشہور واقعہ ہے کہ وہ اور ایک عیسائی دونوں ایک ہی کشتی میں بیٹھے ہوئے سفر کر رہے تھے عیسائی بیمار تھا اس لیئے اس نے ایک شراب کی بوتل نکالی اور ایک گلاس بھر کر پینے سے پہلے ہم سفر مسلمان کو پیش کیا محدث صاحب پیاسے تھے وہ بے تکلف پی گئے اور پوچھا کہ یہ کیا چیز ہے۔ عیسائی نے جواب دیا کہ یہ شراب ہے۔ محدث نے کہا کہ بھلا تجھے کیوں کر معلوم ہوا کہ یہ شراب ہے؟ جواب دیا کہ میرا غلام اس کو یہودی کی دوکان سے خرید کر لایا تھا۔ اور اس یہودی نے کہا کہ یہ شراب ہے۔

محدث نے کہا کہ تم عجیب ضعیف الاعتقاد اور بے وقوف آدمی ہو۔ میاں ہم محدث ہیں معتبر اور مستند اشخاص کی روایت قبول کرتے ہیں پھر بھلا ایک ادنیٰ غلام کے اعتبار پر جس نے ایک یہودی سے سُنا ہو، تیسرا ایک عیسائی کے بات کا کیوں کر یقین کریں کہ یہ شراب ہے میں نے اس کو ضعیف اسناد کی وجہ سے پیا ہے۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایران پر حملہ کیا گیا۔ ایران کے بادشاہ نے عرب سپاہیوں کا سیدھی سادی حالت اور معمولی کپڑے دیکھ کر کہا کہ ان فقیروں کی جھولیوں میں تھوڑی سی خاک بھر دو۔ عرب یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور کہا کہ یہ تو مبارک فال ہے اس نے ہم کو اپنی مٹی (یعنی زمین) بغیر لڑے بھڑے دے دی ساتویں صدی عیسوی میں

www.taemeernews.com

عبدالملک بن مروان خاندان بنی اُمیّہ کے تیسرے خلیفہ اور نہایت اولوالعزم بادشاہ تھے تخت نشینی سے پہلے مدینہ منورہ میں علم دین نہایت محنت و مشقت سے حاصل کرتے رہے اور وہ کبھی عبادت گاہ سے باہر نہیں نکلتے تھے اس لیئے لوگ انہیں مسجد کا کبوتر کہا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ عبدالملک بن مروان سے کسی فقیر نے کہا کہ خدا کے واسطے مجھے کچھ خیرات دے۔ جواب دیا کہ "مجھ سے کیا مانگتا ہے" جا خدا سے مانگ فقیر نے کہا "خوب مجھ کو خدا نے تیرے پاس بھیجا ہے۔ اور پھر مجھے الٹا خدا کے پاس بھیج رہا ہے"۔

ہارون رشید بغداد کے خلفِ عباسیہ میں سے پانچویں خلیفہ تھے اور تمام خلفاء سے بڑھ کر فاضل، فصیح فیاض اور سخی تھے۔ ہارون رشید کے دربار میں ہر قسم کے لوگوں کا مجمع رہتا تھا۔ علماء فضلاء شعراء سے لے کر ظریف اور مسخرے تک موجود رہتے تھے۔ جو حاضر جوابی، لطیفہ گوئی اور سخن فہمی کی کان تھے۔

ایک مرتبہ جعفر برمکی اور خلیفہ کہیں سیر کرنے جا رہے تھے۔ دیکھا کہ اونٹ زر و جواہرات سے لدے ہوئے چلے جا رہے ہیں۔ خلیفہ نے پوچھا کہ اونٹ کہاں سے آ رہے ہیں۔ ساربان نے جواب دیا کہ امیرالمومنین! علی بن عیسٰی نے آپ کو خراسان سے یہ تحفہ بھیجا ہے۔ چونکہ خلیفہ نے جعفر برمکی کے بھائی فضل برمکی کو خراسان کی گورنری سے علیٰحدہ کر کے علی بن عیسٰی کو گورنر مقرر کیا تھا اس لئے جعفر برمکی سے مخاطب ہو کر مذاقاً کہا کہ تیرے بھائی کے زمانہ میں یہ زر و جواہرات کہاں تھے؟

جعفر نے دست بستہ عرض کی کہ حضور! یہ اس وقت اپنے حقیقی مالکوں کے خزانہ میں۔

ایک مرتبہ کسی شخص کو کسی الزام میں ماخوذ کر کے خلیفہ کے دربار میں

www.taemeernews.com

لئے خلیفہ نے پوچھا کہ لوگوں نے جو تجھ پر الزام لگایا ہے کیا وہ صحیح ہے؟
جواب دیا کہ بھلا لوگ میرے عقیدے کے کس طرح واقف ہو سکتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ میں شرع کے حکم کے مطابق پانچوں وقت کی نماز پڑھتا ہوں روزے رکھتا ہوں پھر بھلا اور کیا چاہیئے۔ خلیفہ نے کہا اگر تو اپنے ملحد ہونے کا اقرار نہیں کرے گا تو میں درّے مار مار کر تجھ سے اقرار کراؤں گا۔ اس شخص نے کہا کہ کیا خوب! آپ کے باپ دادا، درّے مار مار کر اسلام کی صداقت کا اقرار کراتے تھے اور آپ اس بات پر اڑے ہوئے ہیں کہ درّے مار کر مجھ سے ملحد کا اقرار کرائیں۔

ایک روز ہارون رشید اور زبیدہ میں نالودہ اور لوزینہ کے بارے میں بحث ہوئی کہ دونوں میں کون سا زیادہ خوش ذائقہ اور مزیدار ہے۔ فیصلے کے واسطے قاضی ابو یوسف مقرر ہوئے انہوں نے کہا کہ غائب پر حکم نہیں لگا سکتا دونوں چیزیں حاضر کی گئیں قاضی صاحب نے دونوں کو یکے بعد دیگرے کھانا شروع کیا یہاں تک کہ نالودہ اور لوزینہ دونوں آدھے آدھے رہ گئے اور کہا کہ، امیر المومنین میں کوئی حکم نہیں لگا سکتا ہوں اس لئے کہ جب ایک کو بہتر کہتا ہوں تو دوسرا اپنی فضیلت کی دلیل پیش کر دیتا ہے۔

خلیفہ نے ایک مرتبہ بہلول سے کہا کہ کیا تم خلیفہ بننا چاہتے ہو۔ اس نے جواب دیا کہ نہیں! خلیفہ نے پھر پوچھا کہ آخر کیوں؟ خلیفہ بننا نہیں چاہتے؟ اس نے جواب دیا کہ اس لئے کہ میں تین خلفاء کے جنازے دیکھ چکا ہوں اور تم نے اب تک ایک بہلول کا جنازہ بھی نہیں دیکھا ہوگا!

ہارون الرشید کے زمانہ میں ایک شخص نے خدائی کا دعویٰ کیا خلیفہ نے پوچھا کیا کہتا ہے؟
جواب دیا کہ میں خدا ہوں، میری خدائی قبول کر۔ خلیفہ نے کہا کہ چند روز ہوئے ایک شخص نے پیغمبری کا دعویٰ کیا تھا میں نے اسے سولی پر لٹکوا دیا۔ اس نے جواب دیا

www.taemeernews.com

کو شاباشی تو نے بہت اچھا کیا میں نے اسے پیغمبر بنا کر نہیں بھیجا تھا ۔!

ہارون الرشید کے زمانہ میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا وہ ہارون رشید کے سامنے آیا تو رشید نے اس سے پوچھا کہ تمہارے دعویٰ کی دلیل کیا ہے ۔ کہا کہ جو کچھ آپ چاہتے ہیں پوچھئے ۔ رشید نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ یہ امیرد غلام جو سامنے کھڑے ہوئے ہیں ان کے چہروں پر داڑھی نکل آئے ۔ اس نے تھوڑی دیر سوچ کر جواب دیا یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ یہ خوبصورت چہرے ایک بار داڑھی دار ہوجائیں، البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ داڑھی دار چہرے ایک منٹ میں بے داڑھی ہوجائیں۔

ایک مرتبہ ہارون رشید کو رات کو نیند نہیں آئی ۔ اس نے اپنے وزیر جعفر بن یحییٰ برمکی کو بلوایا اور کہا کہ مجھ کو نیند نہ آنے سے تکلیف ہو رہی ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کیا جائے اتفاق سے اس وقت ہارون الرشید کا غلام مسرور وہاں کھڑا تھا وہ ہنس پڑا جس پر رشید کو غصہ آیا اور کہا کہ یہ کیا بدتمیزی ہے مسرور نے عرض کیا کہ امیر المومنین معاذ اللہ میں کسی اور وجہ سے نہیں ہنسا تھا بلکہ مجھے اس وقت اس وجہ سے ہنسی آئی کہ کل کا ایک واقعہ یاد آگیا اور یہ کہ میں محل شاہی سے نکلا اور ٹہلتے ٹہلتے دجلہ کے کنارے پہونچ گیا دیکھا کہ ایک زبردست مجمع ہے اور ایک شخص کہ جس کا نام ابن المغازلی ہے کھڑا ہوا لوگوں کو ہنسا رہا ہے اس وقت مجھے کچھ باتیں یاد آئیں جن سے بے ساختہ ہنسی آگئی ۔ خلیفہ نے کہا کہ اچھا ابھی جا اور اس کو جلد بلا کر لے آ۔ یہ حکم پاکر مسرور فوراً روانہ ہوا اور اس کے پاس پہونچ کر کہا کہ جلدی چل امیر المومنین نے تجھ کو یاد کیا ہے ۔ ابن المغازلی نے کہا کہ بسم اللہ میں تیار ہوں ۔ مسرور نے کہا کہ مگر میں تم کو ایک شرط پر لے چلتا ہوں اور وہ یہ کہ تمہیں جو کچھ ملے اس میں سے ایک چوتھائی میری ۔ ابن المغازلی نے کہا کہ نہیں نصف رکھو مسرور نے انکار کیا القصہ معاملہ اس بات پر طے ہوا ایک ثلث ۔ ابن المغازلی کو ملے اور دو ثلث مسرور

www.taemeernews.com

جب یہ شرط طے ہو گئی تو دونوں رشید کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ابن المغازلی نے رشید کو نہایت ادب سے سلام کیا۔ اور پُر لطف باتیں کرنے لگا۔ رشید نے کہا کہ اگر اس وقت تو مجھ کو ہنسا دے گا تو تجھے پانچ سو دینار دوں گا۔ اور اگر نہ ہنسایا تو اس کوڑے سے تین ضربیں لگا دوں گا۔ ابن المغازلی نے اسے منظور کیا اور مذاق کی باتیں اور عجیب عجیب قسم کی مسخرانہ حرکتیں کرنی شروع کیں جس سے پتھر کو بھی ہنسی آجاتی مگر اتفاق سے رشید پر اُن باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا بلکہ اس کے چہرے پر مسکراہٹ تک بھی نہ آئی یہ دیکھ کر وہ مسخرا اپنے دل میں بہت ڈرا رشید نے کہا کہ تم بجائے انعام کے اب سزا کے مستحق ہو۔ اور یہ کہہ کر اپنا کوڑا اُٹھایا جس میں چار قسمے لگے ہوئے تھے۔ جوں ہی اس کو ایک ضرب پڑی وہ مسخرا زور سے چیخا اور اس کو مسرور کی وہ شرط یاد آ گئی سارا واقعہ عرض کیا۔ اور آخر میں کہا کہ امیر المومنین، میرا حصّہ مجھ کو مل چکا اب مسرور کے دو حصّے اسکو ملنا چاہئیں۔ اس پر رشید مسکرایا۔ اور مسرور کو بُلا کر ایک کوڑا مارا وہ چلایا اور عرض کی کہ یا امیر المومنین میں نے اپنا باقی حصّہ اسی شخص کو ہبہ کر دیا۔ اس پر رشید کو بہت ہنسی آئی۔ اور دونوں کو پانچ پانچ سو دینار انعام دیئے۔

ایک دن خلیفہ ہارون الرشید شاہزادہ ابراھیم کے ساتھ کشتی میں بیٹھا ہوا جا رہا ہے ہارون الرشید نے کہا کہ دنیا میں بہترین نام کون سا ہے جواب دیا کہ پیغمبر کا پھر کہا کہ ان کے بعد تو جواب دیا کہ امیر المومنین کا نام بہتر ہے۔ ہارون الرشید نے پھر پوچھا کہ تمہارے نزدیک سب سے بدقسمت نام کس کا ہے؟ جواب دیا کہ ابراھیم کا نام بہت ہی بدقسمت ہوتا ہے۔ ہارون الرشید نے کہا کہ شرم کر یہ نام تو خلیل اللہ کا ہے۔ عرض کی کہ میرا تو دعویٰ سچ ہے اس نام کا دجہنم خلیل اللہ کو نمرود کے ہاتھوں سے بہت اذیت پہونچی ہے۔ اس پر خلیفہ نے پھر

www.taemeernews.com

اعتراض کیا کہ ہمارے پیغمبر برحق کے طفلِ خورد سال بھی یہی نام تھا اگر اس کا بھی کوئی دوسرا نام ہوتو وہ ضرور زندہ رہتا خلیفہ نے کہا کہ تم امام ابراھیم کے نسبت کیا کہتے ہو؟ جواب دیا کہ ان پر خدا کی رحمت ہو۔ مروان الجندی نے ان کو بجھے ہوئے چونے کے تھیلے میں بند کر کے مار ڈالا اس کے علاوہ ابراھیم ابن الولید جو خلفائے بنی امیہ میں سے تھے معزول کیے گئے اور ابراھیم ابن عبداللہ ابن الحسن علوی بھی شہید کیے گئے۔ مختصر یہ کہ جس شخص کا نام ابراھیم تھا یا تو قتل ہوا یا تازیانے لگائے گئے یا جلا وطن ہوا یا تکلیف میں مبتلا رہا۔ یہ تقریر ختم ہوئی تھی کہ خلیفہ کے اسی کشتی کے ایک ملاح نے دوسرے ملاح ابراھیم کو پکارا۔ اور اسے گالیاں دیں ابراھیم نے خلیفہ سے عرض کیا کہ دیکھ لیجئے یہاں بھی ابراھیم کو گالیاں پڑ رہی ہیں۔ یہ سن کر خلیفہ کو ہنسی آگئی اور دیر تک ہنستا رہا ــــ!

ابونواس کثرت سے شراب پیتا تھا ایک روز خلیفہ اسے تنبیہ کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کم بخت یہ کیا غضب کرتا ہے، شراب ترک کر دے یہ بہت بُری چیز ہے۔ اس کا اول بھی خراب ہے اور آخر بھی خراب ہے۔ ابونواس نہایت خاموشی کے ساتھ سنتا رہا پھر عرض کی کہ حضور نے اس کے اول اور آخرت کا ذکر کیا مگر اوسط کا ذکر نہیں فرمایا جو ایسا ہے کہ آپ کی تمام مملکت ایک طرف اور اس کا ایک گھونٹ ایک طرف

ایک بار ہارون رشید، حمید طوسی سے ناراض ہوا اور حکم دیا کہ اسے اسی جگہ فوراً قتل کر دیا جائے یہ سن کر حمید رونے لگا۔ خلیفہ نے پوچھا کہ تو کس لیے روتا ہے؟ جواب دیا، کہ امیر المومنین میں مرنے کے ڈر سے نہیں رو رہا ہوں

www.taemeernews.com

موت تو ہر شخص کیلئے عام ہے لیکن مجھے اس بات پر رونا آتا ہے کہ افسوس
میں دنیا سے امیرالمومنین کی خفگی کے دوران میں روانہ ہو رہا ہوں ہارون الرشید
کے بعد جب امین نے مسندِ خلافت خالی کی تو مامون رشید تخت نشین ہوا یہ زبردست
عالم و فاضل ہونے کے علاوہ حسنِ تقریر، برجستہ گوئی اور شاعری میں کمال
کا درجہ رکھتا تھا۔

ایک شخص مامون کے پاس آیا اور کہا کہ میں نبی ہوں۔ مامون نے کہا کہ
اس کا کیا ثبوت ہے جواب دیا کہ آپ کے دل کی بات جانتا ہوں۔ کچھ بتاؤ
اس نے جواب دیا کہ آپ کے دل میں یہ ہے کہ میں جھوٹا ہوں۔ مامون نے کہا
کہ تم سچ کہتے ہو۔ اور اس کو قید خانہ بھجوا دیا تھوڑے روز بعد پھر بلوایا اور
پوچھا کہ کہو کوئی وحی آئی۔ کہا نہیں، پوچھا کیوں نہیں آئی؟ اس نے جواب
دیا کہ ملائیکہ قید خانہ میں آنا پسند نہیں کرتے۔ مامون ہنسا اور اس کو چھوڑ دیا۔

ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ میں عیسیٰ ہوں۔ مامون نے کہا عیسیٰؑ مردہ کو
زندہ کرتے تھے کیا تو وہ معجزہ دکھا سکتا ہے اس نے جواب دیا کہ برابر دیکھا
سکتا ہوں اور کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو ابھی قاضی یحییٰ بن اکثم کی گردن مارتا
ہوں اور ایک منٹ میں اُنہیں زندہ کر دیتا ہوں۔ قاضی صاحب گھبرا کے بولے
کہ بھائی مجھ کو معاف کرو۔ میں تم پر ایمان لے آیا!

ایک شخص نے دعویٰ کیا میں پیغمبر ہوں۔ مامون نے کہا کہ اگر اس
وقت تو ایک تازہ خربوزہ اپنے پاس سے نکالے تو میں تجھ پر ایمان لے آتا
ہوں۔ اس نے جواب دیا کہ تین روز کی مہلت دیجئے۔ مامون نے کہا کہ
مہلت و ہلت کچھ نہیں ملتی۔ میں ابھی چاہتا ہوں۔ اُس نے جواب دیا کہ خود،

www.taemeernews.com

اللہ جہاں خربوزہ کو تین مہینے میں پیدا کرتا ہے تو آپ تین دن بھی صبر نہیں کرسکتے۔

مامون کے زمانہ میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا لوگ اس کو مامون کے پاس لائے اور اس سے معجزہ طلب کیا۔ اس نے کہا کہ میں تمہارے سامنے کچھ کنکر پانی میں ڈالتا ہوں اور وہ سب کے سب گھل جائیں گے اس کے بعد اس نے چند کنکر اپنی جیب سے نکالے اور پانی میں پھینک دیئے۔ وہ سب گھل گئے لوگوں نے کہا کہ اس کی سند نہیں ہم تم کو اپنے کنکر دیتے ہیں ان کو پگھلاؤ تو جانیں۔ اس نے جواب دیا کہ تم لوگ فرعون سے بڑھ کر نہیں اور میں موسیٰؑ سے بڑھ کر نہیں جب موسیٰؑ اپنا عصا نکالتے تھے وہ اژدھا بن جاتا تھا تو کیا فرعون ان سے یہ کہتا تھا کہ ہمارے عصا کا اژدھا بناؤ۔ مامون اس جواب سے ہنسا اور اُسے چھوڑ دیا۔

معتصم کے زمانہ میں ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ وہ موسیٰ ہے خلیفہ نے کہا کہ تم کس پر بھیجے گئے ہو؟

جواب دیا کہ تم پر، خلیفہ نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام کا عصا اژدھا بن جاتا تھا تو بھی وہ معجزہ بتا سکتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اس زمانہ میں فرعون نے خدائی کا دعوےٰ کیا تھا اس لئے موسیٰ کو اس معجزہ کی ضرورت پڑی تھی۔ اگر تم بھی خدائی کا دعویٰ کرو تو میں وہ معجزہ بتا سکتا ہوں خلیفہ نے کہا تو احمق ہے۔ اس نے جواب دیا کہ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ پیغمبر اپنی ہی قوم کی طرف مبعوث ہوتے ہیں۔ جیسی قوم ہوتی ہے ویسا ہی پیغمبر ہوتا ہے۔

ایک جلد باز اعرابی امام کے پیچھے نیت باندھے نماز پڑھنے کھڑا

www.taemeernews.com

ہوگیا امام نے سورۃ فاتحہ کے بعد یہ آیت قرات کی "انا ارسلنا نوحاالی قومہ" (ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا) مگر آگے بھول گیا اور بار بار ایسی آیت کو دہرانے لگا اعرابی سے خاموش نہ رہا گیا۔ فوراً بول اٹھا کہ ارے بھائی اب نوح کے بعد کسی دوسرے کو بھیج کہ تجھے بھی آرام ملے اور ہم بھی اس گرداب سے نجات پائیں۔

ایک اعرابی نے جس کا نام موسیٰ تھا کچھ درہم چرا کر اپنے ہاتھ میں چھپا لیئے۔ اور چپکے سے نیت باندھ جماعت کے ساتھ نماز میں شریک ہوگیا امام نے قرات شروع کی۔ وما تلک بیمینک یا موسیٰ (اے موسیٰ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟) یہ سُن کر موسیٰ اعرابی کا دل دھک سے ہوگیا! فوراً درہم امام کے سامنے پھینک یہ کہتا ہوا بھاگا کہ واللہ تم لوگ ساحر ہو ساحر!

ایک عورت نے کسی موذن کو صبح کی اذاں آفتاب نکلنے کے بعد دیتے ہوئے سُنا جب موذن نے کہا کہ الصلوٰۃ خیرٌ من النوم (نماز سونے سے بہتر ہے) تو عورت نے کہا کہ موذن صاحب! آپ کو تو اس وقت یہ کہنا چاہیئے کہ النوم خیرٌ من ہٰذہ الصلوٰۃ (سونا ایسی نماز سے بہتر ہے)

ایک عورت نماز پڑھنے مسجد میں آئی۔ امام نے قرات کی فانکحوا ما طاب لکم من النساء (نکاح کرو عورتوں سے جتنی تمہاری خواہش ہو) عورت یہ سُن کر بہت خائف ہوئی اور نیت توڑ کر سیدھی گھر پہونچی اور اپنی بہن سے کہا کہ اب میں ہرگز مسجد میں نماز پڑھنے نہیں جاؤں گی کم بخت امام لوگوں سے بار بار یہی کہتا تھا ہمارے ساتھ شادی کریں۔ اُس وقت مجھے ڈر معلوم ہوا کہ نماز ختم کرنے کے بعد یہ سب کے سب میرے ساتھ نکاح نہ کر ڈالے!

www.taemeernews.com

ایک اعرابی ایسی مجلس میں آیا جہاں رات کو جاگنے اور عبادتِ الٰہی میں مشغول رہنے کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی لوگوں نے اس سے پوچھا کہ کیا تم بھی جاگتے ہو؟ کہا ہاں! پوچھا کیا کرتے ہو۔ جواب دیا کہ کیا کرتا ہوں! پیشاب کر کے پھر سو رہتا ہوں۔

ایک سائل نے کسی دروازے پر آکر سوال کیا صاحب خانہ نے کہا کہ برکت ہے۔ اس نے کہا کے تھوڑے سے جو بھی دیدو؟ جواب دیا کہ نہیں ہیں پھر کہا کہ ذرا سا زیتون کا تیل ہی دیدو؟ جواب دیا کہ یہ بھی نہیں ہے۔ پھر کہا کہ اچھا بابا تھوڑا سا پانی پلاؤ! کہا کہ یہ بھی اس وقت موجود نہیں ہے۔ سائل نے کہا کہ پھر تم لوگ یہاں کیوں بیٹھے ہو۔ آؤ میرے ساتھ چل کر بھیک مانگو تم تو مجھ سے بھی زیادہ بھیک کے مستحق ہو ــ!

عبداللہ بن معاویہ (یزید کا سوتیلا بھائی حماقت میں مشہور تھا) ایک روز اس نے راستہ میں دیکھا کہ ایک آٹا پیسنے والا اپنی پکھی خچر کے ذریعہ چلا رہا ہے اور خچر کے گلے میں گھنٹیاں پڑی ہیں۔ عبداللہ نے پوچھا کہ یہ گھنٹیاں کیوں باندھ رکھی ہیں۔ جواب دیا کہ اگر خچر چلتے چلتے ٹھہر جائے تو معلوم ہو جائے گا۔ عبداللہ نے کہا کہ فرض کرو کہ خچر چلتے چلتے ٹھہر جائے، اور کھڑے ہو کر صرف اپنا سر ہلاتا رہے تو پھر تم کس طرح معلوم کرو گے؟ اس نے جواب دیا کہ خدا امیر کو سلامت رکھے امیر کی سی عقل میرے خچر میں کہاں ہے۔

قاضی ابو صمعامہ میں دو آدمی آئے ایک طنبورہ کے معاملہ میں جھگڑا تھا۔ قاضی نے مدعی سے پوچھا کہ تمہارے گواہ ہیں! کہا جی ہاں اور گواہی میں دو آدمیوں کو پیش کیا۔

www.taemeernews.com

مدعی نے قاضی سے کہا کہ حضور اِن گواہوں کا پیشہ تو دریافت فرمالیجئے۔ قاضی نے اُن کا پیشہ پوچھا ایک نے کہا میں طبلچی ہوں اور دوسرے نے کہا کہ میں گویا ہوں۔ قاضی نے مدعی علیہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ طنبورہ کے واسطے ان دونوں سے بڑھ کر کوئی اور بہتر اور موزوں گواہ نہیں مل سکتا اور طنبورہ مدعی کو دلا دیا۔

اَبُو اَیُّوب سے کسی نے پوچھا کہ مسافر کو اگر جنگل میں کعبہ کی سمت نہ معلوم ہو تو کدھر منہ کر کے نماز پڑھے۔ جواب دیا کہ اگر سمت کا پتہ نہ چلے تو سامان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے تا کہ وہ چوری نہ جانے پائے۔

ایک شخص کے گھر کی چھت بہت بوسیدہ تھی اور لکڑیوں میں سے آواز آتی رہتی تھی۔ جب مالک مکان کرایہ لینے کیلئے آیا تو کرایہ دار نے کہا کہ قبلہ اس کے چھت کی لکڑیاں بدلوا دیجئے اُوپر سے برابر چٹ چٹ کی آوازیں آتی رہتی ہیں۔ اس نے ہنس کر کہا کہ کوئی خوف کی بات نہیں ہے چھت اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی رہتی ہے کرایہ دار نے کہا کہ مجھے اور تو کوئی خوف نہیں مگر صرف خوف اس بات کا ہے کہ کہیں چھت تسبیح و تحلیل کرتے کرتے سجدہ میں نہ آ پڑے۔

ایک عورت نے قاضی کے پاس آ کر اپنے شوہر سے علیحدگی کی درخواست دی اور وجہ یہ بتائی کہ وہ ہر روز رات کو بچھونے میں موت دیتا ہے شوہر نے کہا کہ آپ اس معاملہ میں جلدی نہ فرمائیں، پہلے میرا قصہ سُن لیں۔ بات یہ ہے کہ میں روز رات کو خواب دیکھتا ہوں کہ گویا میں ایک جزیرہ میں ہوں اور عالیشان محل ہے اور اُس محل پر ایک بلند مینارہ ہے اور اس مینارہ پر ایک اونٹ کھڑا ہے اور میں اس اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھا ہوں اور وہ اونٹ سمندر

www.taemeernews.com

میں نے پانی پینے کیلئے اپنی گردن جھکا رہا ہے جب میں یہ دیکھتا ہوں تو مارے
ڈر کے میرا پیشاب خطا ہو جاتا ہے۔ قاضی صاحب نے جب یہ سنا تو وہیں بیٹھے
بیٹھے فرش کو گیلا کر دیا ۔۔۔!

کسی نے ایک موذن کو دیکھا کہ اذاں کہتا جاتا اور بھاگتا جاتا تھا۔
لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیا حرکت ہے۔ کہا میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ میری
آواز کتنی دور تک پہونچتی ہے ۔۔۔!

ایک موذن صاحب کو کسی نے دیکھا کہ وہ اذاں دیتے جاتے تھے اور
کاغذ دیکھتے جاتے تھے۔ لوگوں نے پوچھا کہ یہ حرکت ہے؟ جواب دیا اس کا
حال قاضی سے پوچھئے۔ لوگ قاضی صاحب کے پاس پہونچے اور السلام علیکم کہا
قاضی نے فوراً ایک کتاب کھولی اور اس کے صفحات الٹنے شروع کر دیئے آخر
ایک مقام کو دیکھ کر جواب دیا وعلیکم السلام لوگوں نے قاضی کی یہ حالت
دیکھ کر موذن کو معاف کر دیا۔

ایک روز جی ایک مزدور کے سر پر آٹا لیئے ہوئے جا رہا تھا راستہ سے
مزدور بھاگ گیا۔ چند روز بعد جی نے اس کو دیکھا تو یہ اس ڈر سے ایک
جھاڑ کے پیچھے چھپ گیا کہ کہیں وہ مزدوری نہ مانگ بیٹھے۔

ایک روز ابن الجصاص وزیر ابن الفرات کے ساتھ کشتی میں بیٹھا ہوا جا رہا
تھا اس کے پاس ایک خربوزہ تھا جو وہ وزیر کو دینا چاہتا تھا اور منہ میں تھوک
تھا اسے دریا میں تھوکنا چاہتا تھا حماقت سے وزیر کے ہاتھ میں تھوک کر

www.taemeernews.com

خربوزہ پانی میں پھینک دیا۔

ایک چور دوکان سے گھڑا چرا کر لے چلا۔ لوگوں نے گرفتار کرلیا اور کہا کہ تجھ پر خدا کی مار دن دہاڑے گھڑا چرا کر لیئے جا رہا ہے۔ اس نے کہا کہ خدا علیم ہے یہ گھڑا تمہارا نہیں ہے یہ تو میرے پاس اس زمانہ سے ہے جب کہ یہ ایک چھوٹا سا پیالہ تھا اور اب بڑھتے بڑھتے یہ گھڑا ہوگیا ہے۔

شیخ سعدی کو سماع کا چسکا پڑ گیا تھا اس باب میں کسی کی نصیحت اسے کارگر نہیں ہوتی تھی ایک روز کسی مجلس میں اس کو ایک بدآواز سے پالا پڑا اور ساری رات اس مکروہ صحبت میں بسر ہوئی۔ صحبت کے ختم ہونے پر آپ نے سر سے منڈاسا اتارا اور جیب میں سے ایک دینار نکالا۔ اور یہ دونوں چیزیں قوالی کی نذر کیں۔ اصحاب مجلس کو اس حرکت سے تعجب ہوا۔ شیخ نے یاروں سے کہا کہ میں نے آج اس شخص کی کرامت مشاہدہ کی ہے میرا دل ہمیشہ سماع سے منع کرتا تھا مگر میں نے اس کے حکم کی تعمیل نہیں کی۔ اور برابر سماع میں شریک ہوتا رہا۔ آج خوش قسمتی سے اس مبارک جلسہ میں آنا ہوا اور اس بزرگوار قوال کے تصرف سے میں نے ہمیشہ کیلئے سماع سے توبہ کی۔

ایک بار خواجہ شمس الدین پانچ سو دینار بطور نذر کے اپنے غلام کے ہاتھ دارالسلطنت تبریز سے شیخ کی خدمت میں بھیجے۔ راہ میں غلام نے اس میں سے ڈیڑھ سو دینار نکال لیئے۔ اور ساڑھے تین سو شیخ کے حوالے کیئے شیخ نے دیکھا کہ صاحب دیوان کے خط میں پانچ سو لکھے ہیں اور غلام نے ساڑھے تین سو دیئے ہیں۔ اس لئے اس کی رسید میں یہ قطعہ لکھ کر بھیجا۔

www.taemeernews.com

خواجہ نشر رقم فرستادی و مال　　ہست افزون باد خصت پائمال
ہر بد نبارِیت سالے عمر باد　　تا بیمانی سے صد و پنجاہ سال

تم نے مجھے عزت دی اور نقدی بھیجی سارے دوست زیادہ اور دشمن پامال ہوں تمہاری عمر فی دینار ایک برس کے حساب سے ہو جیو تا کہ تم ساڑھے تین سو برس دنیا میں رہو۔

ساتویں صدی عیسوی میں عبد الملک بن مروان خاندان بنی اُمیّہ کے تیسرے خلیفہ نہایت الو العزم بادشاہ تھا تخت نشینی سے پہلے مدینہ منورہ میں علم دین نہایت محنت اور مشقت سے حاصل کرتے رہے اور وہ کبھی مزار پاک سے باہر نہیں نکلتے تھے اس لیے لوگ انہیں مسجد کا کبوتر کہا کرتے تھے۔
ایک مرتبہ ابن ملک بن مروان سے کسی فقیر نے کہا کہ خدا کے واسطے مجھے کچھ خیرات دے؟ جواب دیا کہ مجھ سے کیا مانگتا ہے جا خدا سے مانگ فقیر نے کہا کہ کیا خوب مجھ کو خدا نے تیرے پاس بھیجا ہے اور تو مجھے خدا کے پاس بھیج رہا ہے۔

خلیفہ عبد الملک کے زمانہ میں جمیل اور بثینہ کے حسن و عشق کے چرچے ہو رہے تھے۔ خلیفہ ان کے دیکھنے کا بہت مشتاق ہوا ایک روز بثینہ کو دربار میں طلب کیا تو دیکھا کہ وہ نہایت بدشکل اور بدصورت ہے خلیفہ نے پوچھا کہ جمیل نے تجھ میں ایسی کونسی خوبی دیکھی جو فریفتہ ہو گیا۔ اس نے جواب دیا کہ امیر المومنین! لوگوں نے آپ میں ایسی کونسی خوبی دیکھی جو اپنا خلیفہ بنا لیا۔

عمر ابن العزیز میوے بہت کھاتے تھے ایک روز کسی نے لبنان

www.taemeernews.com

کے سبب بطور سوغات لاکر دیئے۔ خلیفہ نے انہیں لینے سے انکار کیا۔ کسی نے کہا کہ جب رسولؐ اس قسم کے تحفے قبول فرما لیتے تھے تو پھر آپ کیوں انکار فرماتے ہیں۔ جواب دیا کہ اے امیر ابن جابر! یہ تحفے رسولؐ خدا تک تو، واقعی تحفے تھے مگر میرے لیئے تو رشوت میں داخل ہو جاتے ہیں۔

ایک مرتبہ بجلی زوروں سے چمک رہی تھی، سیاہ بادل امنڈ امنڈ کر گرج رہے تھے آندھی نے ایک طوفان برپا کر رکھا تھا اور لوگ مارے خوف کے گھروں میں چھپ رہے تھے اس قیامت خیز سماں کو دیکھ کر خلیفہ نے کہا کہ بھائیو! یہ تو خداء تعالیٰ کے رحم کی کیفیت ہے پھر خدا معلوم اس کا غضب کس بلا کا ہوگا۔

ایک روز خلیفہ نے فرمایا کہ انسان کا دل راز دن کا خزانہ ہے۔ ہونٹ قفل ہیں اور زبان اس کی کنجی ہے اس لیئے ہر شخص کو چاہیئے کہ وہ اپنے خزانہ کی کنجی کی اچھی طرح سے حفاظت کرتا رہے۔

مدینہ کے رہنے والوں کے قصے:۔ کسی آشوریا کے رہنے والے نے ایک مدینہ والے سے پوچھا کہ تمہارے ہاں شراب کا کیا بھاؤ ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ایک درہم میں دو بوتلیں اور چھتر درّے۔

کسی شخص نے ایک مدینہ کے رہنے والے سے پوچھا کہ یہاں کے لوگ، جاڑا کس طرح گزارتے ہیں اس نے جواب دیا کہ امیر لحاف اوڑھ کر اور غریب دانت سے دانت بجا کر۔

ایک مدینہ کا رہنے والا تنگ دستی کے ہاتھوں دہاڑیں مار مار کر رو رہا تھا کسی نے کہا کہ خدا پر بھروسہ رکھو اچھے دن بھی آجائیں گے۔ جواب دیا کہ رونا ہی

www.taemeernews.com

ہے کہ اچھے دن آئیں اور مجھے نہ پائیں ۔

ایک بردہ فروش لڑکی بیچ رہا تھا۔ کسی نے کہا میاں اس کی ٹانگیں تو ٹیڑھی ہیں اس نے جواب دیا کہ قبلہ اس کے سر پر کسی عمارت کا وزن تو ڈالا نہیں جائیگا

کسی عرب نے ایک سستا سا گھوڑا خریدا اور چلتے وقت تاجر سے پوچھا کہ تجھے قسم ہے اس خدائے پاک کی سچ سچ بتا کہ اس گھوڑے میں کوئی عیب تو نہیں ہے ۔ جواب دیا کہ بخدا کوئی عیب نہیں ہے مگر صرف اس کی ران میں ایک کھجور کے برابر زخم ہے پٹھے پر ایک انگور کے دانے برابر گٹھلی ہے اور پیٹ میں ایک چھوٹے تربوز کے برابر رسولی ہے عرب نے کہا او گدھے تو گھوڑے بیچتا ہے یا میوے فروشی کرتا ہے ۔

شاہ پور میں ایک مدرسہ کی تعمیر ہو رہی تھی ۔ گدھوں پر لاد کر اینٹیں آرہی تھیں۔ ایک گدھے کو ہر چند مدرسے کے صحن میں کھینچ کھینچ کر لانا چاہتے تھے مگر وہ ہرگز اندر نہیں جاتا تھا۔ اتنے میں عمر خیام کا گزر ہوا اور انہوں نے اپنے شاگردوں کو مخاطب کرکے کہا ؎

اے رفتہ و باز آمدہ بل ہم گشتہ   ہست ز میاں نامہا گم گشتہ
ناخن ہمہ جمع آمدہ سم گشتہ   ریش از پس پشت بر آمدہ دم گشتہ

اس رباعی کے پڑھنے کے بعد وہ گدھا صحن میں چلا گیا۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ یہ واقعہ کیا ہے ۔ عمر خیام نے جواب دیا کہ اس کی روح پہلے جنم میں اس مدرسہ کی مدرس تھی مرکر پھر حیات پائی تو اس کو اندر جانے سے ڈر معلوم ہوتا ہے ۔

www.taemeernews.com

باقل عنہا تیمہ عرب کا مشہور احمق تھا ایک مرتبہ اس کو یہ کہنا تھا کہ اس کے پاس اکیس بھیڑیں ہیں۔ لفظ اکیس بھول گیا۔ اظہار مطلب کے لئے دسوں ہاتھ کی انگلیاں اور دسوں پاؤں کی انگلیاں پھیلا کر زبان باہر نکال دی۔

حمزہ بن بیعں (عرب کا مشہور احمق) نے ایک روز اپنے بیٹے سے پوچھا کہ بیٹا تجھے یاد ہے کہ اصافہ میں میں نے جمعہ کی نماز کس روز پڑھی تھی اس نے سوچ کر جواب دیا کہ شاید منگل کو پڑھی تھی۔

ایک عورت نے متوکل کے زمانہ میں نبوت کا دعویٰ کیا۔ متوکل نے پوچھا کہ کیا تو رسول پر ایمان لائی ہے؟ کہا ہاں! متوکل نے کہا کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ "لا نبی بعدی" عورت نے کہا مگر یہ تو نہیں فرمایا کہ لا نبیۃ بعدی۔

ایک روز خلیفہ متوکل نے کسی پرندے کو تاک کر ایک تیر مارا تیر خالی گیا اور پرندہ اڑ گیا وہیں ایک عرب کھڑا تھا اس نے بے ساختہ کہا کہ مرحبا! خلیفہ نے مڑ کر کہا کہ تجھے معلوم نہیں کہ خدا نے اس قسم کی جھوٹی تعریف کرنے کی ممانعت کی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے آپ کی تعریف نہیں کی بلکہ اس پرندے کی تعریف کی ہے جو آپ کا تیر خالی دے کر اڑ گیا۔

ایک مرتبہ خلیفہ مہدی شکار کھیلتے کھیلتے اپنے ہمراہیوں سے بچھڑ گئے ایک اعرابی کے خیمہ کے پاس آئے اور کہا کہ اے شخص میں بھوکا ہوں کچھ کھانے کو دے اعرابی روٹی لایا۔ مہدی نے خوب پیٹ بھر کر کھائی اعرابی نے پھر تھوڑا سا دودھ اور نبیذ پیش کیا جیسے مہدی نے دو چار گلاس پی کر کہا کہ تو جانتا ہے کہ

www.taemeernews.com

میں کون ہوں ؟ اعرابی نے جواب دیا کہ نہیں ! کہا کہ میں امیر المومنین کا ایک خاص ملازم ہوں ۔ اعرابی نے کہا کہ بارک اللہ خدا آپ کو ترقی دے ۔ پھر مہدی نے ایک اور تبید کا پیالہ پیا اور پوچھا کہ تو جانتا ہے کہ میں کون ہوں ؟ اعرابی نے کہا کہ آپ امیر المومنین کے ایک خاص ملازم ہیں ۔ خلیفہ نے کہا کہ نہیں بلکہ میں امیر المومنین کا ایک بڑا افسر ہوں ۔ اعرابی نے کہا کہ ماشاء اللہ خدا آپ کے مرتبہ کو اور بڑھائے اور آپ کی مرادیں پوری کرے ۔

پھر خلیفہ نے تیسرا پیالہ پیا اور کہا کہ اعرابی تو جانتا ہے کہ میں کون ہوں کہا ابھی آپ نے فرمایا کہ میں امیر المومنین کا بڑا افسر ہوں خلیفہ نے کہا نہیں ! بلکہ میں خود امیر المومنین ہوں سن کر اعرابی نے تبید کا گھڑا جلدی سے اٹھا لیا اور کہا کہ اب آپ یہاں سے جلد تشریف لے جائیے ورنہ چوتھا پیالہ پینے کے بعد آپ یقیناً فرمائیں گے کہ میں رسول اللہ ہوں ۔

محمد مہدی اپنے والد ابو جعفر منصور کے مرنے کے بعد ۱۵۸ھ میں تخت نشین ہوا اور یہ خلفائے بنی عباسیہ سے تیسرا خلیفہ تھا ۔ مہدی عادات و اطوار میں اپنے باپ کا بالکل عکس تھا اس کے دور خلافت میں حکیم المقنع نامی نے خدائی کا دعوے کیا تھا اس نے اپنے علمی کمالات سے چاہ نخشب میں سے ایک مصنوعی چاند نکالا تھا ۔ جس کی روشنی ۲ میل تک پہونچی تھی ۔

ایک مرتبہ ابو دلامہ مہدی کے دربار میں حاضر ہوا وہاں اسمٰعیل بن علی ، عیسیٰ بن موسیٰ اور دیگر اہلیان بنی ہاشم جمع تھے ۔ مہدی نے ابو دلامہ سے کہا کہ ان لوگوں میں سے جو یہاں اس وقت موجود ہیں ۔ کسی کی ہجو کہو ورنہ تیری زبان کٹوا دوں گا ۔ ابو دلامہ نے سب کو ایک حسرت بھری نگاہ سے دیکھا اور سناٹے میں آگیا مگر اس کو سخت تعجب ہوا جب اس نے یہ دیکھا کہ ہر شخص اشارہ کر رہا ہے کہ ہجو کہو

www.taemeernews.com

اس حالت میں اس کو یہی مناسب معلوم ہوا کہ خود اپنی ہجو کہے۔ اور فی البدیہہ یہ نظم کہی ابو دلامہ سے کہہ دو کہ تو شرافت اور بزرگی سے بالکل عاری ہے۔ تجھ میں بدصورتی اور ذلت دونوں جمع ہیں جب تو عمامہ باندھتا ہے تو بندر معلوم ہوتا ہے اور جب اتار ڈالتا ہے تو سور معلوم ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ خلیفہ منصور کے چہرے پر مکھی بیٹھی اس نے اڑا دی وہ پھر آ بیٹھی خلیفہ نے پھر اڑا دی وہ پھر آ بیٹھی خلیفہ نے جھنجلا کر سلیمان نصیر کے جانب مخاطب ہو کر کہا کہ خدا کو مکھی پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس نے جواب دیا۔ امیرالمومنین، خدا نے مکھی کو منکروں کا غرور توڑنے کیلئے پیدا کیا ہے۔

ابو جعفر الملقب بہ منصور خلفاء بنی عباسیہ میں سے بغداد کا دوسرا خلیفہ تھا۔ عبداللہ الصالح خلفاء عباسیہ کے مورث اول ۷۵۳ء و ۱۳۶ھ میں خلیفہ مقرر ہوا۔ یہ بڑا سخت گیر نہایت بخیل اور کنجوس تھا۔

بے وقوفوں کے قصوں میں ایک عربی قصہ اس قدر مشہور ہوا کہ تقریباً ہر قوم اور ہر ملک نے پسند کیا۔ اور کچھ تغیر کے ساتھ اپنا لیا ہے۔ جرمن میں وہ ڈرامہ کی شکل میں تبدیل کیا گیا اور وہ (DORTEISH IST GREDECKT) کے نام سے مشہور ہے اور انگریزی زبان میں FOLES MAKE FAMILY کے نام سے اس کا ڈرامہ تیار کیا گیا ہے۔ عربی کا اصل قصہ یہ ہے کہ ایک صاحب کی شادی ہوئی قسمت دیکھئے کہ دولہا، دلہن دونوں بے وقوف تھے۔ دولہا میاں نے اپنے یار دوستوں کو دعوت دی آدھی رات تک ناچ گانے ہوتے رہے۔ جلسہ ختم ہوا دولہا میاں اپنے یار دوستوں کو رخصت کر کے واپسی پر دروازہ بند

www.taemeernews.com

نہیں کھلا۔ میاں بیوی سے کہا دروازہ بند کردو۔ بیوی نے میاں سے کہا تم بند کردو۔ میاں نے کہا یہ تمہاری غلطی ہے۔ بیوی نے کہا کہ تمہاری غلطی ہے

بیوی نے کہا میں دروازہ بند نہیں کروں گی اُسے تمہیں بند کرنا ہوگا۔ میاں نے کہا تم بیوقوف ہو۔ بیوی نے کہا تم بیوقوف ہو۔ میاں نے کہا مگر اب یہ بولو کہ یہ دروازہ کون بند کرے گا۔ بیوی نے کہا اچھا آپ جو منہ سے پہلے بولے گا وہ دروازہ بند کرے پھر کیا تھا دونوں کے دونوں اپنا اپنا منہ بند کرکے بیٹھ گئے۔

اب سنیئے ادھر سے ایک چور گزرا۔ دروازہ کھلا ہوا دیکھ کر اندر آیا دیکھا کہ میدان خالی ہے نہایت اطمینان سے سامان سمیٹنا شروع کردیا۔ میاں بیوی دونوں نے چور کو دیکھا۔ چور پھرتا پھراتا اس کمرہ میں بھی آیا جہاں یہ دونوں بیٹھے ہوئے تھے مگر دیکھا کہ دونوں بت بنے ہوئے بیٹھے ہوئے ہیں اس کو ایسے عقل کے اندھے اور گانٹھ کے پورے کہاں ملتے تھے دونوں کے نیچے سے دری کھینچی قیمتی زیور اتارا مگر ان دونوں خدا کے بندوں نے اپنے فیصلہ کے خلاف چوں تک نہیں کی۔

صبح کے وقت ایک پولیس آفیسر صاحب مع اپنے ساتھیوں کے گشت کرتے ہوئے آنکلے گھر کا دروازہ کھلا ہوا دیکھ کر اندر دندناتے ہوئے چلے آئے دولہا دولہن کے کمرے میں آئے وہاں دیکھا کہ ایک مرد اور ایک عورت بچوں کی طرح ایک دوسرے کو گھور رہے ہیں۔ پولیس افیسر نے واقعات پوچھے مگر جواب ندارد وہ بار بار پوچھتا تھا اور یہ دونوں ایک کان سے سنتے تھے اور دوسرے کان سے اڑا دیتے تھے۔ آخرکار پولیس آفیسر نے جھنجلا کر کہا کہ ان دونوں کو کوڑے مارو مگر وہ بے وقوف کوڑے کھا کر بھی کچھ نہ بولے آخرکار ایک شخص کو حکم دیا کہ تلوار سے اس مرد کی گردن اڑا دے اس نے گردن اڑانے کیلئے تلوار میان سے کھینچی اور ڈرانے کیلئے اپنا ہاتھ اٹھایا عورت آخر عورت تھی۔ گھبرا کر بولی کہ خدا کے

www.taemeernews.com

واسطے اسے نا مارو یہ تو میرا شوہر ہے۔ بیوی کی آواز سن کر شوہر کے چہرہ پر خوشی کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ مارے خوشی کے باچھیں کانوں تک کھل گئیں ہنسی باہر نکل آئی، تالیاں بجا بجا کر ناچنے لگا اور کہنے لگا کہ دیکھو میں آخر تک نہیں بولا۔ پولیس افسر نے تمام واقعات سنے اور لعنت ملامت کر کے چلتا بنا۔ عورت کو ہار ماننا پڑی اور سارا گھر لٹوا کر اپنی جگہ سے اٹھی اور گھر کا دروازہ بند کر کے سو رہی۔

حافظ نے ایک کتاب لکھی تھی جس میں معلموں کے متعلق بہت سے قصے جمع کئے تھے آخر میں اس نے خیال کیا کہ ان قصوں کو تلف کر دے اور ان بے چاروں کو بدنام نہ کرے مگر اتفاق سے پھر کسی شہر میں گیا اور وہاں ایک معلم سے گفتگو ہوئی تو اس نے اپنے اس ارادہ کو ترک کیا اور ان واقعات کو لکھنا ضروری سمجھا وہ لکھتا ہے کہ ایک مرتبہ میں گلی میں سے گزر رہا تھا دیکھا کہ وہاں ایک معلم صاحب کھڑے ہوئے کتے کی بولی بول رہے ہیں میں وہاں ٹھہر گیا اور دیکھا کہ ایک لڑکا اس کی آواز سن کر اپنے گھر سے نکلا جوں ہی لڑکا باہر آیا معلم نے اس کا گریبان پکڑ کر زور زور سے طمانچے مارنے شروع کر دیئے میں نے اس کا سبب دریافت کیا معلم نے کہا کہ یہ بڑا بدمعاش لڑکا ہے۔ پڑھنے سے جی چراتا ہے اور ہمیشہ گھر میں رہتا ہے۔ اس کے پاس ایک کتا ہے اور اس سے یہ ہمیشہ کھیلتا رہتا ہے اس وقت اس نے میری آواز سن کر خیال کیا کہ اس کا کتا بھونک رہا ہے۔ لہٰذا یہ نکل آیا اور میں نے اس کو اس کی بدمعاشی کی سزا دی۔

ایک موقعہ پر انہوں نے لکھا ہے کہ میں ایک مکتب میں گیا دیکھا کہ معلم صاحب اکیلے بیٹھے ہوئے ہیں میں نے پوچھا کہ لڑکے کہاں ہیں جواب دیا کہ گلی ڈنڈا کھیل رہے ہیں۔ میں نے کہا ان کو دیکھنا چاہتا ہوں معلم نے کہا کہ ان کو دیکھ کر آپ کیا کیجیئے گا

www.taemeernews.com

میں نے کہا کہ میں ان کو ضرور دیکھوں گا کہا اگر آپ کا ایسا ہی جی چاہتا ہے تو گلی میں جائیے۔ مگر اپنا سر اور چہرہ چھپا لیجئے ورنہ لونڈے آپ کو معلم خیال کریں گے تو پھر دیکھئے اس وقت آپ کا کیا حال بنا ڈالیں گے۔

ایک شخص نے ایک معلم کو دیکھا کہ عصر کی نماز پڑھ رہا ہے جب وہ رکوع میں گیا تو اس نے اپنی دونوں ٹانگوں کے بیچ میں سے سر نکال کر لڑکوں کو دیکھا کہ وہ کھیل رہے ہیں۔ جو اُن میں زیادہ شرارت کر رہا تھا۔ اس سے مخاطب ہو کر کہا ابے او بدمعاش لونڈے میں نے تجھ کو اچھی طرح دیکھ لیا ہے ذرا نماز سے فارغ ہو جاؤں تو پھر دیکھ تیری کیسی گت بناتا ہوں۔

www.taemeernews.com

پرانے ناٹک

اندر سبھا سے پہلے

ہندستان کیلئے ڈراما یا ناٹک کوئی نئی چیز نہیں۔ یہ تو ہمارے دیش کا پرانا فن ہے آج سے دو ہزار سال پہلے بڑے بڑے تہواروں اور جاتراؤں میں راجہ مہاراجہ کے درباروں اور محلوں میں بڑی شان و شوکت اور تزک و اہتمام کے ساتھ ناٹک کھیلے جاتے تھے بڑے بڑے پنڈت اور ودھوان، بڑے بڑے آرٹسٹ اور کلاکار اس میں حصہ لیتے تھے اور خراج تحسین حاصل کرتے تھے کالی داس اور بھاش کے ڈرامے اس زمانے کی یادگار ہیں۔ اب تک فن کار جس کے راگ گاتے اور رھس دھاڑی قصے سناتے رہتے ہیں۔

جب لکھے پڑھے اور شریف لوگوں نے اس فن سے ہاتھ اٹھایا تو جاہلوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ پھر کیا تھا۔ بہروپیوں اور گویوں نے چھوٹی چھوٹی منڈلیاں اور ٹولیاں بنائیں۔ شہر شہر گاؤں گانوں، گھر گھر اور در در چکر لگانے شروع کر دیئے جہاں چار لوگوں کو اکٹھا پایا وہیں اپنا کھاڑا جمایا۔ منہ پر سن کی داڑھیاں یا منڈھوں کے بال چپکا لیئے اور بے وقت کی راگنی الاپنی شروع کر دی۔ کچھ بہروپ بہرا کچھ نقالی اور کچھ فحش اور پھکڑ پنے کے قصے سنا دیئے چلو تماشہ ختم پیسہ ہضم

آج سے سو دو سو سال پہلے دہلی اور لکھنؤ میں دو چیزوں کا بہت زور تھا۔ ایک تو نقالی اور دوسری رھس۔ اس فن کے دو گروہ ماہر مانے جاتے تھے۔ ان

www.taemeernews.com

میں ایک ٹولی تو کشمیری بھانڈوں کی تھی اور دوسری کتھک اور رھس دھاڑیوں کی تھی جن کا تعلق اجودھیا اور برج سے تھا۔ مثل مشہور تھی کہ مولد سے وہ محفل کہ جہاں بھانڈ زباشد۔ ہر محفل ہر جلسہ، ہر تقریب اور ہر تہوار میں ان کا آنا برحق تھا۔ ان میں کریلا، کیا خوب، کھلونا اور بادشاہ پسند کی ٹولیاں بہت مشہور تھی۔ ہر ایک ٹولی میں ایک نوخیز اور خوش رو ضرور ہوتا تھا جو عورتوں کی طرح جوڑا باندھے کنگھی چوٹی سے درست، سرمہ مسی لگائے اور کیلی کانٹے سے لیس پاؤں میں گھنگرو باندھ کر ناچتا تھا اور اپنی پھرتیلی اداؤں اور غیر معمولی چلت پھرت سے محفل میں گرمی جوش اور تازگی پیدا کر دیتا تھا۔ آخر میں بھانڈ بذلہ سنجی اور نقالی کے کمال دکھاتے تھے اور ناشائستہ ریمارک فحش قصوں اور خلاف تہذیب مکالموں سے اہل محفل کے دلوں کو گدگداتے اور لوگوں کو ہنساتے رہتے تھے۔

رھس دھاڑیوں کے طائفوں کا بھی قریب قریب یہی رنگ تھا مگر ان کا ناچ معیاری ہوتا تھا۔ ان کی چلت پھرت، توڑے اور ٹکڑے دیکھنے کے قابل ہوتے تھے جتنے گھنگرو چاہتے بجاتے اور جس چیز کو چاہتے سو سو دلفریب اداؤں اور دلکش اشاروں میں بتاتے تھے نواب واجد علی شاہ کو ناچ گانے میں کمال حاصل تھا ان کا نام آتا تو اچھے اچھے کتھک اور گویئے اپنے کان پکڑ لیتے تھے۔ اسی طرح وہ زبردست کوی بھی تھے اور لکھیت بھی۔ خود رھس لکھتے تھے اور قیصر باغ میں جب وہ رھس کھیلنے جاتے تھے تو خود بدولت ہی ہیرو کا پارٹ کرتے تھے۔ یہ رنگ دیکھ کر مشہور مشہور فن کار، کتھک اور رھس دھاڑیوں کی ٹولیاں لکھنؤ میں سمٹ آئی تھیں اور لکھنؤ بقول شخصے راجہ اندر کا اکھاڑا بنا ہوا تھا۔

اس زمانے میں لکھنؤ میں نئے نئے رھس تیار ہوتے تھے جن میں دیو اور پریوں کے عاشقانہ قصوں کے خیالی پلاٹ بنا کر اداکاری کے ذریعہ دکھانے کی،

www.taemeernews.com

کوشش کی جا رہی تھی۔ امانت نے لوگوں کی بڑھتی ہوئی دلچسپیاں دیکھیں تو فوراً قلم اُٹھایا اور اِدھر اُدھر سے پلاٹ لیکر ۱۲۷۰ھ میں ایک جلسہ یا رہس تیار کیا۔ یہ گویا ہندوستانی زبان کا پہلا ڈراما تھا۔ یا یہ کہو کہ اردو ڈرامے کی داغ بیل تھی اب اس ڈرامے کو اسٹیج کرنے کی سوجھی۔ بھلا اداکاروں کی کیا کمی تھی۔ ایک سے بڑھ کر ایک فن کار اور اچھے سے اچھا اداکار آ موجود ہوا۔ ریہرسلس ہوئیں اور بڑے انتظار کے بعد خدا خدا کرکے یہ ڈراما کھیلا گیا۔ اسٹیج ایک بڑے چبوترے کی طرح تھا۔ تین طرف سے بند اور سامنے ایک خوش رنگ پردہ تنا ہوا تھا۔ یہ گویا ڈراپ سین تھا۔ اس پردے کے آگے تماشہ بین بیٹھتے اور پیچھا اداکار کھیل کا منٹے سے لیس ہوکر کھڑا رہتا تھا سب سے پہلے ایک صاحب تشریف لاتے اور ضروری اعلان کردیتے، پھر پردہ اُٹھتا۔ پہلے اداکار جھک کر حاضرین کو کورنش بجالاتا اور اپنا تعارف کراتا۔ اس کے بعد طبلہ پر تھاپ پڑتی اور بین، تنبورہ، ستارہ سارنگی، رباب اور قانون سے طرح طرح کے نغمے نکلنے لگتے۔ محفل رقص و سرود گرم ہوتی اور دلکش تانوں اور ساز کی صداؤں سے فضا گونج اُٹھتی۔ اس کے بعد اداکار اپنا پارٹ شروع کرتا۔ ادھر پارٹ ختم ہوتا اور ادھر پردہ کھینچ دیا جاتا تھا

تماشہ دیکھنے کے لئے خلقت ٹوٹ پڑتی تھی۔ لوگوں کو یہ سبھا اس قدر پسند آئی کہ چند روز تک وہ اپنے دھندے بھول گئے، گویوں کے بازار ٹھنڈے پڑ گئے اور نقالوں، بھانڈوں اور رہس دھاریوں کے ہاتھ پاؤں سرد ہو گئے اور دماغ چکرا گئے۔ ہر شخص کے سر پر پریوں کا سایہ اور اندر سبھا کا دیو سوار تھا جسے دیکھو سبز پری اور نیلم پری کے راگ گاتا نظر آتا تھا۔ یہ کیفیت دیکھ کر یار لوگوں کے پیٹ میں چوہے دوڑے۔ اندر سبھا کی ٹکر پر لوگ دھڑا دھڑ نئی نئی سبھائیں بنانی شروع کر دیں اور ہر شخص اپنی ایک نئی ناٹک کمپنی قائم کرنے کی دھن میں پڑ گیا کئی سبھائیں لکھی گئیں

www.taemeernews.com

مگر وہ سب کی سب سبھائیں چند ہی روز میں غائب ہوگئیں۔ لیکن ان باتوں سے اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ عوام کو ناٹک دیکھنے کا شوق ہوگیا، لوگوں کو ڈراما لکھنے کا ذوق ہوگیا اور ناٹکوں کی بنیاد پڑنی شروع ہوگئی۔ لیکن دیکھا جائے، تو ہمارا ناٹک برابر قلا بازیاں پر قلا بازیاں کھا رہا ہے اور بجائے آگے بڑھنے کے پیچھے ہٹتا چلا جا رہا ہے۔ اس لئے کہ ابتدائی دور میں پاکیزہ اور قابل احترام ڈرامے لکھے گئے اور ان کی اداکاری میں عالم و فاضل لکھے پڑھے اور اونچے طبقے کے لوگ حصہ لیتے رہے۔ اس کے بعد جو غوطہ کھایا تو دیو اور پریوں کے حسن و عشق کے قصوں پر اتر آیا اور اس کی اداکاری کیلئے پکے گویئے اور خاندانی رقاصوں کی ضرورت پڑی۔ کچھ روز کے بعد دیو پریوں کے افسانوں اور خیالی قصوں سے لوگوں کی طبیعت اکتا گئی اور عوام کی دلچسپیاں گھٹنے لگیں تو پھر یاروں نے خود اپنے واقعات اور عشق و عاشقی کے ناٹک لکھنے شروع کر دیئے جس میں بے تکی شاعری، بازاری مذاق اور ادنیٰ قسم کا ناچ گانا تھا۔ یہ ناٹک لکھنے کیلئے پڑھے لکھے لوگوں کی، ضرورت تھا نہ ہی اور نہ اداکاری کیلئے تعلیم یافتہ آدمی کی حاجت

کچھ عرصے کے بعد آہستہ آہستہ جگہ جگہ سبھائیں اور ناٹکیں قائم ہونی شروع ہوگئیں بہاری لال کی سبھائیں لکھنؤ میں بے نظیر کمپنی، آگرہ اور علی گڈھ میں بھارت ودیا کل کمپنی، میرٹھ میں البرٹ تھیٹریکل کمپنی، پنجاب میں جمعدار کمپنی امپریل کمپنی اور خدا معلوم کون کون سی کمپنیاں کھلیں جنکا مقصد ناٹک یا ڈرامہ میں کوئی خوبی پیدا کرنا یا اصلاح کرنا نہیں تھا بلکہ محض تفریح تفنن طبع اور روپیہ کمانا تھا۔ پھر کیا تھا ڈراما نویس اور اداکار برساتی مینڈکوں کی طرح ابل پڑے جسے دیکھو اڑھی مونچھ منڈ لیئے، کانوں کی لو تک قلمیں بنائے، سر کے بال بڑھائے اور ایکٹروں کی صورت بنائے ہوئے نظر آنے لگا۔ لکھے پڑھے

www.taemeernews.com

اور شریف گھرانے کے لوگ تو اداکاری اور تھیٹر کی نوکری سے کوسوں دور بھاگتے تھے ہاں جاہل، آوارہ گرد اور ڈوم ڈھاڑیوں کیلئے یہ میدان کھلا ہوا تھا۔ ان میں، اگر کوئی خوش رو اور خوش گلو لڑکے مل جاتے تو پھر تو پو بارہ تھے ورنہ یار لوگ ان کے منہ پہ پوڈر تھوپ تھوپ کر اس کمی کو پورا کر دیا کرتے تھے۔ یہ لڑکے حمد گاتے دربار وغیرہ میں ناچتے اور حسب ضرورت چھوٹے موٹے زنانے پارٹ بھی کر لیا کرتے تھے۔ بڑی عمر کے لوگ عاشق، رقیب اور اسی قسم کے دوسرے پارٹ ادا کرتے اگر کسی ایکٹر کا شین قاف درست ہوتا یا کچھ لکھا پڑھا ہوتا تو پھر کیا کہنے ہیں وہ تو ادھوں میں کا نا راجہ تھا۔ ورنہ جو ذرا ناچ گانا جانتا داؤ پیچ، بانک بنوٹ سے کچھ واقف ہوتا تو بس بہترین اداکار سمجھا جاتا تھا۔ جب تماشہ میں لڑائی کا سین آتا وہ ایک ایک کر تلوار کی چھینک تباتا تھا، جھگڑے نپٹنے کے وقت لٹھ چلاتا اور پینترے بدل بدل کر خوب ڈنڈے گھماتا تھا اور تماشہ بین بچوں کی طرح دیدے پھاڑے ہوئے اس کی چلت پھرت، غور سے دیکھتے تھے اور واہ واہ کے نعرے لگاتے رہتے تھے۔ بعض نوجوان جن کے خدوخال ٹھیک اور نک سک سے درست ہوتے اور مٹکنا چٹکنا جانتے انہیں ہیروئی اور اونچے قسم کے پارٹ دیئے جاتے یہ لوگ ڈاڑھی مونچھ منڈا کر کنگھی چوٹی سے لیس ہو کر بڑے ناز نخرے سے جھم جھم کرتے ہوئے اسٹیج پر آتے بعض کمپنیوں میں تو چیف ایکٹر اداکاری کے ساتھ ساتھ ڈرامانویسی کے فرائض بھی انجام دے لیتا تھا۔ سچ پوچھو تو وہ ڈرامے کی دم بھی نہیں جانتا تھا پھر کیا کرتا تھا۔ مختلف زبانوں کے ڈرامے سامنے رکھ کر سین قائم کرتا اور تک بندی کرتا رہتا تھا۔ یا کسی قصے کی بھی گردن توڑ مروڑ کر ایک نیا قصہ گھڑ لیتا یا اس قصے کو الٹ پھیر کر کے عبارت میں ڈھال کر جا بجا موقع بے موقع گانے ٹھونس دیتا تھا۔ لیجئے یہ ڈراما تیار ہو گیا۔ مثلاً اس زمانے کے ایک مشہور ڈراما "سحر سامری جمشید"

www.taemeernews.com

کی مثال سنئے۔ اسے مرزا نظیر بیگ نے لکھا ہے جو لاسٹ آف انڈیا کے اداکار تھے۔ اپنے ڈرامے کے دیباچے میں فرماتے ہیں۔

"شائقین کی خدمت میں التماس کرتا ہے کہ میں نے یہ ناول ایک بہت پرانی کتاب طلسمات سحر سامری سے لیا ہے اور اسی میں موقع موقع سے چند سین پُرمذاق زیادہ ڈال کر گانے اور ڈرامے مقفیٰ عبارت میں بہت کوشش اور جانفشانی کے ساتھ بنا بنا کر شامل کیے ہیں"

یہ تھی جناب کی اسکیم اور یہ تھا جناب کے دیباچے کا خلاصہ اور یہی وہ ڈرامے تھے جو نانک کیے جاتے تھے ان کے دو چار نام بھی سن لیجئے۔ کنک تارا، ماہی گیر، خاندان شیطان، ابوالحسن، پوایس ناکر اور طلسمی تپلا وغیرہ۔ ڈرامے بہت تھے مگر وہ طباعت کے زیور سے آراستہ ہوکر شائقین کے ہاتھوں تک نہ پہونچتے تھے بلکہ ڈراما نویس یا چیف ایکٹر والا کے سینوں میں محفوظ رہتے تھے۔ اگر خدا نخواستہ وہ چھپ جاتے تو ورد کا ٹھیکہ ان کے ہاتھ سے چھین جاتا اور پھر کوئی انہیں کوڑی کو بھی نہیں پوچھتا۔ مجھے ایک واقعہ یاد آیا۔ لگے ہاتھوں وہ بھی سن لیجئے۔ ایک جاگیردار صاحب کسی منشی جی سے فارسی پڑھتے تھے لیکن دم بخود کو ہمیشہ دم بجود کہتے تھے کسی نے کہا منشی جی یہیں جاگیردار صاحب سے تو کہنے کی جرأت نہیں ہوتی آپ اس غلطی کی اصلاح کر دیجئے۔ منشی جی نے کہا بھائی جاگیردار صاحب کی یہی غلطی تو میری زندگی کا سہارا بنی ہوئی ہے اگر ان کی اصلاح ہوگئی تو پھر مجھے کون پوچھے گا۔ غرض یہ کہ دم بجود کہتے کہتے جاگیردار صاحب کا دم بجود ہوگیا۔ اب آپ فرمائیے اگر وہ اپنا ڈراما چھپوا دیتے تو چیف ایکٹر اور منشی جی کی کس کو ضرورت رہتی۔

اب ذرا مکالمہ یا بات چیت کی کیفیت بھی سن لیجئے۔ ڈرامہ میں عالم سے لے کر جاہل ترک اور بچے سے لے کر بوڑھے تک مقفیٰ عبارت میں بات چیت ہوتی تھی

www.taemeernews.com

پھر تو ایکٹروں کے ساتھ ساتھ بعض اوقات شعروں میں بات چیت ہونے لگتی ہے بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیت بازی ہو رہی ہے ۔ پھر گانا الگ ہوتا ہے ۔ اس کی تو یہ کیفیت ہے کہ ملازم بھی گاتے ہیں، بیگم صاحب بھی گاتی ہیں ۔ غصہ میں بھی گاتے ہیں ۔ غم میں بھی گاتے ہیں ۔ خلوت میں گاتے ہیں اور جلوت میں گاتے ہیں ۔ شہزادی بھی گاتی ہے، بادشاہ سلامت بھی گاتے ہیں ۔ نزع کی حالت طاری ہے مگر گانا جاری ہے ۔ بلکہ مرتے مرتے دو تین گٹکریاں اور تانیں لے کر ہی دم توڑتے ہیں ۔

آج کل ہم جو باہر کے ناٹک دیکھتے ہیں تو ان میں عام طور پر رنگے ہوئے پردے ہوتے ہیں تاکہ واقعات کی ہو بہو تصویر کھینچی جائے ایکٹر بھی اس زمانے کا لباس پہنتے ہیں ۔ پردے پر عمارتیں بھی اسی زمانے کی ہوتی ہیں جس زمانے کے واقعات اس ڈرامے میں بنائے گئے ہیں ۔ پھر رنگ برنگ کی روشنی اسٹیج اور اداکاروں پر ڈالتے ہیں جن سے مختلف جذبات متحرک ہوتے رہتے ہیں ۔ مگر ہمارے پرانے ناٹکوں میں تو یہ کیفیت تھی کہ قصہ تو ایرانیوں کا ہوتا ہے اور اداکار یونانی لباس پہن کر نکلتے ہیں ۔ پاؤں میں پنجابی جوتے رہتے اور پردوں پر ہندوستانی سین ہوتے ہیں ۔ بابا آدم کے زمانے کا قصہ ہے اور پردہ پر تاج محل آگرہ بنا ہوا ہے، رستہ پر موٹریں بھی چل رہی ہیں اور بائیسکلیں بھی چلی جا رہی ہیں ۔ اسٹیج پر کنٹن لٹکتے رہتے تھے جو بعض اوقات تیل کی کمی اور ہوا کے جھونکوں سے کبھی بھڑکتے تھے اور کبھی خاموش ہو جاتے تھے ۔ اداکار پسینے میں شرابور رہتا اور اس کے چہرے سے پوڈر اور روغن بہتا رہتا تھا ۔ کبھی تو اس کا چہرہ دکھائی دیتا اور کبھی چراغ گل اور پگڑی کا غائب کا معاملہ پیش آ جاتا ۔ مگر اندھیرا ہو یا اجالا وہ برابر گلا پھاڑ پھاڑ کر چیختا رہتا اور ڈرامے کو زیادہ سے زیادہ بناوٹی اور مصنوعی بناتا رہتا تھا ۔ ادھر ڈراپ گرا اور ادھر چیف ایکٹر صاحب تشریف لاتے اور کڑک کر فرماتے ۔ دو معزز شائقین ! آج کا ڈرامہ بعد ایک ڈراپ سین کے ختم کیا جائے

www.taemeernews.com

گا اور کل ہمارا مشہور و معروف ڈراما "اندر سبھا" نئے سین سینریز کے ساتھ موزوں برقی پوشاکوں کے آپ کی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔ جس میں چھپن چھری، سبز پری، گینڈے خاں، لال دیو اور ہمارے لال بانکے گلفام کا پارٹ انجام دیں گے۔ جس طرح آج آپ تشریف لائے کل بھی تشریف لائیے اور کمپنی ہذا کو مشکور فرمائیے!"

لیجئے ادھر ان کا ڈراما ختم ہوا اور ادھر میں اپنا مضمون ختم کرتا ہوں۔

اندر سبھا کے بعد

اندر سبھا اسٹیج ہونے کے بعد بیسیوں سبھائیں لکھی گئیں اور اسٹیج ہوئیں۔ جب ان سبھاؤں سے لوگوں کی دلچسپیاں بڑھنے لگیں تو اُسے بھانڈ، بہروپیے اور نقال لے اُڑے۔ چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بنا کر چکر لگاتے، جہاں موقع پاتے راجہ اِندر کا اکھاڑا جما دیتے اور کھلے میدان میں لال دیو، گلفام اور پریوں کو اُتار کر تماشے دکھاتے اور خوب روپیہ کماتے پھرتے تھے۔ یہ تماشہ دیکھ کر بعض رنگین مزاج لوگوں کے مُنہ میں پانی بھر آتا۔ انھوں نے بھی اِدھر اُدھر سے روپیہ بٹورا اور اپنی اپنی منڈلیاں بنا، ان ہی ڈوم ڈھاڑیوں کو اپنی کمپنی میں نوکر رکھ لیا۔ وہ ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں اور ایک ضلع سے دوسرے ضلع میں گشت کرنے لگے۔ جہاں موقع پاتے وہیں اپنے ڈیرے ڈال دیتے اور بستی سے ذرا فاصلے پر کوئی اچھا مقام دیکھ کر زمین

www.taemeernews.com

کو ہموار کرتے اُس کے بعد ہی ایک لمبا چوڑا گڑھا کھود تے اور اُس گڑھے کی مٹی کو اوپر والے حصّے میں ڈال دیتے۔ اب اس ہموار میدان کو اسٹیج بنا کر ڈراما کھیلتے فرسٹ اور سکنڈ کلاس والوں کو گڑھے میں ڈال دیتے اور اُن کے سر پر یعنی اونچے مقام تھرڈ کلاس قائم کرتے جس درجہ کے لوگ چونی والوں کے نام سے مشہور رہیں ان کے پاس دس پانچ پردے بھی ہوتے جن پر رنگ تھوپ کر نئے سیدھے سین بنا لیتے تھے جن میں نہ تو پرسپیکٹیو ہوتا تھا اور نہ کوئی کلر اسکیم لیب اندر سبھا ہو یا بیٹھا زہر بکر عشق ہو یا عشق پیچاں، ان تمام تماشوں کو بس اُن ہی گنتی کے پردوں پر کھینچے رہتے تھے۔ پھر تماشا جتنا لمبا ہوتا دیکھنے والے اتنے ہی زیادہ خوش ہوتے تھے اور اس کھیل کی تعریف کرتے تھے آج سے چالیس پچاس سال پہلے میں بھی اس قسم کے ایک ناٹک میں گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اندر سبھا ہو رہی ہے۔ گلفام تو خیر گلفام ہی تھا مگر سبز پری کے چہرے پر کھونٹیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ کوئی ساڑھے نو بجے تماشہ شروع ہوا۔ جھولے پر بٹھا کر پریاں اُتاری گئیں، وہ خوب گائیں، خوب ناچیں، گلفام گلا پھاڑ پھاڑ کر چیخا، لال دیو اور کالے دیو نے منہ سے رال کے شعلے اُڑائے اور ٹھمک ٹھمک کر خوب بھاؤ بتائے۔ اللہ اللہ کر کے تماشہ ختم ہوا اور جب میں گھر پہونچا تو اس وقت مرغ اذان دے رہے تھے۔ جس زمانے میں ہمارے یہاں یہ گئی کھیل رہے تھے اس زمانے میں کلکتہ اور بمبئی جیسے بڑے بڑے شہروں میں انگریزوں کی تفریح کیلئے سرکس تھیٹر اور اوپرا بھی ہوتے تھے جہاں آرکسٹرا کے آرٹسٹ باضابطہ ڈریس پہنے، ہاتھوں میں آلات موسیقی لیئے اپنے کمال دکھاتے اور جاں فزا نغموں سے فضا کو خوشگوار بناتے رہتے تھے اُن کے اسٹیج کا رکھ رکھاؤ نشست کے انتظام بہ دے، لباس اور اداکاروں کے میک اپ دیکھ کر لوگوں کی آنکھیں کھلیں پارسی، تعلیم یافتہ اور

www.taemeernews.com

شوقین تھے۔ لندن اور پیرس سب ہی آتے جاتے رہتے تھے۔ پھر تجارتی معاملات میں اُن کی طبیعت کو فطری لگاؤ تھا۔ یوروپین تھیٹرز کو دیکھ کر اُنہیں بھی جدید قسم کے ناٹک بنانے کی سوجھی۔ پھر کیا تھا فوراً اسکیم تیار کی گئی اور سب سے پہلے پسٹن جی فرام جی نے اوریجنل تھیٹریکل کمپنی کے نام سے بمبئی میں ایک ناٹک کمپنی کھول دی۔ پسٹن جی فرام جی کو ناٹک وغیرہ کے کاموں سے بیحد دلچسپی تھی۔ اُن میں انتظامی قابلیت تھی وہ شاعر بھی تھے ڈرامہ بھی لکھ لیتے تھے اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ ایک اچھے اداکار بھی تھے مگر اُنھوں نے اوروں کی طرح اپنی کمپنی کیلئے خود ڈرامہ لکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی بلکہ اس کام کیلئے ہندوستان کے بہترین انشا پردازوں کی خدمات حاصل کیں۔ ان میں ایک تو رونق بنارسی تھے اور دوسرے میاں ظریف ظریف کے کیا کہنے یہ وہ تو ڈرامے کی مشین تھے۔ اِدھر فرمائش کی اور اُدھر ڈرامہ تیار دیکھتے ہی دیکھتے اُنھوں نے کوئی تیس چالیس ڈرامے دھڑ گھسیٹے علی بابا، گل بکاؤلی، نیرنگ عشق، چترا بکاولی اور حاتم طائی جو نام ہم سنتے چلے آرہے ہیں وہ ان ہی کی خامہ فرسائی کا نتیجہ ہیں۔ پھر قسمت دیکھئے ان کی کمپنی کو اداکار بھی ایسے ملے جو اپنا جواب آپ تھے۔ ان میں سے بیداور اُن کے تینوں بھائی بالی والا اور کھٹاؤ کے نام تو اب تک لوگوں کی زبان پر ہیں۔

اوریجنل تھیٹریکل کمپنی پسٹن جی فرام جی کی زندگی تک تو خوب چلی اُن کے بعد تو کمپنیوں پر کمپنیاں کھلنا شروع ہوگئیں۔ یہ تمام ناٹک اور کمپنیاں انگریزی مذاق کے مطابق بنائی گئی تھیں ان سب نے مل کر قدیم ناٹکوں کا گلا گھونٹ دیا۔ اب کیا تھا انگریزی وضع کے نغمے بازاروں میں چل پڑے ناچ کے بدلے یوروپین کی ڈرل شروع ہوگئی، جس میں لڑکے رنگ برنگ کی پوشاکیں پہنے کبھی اسٹیج پر اُچھلتے، کبھی کودتے، کبھی قلابازیاں کھاتے اور کبھی ایک دوسرے کے کاندھے

www.taemeernews.com

پر چڑھ کر سرکس شروع کر دیتے تھے۔ پارسی تھیٹروں کی صفائی، ترتیب، طلسم نمائی اور زرق برق پردوں نے لوگوں کی آنکھوں میں چکا چوند پیدا کر دی۔ اور ہماری وہ پرانی ایکٹنگ اور قدیم ناچ گانا سب ہوا ہو گیا۔

پسٹن جی فرام جی کے مرنے کے بعد بالی والے نے وکٹوریا تھیٹریکل کمپنی کے نام سے اپنی ایک کمپنی الگ قائم کر لی۔ اس میں عورتیں بھی تھیں۔ جس میں مس زہرہ مس خورشید اور ایک میم صاحب مس میری چٹنس کے نام سے مشہور تھیں۔ انھیں انگریزی پریڈ اور ڈرل کے علاوہ ہندوستانی ناچ گانے میں بھی کمال حاصل تھا۔ ان سب ناٹک کے ستاروں نے اپنی چمک دمک اور چٹک مٹک سے کمپنی میں چار چاند لگا دیئے تھے اور ناٹک کی دنیا میں ہل چل سی مچا دی تھی۔

طالب بنارسی اس کمپنی کے ڈرامہ نویس تھے۔ جس میں ظرافت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ان کا ہر جملہ ظرافت کی پھلجھڑی ہوتا تھا انھوں نے کوئی دس بارہ ڈرامے لکھے اور وہ ہر ڈرامہ میں اپنے سیٹھ بالی والے کے مذاق کے لحاظ سے کامک پرائیڑی چوٹی کا زور لگا دیتے تھے۔ بالی والا بہترین کامک ایکٹر تھا ظرافت اس کے قدم چومتی تھی۔ اِدھر فقرہ اُس کی زبان سے نکلا اور اُدھر لوگ ہنس پڑے اور اِدھر فقرہ ختم ہوا اور یار لوگ لوٹن کبوتر ہو گئے سیٹیوں، قہقہوں اور تالیوں سے تھیٹر گونج اُٹھتا تھا۔ مختصر یہ کہ اس کمپنی نے وہ زور باندھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے اٹک سے لے کر کٹک تک مشہور ہو گئی ۱۸۷۷ء کے قیصری دربار کے موقع پر جب یہ کمپنی دلی آئی تو اس پر یار لوگ ایسے لٹو ہوئے کہ اپنے سب کام دھندے بھول گئے، مشہور ہے کہ سقوں نے اپنے بیل اور مشکیں بیچ دیں، دروزی اور دھوبیوں نے کپڑے اور لوگوں نے زیور گروی رکھ کر اس کے تماشے دیکھے۔

چند سال بعد ۱۸۸۵ء میں لندن میں کرسٹل پیلس کی نمائش ہو رہی تھی۔

www.taemeernews.com

ہندوستان سے عجائب روزگار سامان ماہرین اور فنکار جا رہے تھے۔ بالی والے کو بھی یورپ جانے کی سوجھی وہ بھی مع اپنے ساز و سامان اور ایکٹروں کے لندن جا پہونچا اور مشرقی رنگ میں ڈوبا ہوئی ایکٹنگ اور ہندوستانی ناچ گانے کے پروگرام پیش کیئے جو لوگوں کو بہت پسند آئے پھر شاہی دربار میں بھی جا پہونچا۔ ملکہ وکٹوریہ ایڈورڈ ہفتم نے بھی ان کا پروگرام ملاحظہ فرمایا۔ بڑی آؤ بھگت ہوئی، خوشنودی کے فرمان جاری ہوئے اخباروں میں تصویریں چھپیں اور تمغے سرفراز فرمائے گئے

اس سفر سے انہیں مالی فائدہ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو مگر اتنی بات ضرور ہے کہ انھوں نے وہاں کے تھیٹروں کو دیکھا اسٹیج کے رکھ رکھاؤ دیکھے اداکاروں کے رنگ ڈھنگ دیکھے اور آتے وقت جو کاٹ کباڑ یہاں سے لے گئے تھے اسے وہیں غرقِ مئے ناب اولیٰ کہہ کر دریائے تھیمس میں ڈبایا اور نئے ساز و سامان اور فنی معلومات کا قیمتی ذخیرہ اپنے ساتھ لے آئے۔

اِدھر کاؤس جی کھٹاؤ نے اپنی ایک کمپنی الفریڈ تھیٹریکل کمپنی کے نام سے الگ قایم کرلی کھٹاؤ کے متعلق میں آپ سے کہہ چکا ہوں کہ وہ بے مثل ٹریجک ایکٹر تھا اور ولولہ انگیز جذبات کی ترجمانی اس جوش و خروش سے کرتا تھا کہ لوگ دنگ رہ جاتے تھے جب وہ اسٹیج پر آتا تو پبلک اس طرح بہوت ہو جاتی کہ گویا سانپ سونگھ گیا ہے ہاتھوں کے حرکات چہرے کے جذبات آنکھوں کے اشارے اور آواز کا اُتار چڑھاؤ، جذبات کے جذر و مد کو اُبھارتا، رہتا تھا۔ اُسے اپنی آواز اور ایکٹنگ پر ناز تھا جب کڑک کر بولتا تو معلوم ہوتا کہ ترُم بج رہا ہے۔ لہجہ بھی خوشگوار تھا اور آواز بھی دلکش اور نپی تلی جو بقول شخصے درجہ خاص سے لیکر چوٹی والوں کے کانوں کے پردوں سے ٹکراتی رہتی تھی اور سب کو مرعوب کرتی رہتی تھی۔

www.taemeernews.com

جب وہ رومیو اور ہملٹ کا پارٹ کرتا تو سر ہنری ارونگ کی یاد تازہ کر دیتا تھا۔ اسی مناسبت سے لوگوں نے اُسے ہندوستان کے ارونگ کا خطاب دے دیا تھا۔ کاؤس جی کے علاوہ دوسرے اور اداکار بھی منجھے ہوئے اور تجربہ کار تھے ماسٹر موہن، منچر شاہ اور گلزار خاں وغیرہ جب اسٹیج پر آتے تو قیامت ڈھاتے مس زہرہ اور گوہر کا کیا پوچھنا ہے اِن کی اداکاری پر تو ہر شخص لٹو تھا۔ ہر طرف اُن کا طوطی بول رہا تھا۔ دکانوں پر تصویریں لگی رہتیں اور دیواروں پر نام لکھے رہتے تھے۔

تھیٹریکل کمپنی کے مشہور ڈرامہ شہید ناز گلنار، فیروزہ اور نفس دستی اور بھول بھلیاں تھے جن میں احسن لکھنوی نے شیکسپیر کے ڈراموں میں پہلی مرتبہ اُردو میں ترجمہ کیا تھا۔ احسن کے بعد پنڈت نرائن پرشاد بیتاب آئے پنڈت جی بڑے ودوان ہندی سنسکرت اور اردو فارسی کے ادیب تھے اُنھوں نے مہا بھارت کرشن سُداما، رامائن اور کئی اور ہندی ڈرامہ لکھے جو بڑی دلچسپی سے دیکھے گئے زہری سانپ بھی ان کا ہی لکھا ہوا ہے اور دہلی کا مشہور واقعہ نظیر جان کا قتل جس کے گیت دہلی میں اب تک گائے جاتے ہیں۔

کلکتہ سے چلی نظیر جان۔ چتلی قبر پہ لیا اُس نے مکان اس واقعہ کو سب سے پہلے پنڈت جی نے ڈرامہ کی شکل میں لکھا اور جب وہ ڈرامہ قتل نظیر کے نام سے کھیلا گیا تو دیکھنے کیلئے خلقت ٹوٹ پڑی۔ بیتاب کے بعد آغا حشر کاشمیری آئے۔ اِن کا کیا کہنا ہے جب تک اسٹیج کی دُنیا چالو ہے اُن کا نام بھی برابر چالو رہے گا۔ آغا صاحب صرف شاعر، مقرر، ادیب اور ڈرامہ نگار ہی نہیں تھے بلکہ زبردست اداکار اور ناٹکوں کے کاروبار کے بڑے جانکار بھی تھے انھوں نے کوئی چالیس، پچاس ڈرامے لکھے اور جو ڈرامہ لکھا وہ شہرت کے آسمان پر آفتاب

www.taemeernews.com

بن کر چمکا۔ اِن کے آگے بڑے بڑے کلاکار اور ڈرامہ نویس ماند پڑ گئے بلکہ یوں کہو کر بغلیں جھانکنے لگے۔ لوگوں میں ادبی ذوق اور اردو ڈراموں کا شوق پیدا ہو گیا۔ ان کے بعض ڈرامے تو خالص ہندی میں ہیں جیسے سور داس، بن دیوی، گنگا ترن اور ستیا بھی باس وغیرہ اور بعض ٹھیٹھ اردو میں جیسے اسیر حرص، خواب ہستی، خوبصورت بلا، سلور کنگ اور عورت کا پیار، آغا صاحب کو شیکسپیر کے ڈراموں سے بے حد دلچسپی تھی اور انھوں نے شیکسپیر کے اتنے ڈرامے ترجمہ کیے کہ وہ ہندوستان کے شیکسپیر مشہور ہو گئے۔ اس کے بعد جو انھیں جوش آیا تو الفرڈ کمپنی کو چھوڑ خود اپنی ایک کمپنی شیکسپیر تھیٹریکل کمپنی کے نام سے الگ کھول لی۔ وہ چلی اور خوب چلی مگر بعض اسباب ایسے آپڑے کہ آغا صاحب نے اس کو ختم کر دیا۔

۱۹۱۲ء میں کاؤس جی کا انتقال ہوا اور اس کے بعد اس کمپنی کو میڈن نے خرید لیا تو پھر آغا صاحب نے میڈن تھیٹر کو اپنی طبع موزوں کا جولان گاہ بنایا۔ نئے نئے ڈرامے لکھے۔ نئے نئے ڈھنگ سے انھیں اسٹیج کیا اور نئے نئے سین سینریز سے انھیں آراستہ و پیراستہ کیا۔

ہاں میں نے پارسی تھیٹروں کے پردوں کا تو ذکر کیا ہی نہیں۔ آج سے کوئی تیس سال پہلے میں کلکتہ میں تھا اور ہر اتوار کو دن شاہ جی کے پاس جاتا تھا۔ یہ میڈن تھیٹر کے آرٹسٹ تھے۔ بڑے فن کار، ہوشیار اور تجربہ کار تھے وہ ہمیشہ منظر بندی کے چکر میں پڑے رہتے تھے۔ مجھے ایک پردہ رنگا ہوا ملا یا۔ میرا نظر کا دامن تھا جس میں زرد رنگ نمایاں تھا۔ یہ موسم خزاں کا ایک سین تھا خزاں کا دور دورہ تھا، درختوں کی زرد شاخیں پس منظر میں پہاڑ تھے جن پر خزاں رسیدہ مرجھائے ہوئے درخت سر جھکائے کھڑے تھے چاروں طرف خاک اُڑ رہی تھی اور درختوں کے پتے جھڑ جھڑ کر زمین پر گر رہے تھے۔ اس کے بعد بابا جی نے اسی

www.taemeernews.com

پھر جب اس پر گہری آسمانی روشنی ڈالی تو پردہ کا رنگ ہی بدل گیا موسم خزاں ختم ہو کر بہار ہوگیا۔ ثانوی رنگوں میں نئے نئے شیڈ پیدا ہوگئے۔ زرد رنگ کی پہاڑیاں سرسبز و شاداب وادیاں بن گئیں پیلے پتے سبز ہوگئے جہاں خاک اُڑ رہی تھی وہاں نہریں جاری ہوگئیں اور رنگوں کی ہم آہنگی اور میل سے موسم بہار کا ایک خوشگوار اور شاداب منظر پیدا ہوگیا۔ اسی طرح کے کئی الیوژن بنائے تھے گنیش جنم ایک ہی مقام پر پیدائش لڑکپن اور جوانی کا منظر جنگلوں میں دریا بہنا محلوں میں فواروں کا چھٹنا، روح کا اسٹیج پر آنا اور جسم شفاف دکھائی دینا۔ ایک سین کا دوسرے سین میں تداخل اور تبدیلی غرض یہ کہ سین سنریز سے شعبدہ بازی اور مصوری سے نظر بندی کے پورے اُتر آئے تھے۔

اس کے بعد الفرڈ کمپنی کے توڑ پر نیو الفرڈ کمپنی قائم ہوئی اس میں بھی آغا صاحب نے اپنا زورِ قلم بتایا۔ اس زمانے میں بولتی فلموں کی صدائیں کانوں میں آنی شروع ہوگئیں۔ بھلا آغا صاحب کہاں چوکنے والے تھے آستین چڑھا کر اس میدان میں بھی اُتر آئے۔ کئی ڈرامے لکھے اور فلمائے مگر عمر نے وفا نہ کی اور ۱۹۳۴ء میں اپنا پارٹ ختم کر کے اس دُنیا کے اسٹیج سے چل بسے اور اُن کے مرنے سے اُردو ادب کا ایک پہلو چوپٹ ہوگیا۔ کسی نے تاریخ کہی ؎

جب نہ نعم البدل ملا تو کہا
حشر کی موت اک قیامت ہے

(۱۳۴۴ فصلی)

www.taemeernews.com

اعتراف

آج سے تقریباً تیس ۳۰ سال قبل کی بات ہے جب کہ حیدرآباد کے بعض دانشوروں مفکروں اور صحافیوں نے مرزا عصمت اللہ بیگ کی ادبی اور علمی خدمات کو نذر عقیدت پیش کرنے کی غرض سے ایک یادگاری ادبی جلسہ یوم عصمت اللہ بیگ کا کامیاب اہتمام کیا تھا جس کا افتتاح اس وقت کے وزیر تعلیمات شری گوپال راؤ ایکبوٹے نے فرمایا تھا اور شری پی ہنمنت راؤ نائب وزیر مال جو "دکھنی گاندھی" کے لقب سے مشہور تھے اس جلسہ کی صدارت فرمائی تھی اس جلسہ میں پروفیسر عبدالقادر سروری راسے جانکی پرشاد نائب ناظم اطلاعات شری فضل الرحمن ناظم تعلیمات اور پروفیسر عطاء الرحمن نے بڑے ہی دلچسپ اور معلوماتی مضامین پڑھے تھے اس یادگاری جلسہ یوم عصمت اللہ بیگ کے کامیاب ترین انعقاد پر دنیائے اردو کے ممتاز اخبار، روزنامہ سیاست نے ۳۰ اکٹوبر ۱۹۵۸ء کی اشاعت میں ایک دانشورانہ اداریہ سپرد قلم کیا تھا جس کو میں یہاں ذیل میں نقل کیا جا رہا ہے جس کے لئے ہم ادارہ روزنامہ "سیاست" کے ممنون ہیں کہ ہمارے کارکنان عصمت میموریل کمیٹی کی نہ صرف حوصلہ افزائی ہوئی ہے بلکہ عصمت اللہ بیگ کی ادبی اور علمی خدمات کو اس اداریہ کے ذریعہ خاطر خواہ شایان شان پیرایہ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے جو ناقابل فراموش اور قابل ستائش ہے ـــــ

یوم عصمت مرزا عصمت اللہ بیگ مرحوم کو خراج عقیدت پیش کرنے پرسوں ایک جلسہ منعقد ہوا۔ عصمت اللہ بیگ اگر حیدرآباد کے بجائے کسی اور شہر میں پیدا ہوتے تو یقیناً انہیں صف اول کا طنز و مزاح نگار قرار دیا جاتا لیکن وہ حیدرآبادی شہری ہو گئے تھے اور حیدرآباد کے جوہر قابل بھی ہمیشہ پس منظر میں رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ عصمت اللہ بیگ کو وہ مقام حاصل نہ ہو سکا جس کے وہ مستحق ہیں۔ عصمت اللہ بیگ نے جو کچھ لکھا ہے وہ بلا شبہ اردو ادب میں بیش بہا اضافہ ہے۔ یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ آج کل ہندوستان میں رشید احمد صدیقی کنھیا لال کپور اور عصمت اللہ بیگ ہی ایسے دو ادیب ہیں جو صف اول میں ہیں۔ اب عصمت اللہ بیگ باقی نہیں رہے ہیں۔ عصمت اللہ بیگ کو خراج عقیدت پیش کرنے میں وزیر تعلیمات شری ایکبوٹے اور نائب وزیر مال شری ہنمنت راؤ نے بھی حصہ لیا ہم ان دونوں وزراء کی اس جلسہ میں شرکت کو اہمیت دیتے ہیں چونکہ اردو کے ایک ممتاز ادیب کی خدمات کے اعتراف میں وہ بھی عوام کے ہمنوا رہے اور اس شاعر و ادیب کے غیر مطبوعہ تصانیف کو شائع کرانے اپنی دلچسپی کا اظہار کیا۔ اس جلسہ میں بہ شرکت حیدرآباد کی روایات کے عین مطابق بھی تھی اس جلسہ کے ساتھ یہ خیال آتا ہے کہ آئندہ ڈھانچے میں ایسی رواداری کے مظاہرے کیا دیکھنے میں آئیں گے؟"

اس یادگاری جلسہ میں شری فضل الرحمن نے "یاد عصمت" کے عنوان سے بڑا ہی دلچسپ تعارفی مضمون پڑھا تھا جو اس کتاب میں اولین صفحات میں شامل کیا گیا ہے ۔

مرزا صبغۃ اللہ بیگ

معتمد، عصمت میموریل پبلیکیشنز کمیٹی

www.taemeernews.com

حکیم معشوق علی خاں جوہر

حکیم معشوق علی خاں جوہر کو بھارت میں اکثر لوگ جانتے ہیں مگر واقعہ یہ ہے کہ ہر ناہے کوئی انھیں حکیم معشوق علی خاں کہتا ہے۔ کوئی معشوق علی صاحب کوئی وکیل اور کوئی حافظ معشوق علی خاں جوہر اگر ان کے تمام القاب وغیرہ کو ایک جگہ جمع کر کے کسی سے پوچھا جائے کہ آپ حافظ حکیم مولوی معشوق علی خاں صاحب جوہر کامل طبیب و جراحت، منشی عالم مولوی فاضل، وکیل درجہ اول عدالت العالیہ، سابق ناظم ضلع بالونچہ شاگرد حضرت غالب دہلوی کو جانتے ہیں تو یقین ملنیئے کہ ہزاروں میں ایک بھی ایسا نہ نکلے گا جو گردن ہلا کر کہے کہ ہاں میں اُن کو جانتا ہوں۔

مثل مشہور ہے کہ چلتی کا نام گاڑی۔ جب تک حکیم جی کا سانس چلتا رہا ان کا کوئی کام نہ رکا حکمت بھی چلی، شاعری بھی چلی، زبان بھی چلی لڑائی بھی چلی اور آخر میں وہ خود بھی اس دنیا سے چل بسے۔ لیکن مجھ سے پوچھو تو حکمتان کے تجربہ اور تشخیص سے شاعری طبع موذوں اور جوہر قابلیت سے لڑائی، تنگ مزاجی سے اور وکالت اُس وکیل مطلق کی وکالت اور اللہ کے نام کی برکت سے اُن کے چلتے دم تک چلتی رہی مگر مجھے نہ تو اُن کی حکمت سے واسطہ اور نہ ان کی وکالت سے تعلق رہا اُن کی شاعری کے متعلق تھوڑا بہت جانتا ہوں وہ بیان کیئے دیتا ہوں لیکن سُنا سنایا نہیں جو نقشہ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور جو ان کی باتیں اپنے کانوں سے سُنیں بس اس

www.taemeernews.com

کا ایک دھندلا سا خاکہ کھینچ کر پیش کروں گا۔

حکیم جی ۱۸۵۲ء میں شاہجہاں پور میں پیدا ہوئے دہلی میں تعلیم پائی لکھنؤ میں طب کا نام روشن کیا؟ بھوپال میں شعر و سخن کی محفلوں کو گرمایا اور میدان سخن میں سمند فصاحت کو دوڑایا حیدرآباد میں مدتوں وکالت کی اور آخر میں پھر پھرا کر جس قطعہ زمین میں پیدا ہوئے وہیں پیوند خاک ہوئے مگر عجیب بات یہ ہے کہ مرنے سے دو مہینے پہلے اپنا مادہ تاریخ کل نفس ذائقہ الموت کہا اور مئی ۱۹۳۸ء میں پورے چھتر سال گزار کر اس شعر و سخن کی دنیا سے نکلے اور استعارے اور تشبیہ کی دنیا میں جا بسے۔

حکیم جی کا قد لانبا، بدن چھریرا، گندمی رنگ، ستواں ناک، غلافی آنکھیں، چوڑا دہانہ، پتلی گردن اور کشادہ پیشانی تھی سر کے بال بڑے تھے مگر آخر زمانے میں کچھ تو حجام کی تراش خراش اور کچھ خود اُن کی بے رخی سے ہُدہُد کا تاج بن کر رہ گئے تھے داڑھی لانبی اور گھنی تھی غور سے دیکھنے پر ایک ایک بال میں تین تین اور چار چار رنگ معلوم ہوتے تھے مگر دُور سے دیکھنے پر بس یہ معلوم ہوتا تھا کہ چہرے کے گرد قوس قزح نکلی ہوئی ہے اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ حکیم جی دسوں بار خضاب لگاتے تھے مگر ساتھ ہی کسی ایک خضاب کے پابند نہیں تھے۔ ہرچہ آید در گھسیٹ کے اصول پر چلتے تھے کبھی مہندی، کبھی وسمہ، کبھی چاند تارا، کبھی چرخہ مارکہ کبھی کراؤن مارک اور کبھی ایجاد بندہ اگرچہ گندہ خضاب یا برازہ گندہ ظاہر ہے کہ ایک خضاب کا دوسرے پر کیمیاوی رنگ جمنے لگا۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ ایک ہفتہ بعد ذرا داڑھی بڑی تو اس کے شروع جمنے کا دور ایک سپید جھالر کی طرح رنگ چڑھا ہوا معلوم ہونے لگا۔ اس سے ملا ہوا بھورا، پھر کالا، پھر سرخ اور پھر آخر میں سرخی مائل مگر داڑھی پر مہندی کا رنگ بقیہ رنگوں کو دبا لیتا تھا کان کے بال توجہ اور سماعت کی تیزی اور

www.taemeernews.com

ماتھے اور چہرے کی جھریاں خندہ پیشانی اور خندہ روئی کو کبھی نمایاں کرتی رہتی تھیں منہ میں ڈاڑھوں اور کوچیلوں کے علاوہ دکھانے کے دانت رہ گئے تھے جن کا پتا دور اور نزدیک سے یکساں چلتا رہتا اس لیئے کہ دانتوں کا کمانیاں اس قدر ڈھیلی پڑ گئی تھیں کہ ادھر منہ کھلا اور اوپر کا چوکا نیچے کے چوکے پر کھٹ سے گرا اور باتیں کرتے وقت اس طرح کھٹا کھٹ ہوتی تھی کہ گویا ٹیلی گراف کے آلے یا ہارمونیم کے پردوں پر کوئی انگلیاں مار رہا ہے۔

جب کبھی اگلی صحبتوں کا ذکر کے یا کسی کا کلام سنتے تو سیدھا ہاتھ اپنے زانوں پر چپا چپٹ مارتے دانتوں سے کھٹا کھٹ آواز آتی ہونٹوں سے چٹا چٹ صدائیں نکلتی اور زبان قینچی کی طرح چلتی رہتی دوران گفتگو میں نپے تلے الفاظ چست اور برجستہ فقرے تشبیہ اور استعارات میں ڈوبے ہوئے رنگین جملے اس طرح بے تکان بولتے چلے جاتے ہیں۔ کہ سن کر دل میں فرحت اور روح میں تازگی پیدا ہوتی رہتی۔ بیان کی شیرینی کا یہ عالم کہ مشکل سے مشکل چیز کو سمجھاتے تو سننے والوں کو معلوم ہوتا کہ ایک شربت کا گھونٹ ہے جو حلق سے اترتا چلا جا رہا ہے ان کی قلمرو میں بجز قلم دوات اور دو چار سادے کاغذوں کے کوئی دوسرا علمی خزانہ نہ تھا مگر حافظہ وہ بلا کا کہ اردو فارسی کے ہزارہا شعر سیکڑوں برجستہ جملے بیسوں لطیفے اور علمی نکات حتیٰ کہ تاریخ وار تاریخی واقعات، شعراء، ادباء اور حکماء کے سوانح حیات اور بے حساب طبی چٹکلے اور نسخہ جات معہ حواشی اور حوالیات نوک زبان پر کھیلتے رہتے تھے۔

ادھر کسی نے اچھا شعر پڑھا ادھر حکیم جی نے اپنے زانوں پر ہاتھ مارا ہونٹ دبا کر چٹخارا بھرا اور کھٹ سے پوری غزل معہ اس کی شان نزول کے دہرا گئے، پھر اسی ردیف میں نامور شعرا کی طبع آزمائیاں اور سب سے آخر میں اسی قافیہ اور ردیف میں خود بھی دو چار شعر فی البدیہہ کہہ کر شمشیر مکہ کے

www.taemeernews.com

جوہر دکھا جانے غالب مرحوم کی شاگردی اور علماء کی فیض صحبت نے انھیں استادان سخن کے گروہ میں لا بٹھایا تھا جو دریائے فکر میں غوطہ مار کر دامن مقصود کو گوہر مراد سے بھر لاتے ہیں مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ حکیم جی کے پاس ایک پیر جی آیا کرتے تھے حکیم جی ازراہ مذاق اُن سے کہنے لگے بھئی دنیا میں تین قسم کے پیر ہوتے ہیں۔ پیر پتھر، پیر پتا اور پیر لکڑ، پیر پتھر تو وہ کہ خود بھی ڈوبے اور اپنے مریدوں کو بھی لے ڈوبے پیر پتا وہ کہ خود تو تیرتا رہے مگر اپنے مریدوں کو ڈبا دے اور پیر لکڑ وہ کہ خود بھی تیرے، مریدوں کو بھی تیرائے ڈوبتوں کو اپنی پیٹھ پر بٹھا کر ساحل مراد پر پہنچا دیئے۔

بعض کہتے ہیں کہ غزل لکھنا آسان ہے اور قصیدہ کہنا مشکل ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں قصیدہ لکھنا آسان ہے اور غزل کہنا مشکل ہے وہ کہتے ہیں کہ غزل گو مضمون پر قلم نہیں اُٹھاتا بلکہ ردیف اور قافیہ سے مضمون، پیدا کرتا ہے اور قصیدہ گو مضمون کی طرف قدم بڑھاتا ہے اور قافیہ اور، ردیف کو مضمون کا تابع بناتا ہے۔ مگر ہمارے حکیم جی کا قطعی فیصلہ ہے کہ جو لکھنا جانتے ہیں اُن کیلئے دونوں آسان ہیں جو نہیں جانتے اُن کیلئے دونوں مشکل ہیں۔ غزل پر اصلاح دیتے وقت کہتے تھے کہ اصناف سخن میں سب سے آسان یہی ہے مبتدی اپنی شاعری کی بسم اللہ سب سے پہلے غزل سے ہی کرتا ہے۔ اس میں پہلی بات تو یہ ہے کہ ایک شعر کا دوسرے شعر سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ایک میں بت پرستی ہے تو دوسرے میں توحید پرستی مسجد میں بیٹھے تسبیح پھیر رہے ہیں تو ابھی مندر میں بیٹھے مالا جپ رہے ہیں کبھی پھولوں کی سیجوں پر لیٹے شب وصل کے مزے لوٹ رہے ہیں تو کہیں شب ہجر میں کانٹوں پر پڑے لوٹ رہے ہیں اب ایک خیال کو دو مصرعوں میں سمو دینا ہے مگر اس کو بھی یار لوگوں نے الٹ دیا ہے پہلے تو قافیہ

www.taemeernews.com

ٹٹولتے ہیں پھر اُس قافیہ کی مناسبت سے اخیر کا مصرعہ پہلے موزوں کر لیتے ہیں۔ اب رہا مصرعِ اول تو اسے آخر میں کہا کرتے ہیں مثلاً غزل میں غریب دیار قافیہ ہے اور ہم بھی ہیں ردیف ہے۔ اب آدھے سے زیادہ مصرع تو یوں ہی موزوں ہو گیا۔ غریب الدیار ہم بھی ہیں اب پورا مصرع موزوں کرنے میں صرف دو تین لفظوں کی کسر ہے۔ وہ بھی کہہ ڈالو۔ مثلاً اسی طرح سے غریب الدیار ہم بھی ہیں۔ یا تمہاری طرح غریب الدیار ہم بھی ہیں یکہ یا شکستہ غریب الدیار ہم بھی ہیں۔ اب رہا پہلا مصرع تو دوسرے کہے ہوئے مصرع کی لفظی مناسبت یا مضمون میں ربط قائم کر کے آخر میں کہہ ڈالو۔ مثلاً

فلک پر رہتے ہیں جس طرح نجم و شمس و قمر ؎ اسی طرح سے غریب الدیار ہم بھی ہیں

رہے خیال ہمارا بھی قافلے والو ؎ کہ پاشکستہ غریب الدیار ہم بھی ہیں یا

تمہاری طرح غریب الدیار ہم بھی ہیں

جب قصیدہ لکھواتے تو کہتے ہیں کہ بیٹا قصیدہ کہنا نہایت آسان ہے اس میں بندھے ٹکے الفاظ ہیں اور لفظوں کی الٹ پھیر ہے۔ مضمون پیار سے شروع کیا۔ تشبیب کے دو چار شعر کہہ ڈالے وہاں سے گریز، پھر مدح، پھر دعا چلو قصیدہ ختم ہوا۔

آج کل تو تعلیم بالغان کا بہت چرچا ہے لیکن اس مقام پر حکیم جی نے شعر و شاعری کے ذریعہ سب سے پہلے تعلیم بالغان کی ابتدا کی اور بے مثل کامیابی حاصل کی۔ ہر بچے بوڑھے اور جوان کو لکھنے پڑھنے کا شوق ہو گیا دکاندار، پٹواری، قصاب، بزاز، تانگے والے، نجار، لوہار غرض کہ جسے دیکھو کویتا کی دھن میں لگا رہتا تھا اور شعر گھڑتا دکھائی دیتا تھا پھر لطف یہ کہ ہر شخص اپنے رنگ میں کہتا مثلاً انگریز کا رنگ ملاحظہ ہو۔

ہلدی لگے نہ پھٹکری اور رنگ چوکھا آئے خوں تھوکیں بزمِ یغرش گریباں

www.taemeernews.com

کھایئں ہم تانگے والے کا منہ زوری اور چابک دستی ملاحظہ ہو۔ ـ

نولکھا گنبد ڈیڑھ اینٹ کی مسجد پہ ہے گھمنڈ کے وہ بھی خدا کے فضل سے اُن کا ٹھکانا نہیں

جس زمانے میں حکیم جی بھوپال میں تھے اس وقت وہاں بہتر سے بہتر کہنے والے شعراء موجود تھے منشی امیر احمد مینائیؒ لکھنوی کی آمد ورفت بھوپال میں جاری تھی ان کے قابل قابل شاگرد وہاں موجود تھے حکیم برہم صاحب مرحوم ایڈیٹر مشرق یاس لکھنوی، منشی مظفر حسین صاحب صبا، مولوی عبد الواسع صاحب صفا پروفیسر جامعہ عثمانیہ، منشی نیاز احمد صاحب نامی خیر آبادی، منشی قاسم علی صاحب بیدل اور بھوپال کے مایہ ناز منشی سراج میر صاحب سحر، حکیم محمد صاحب شہید اور طلب دہلوی وغیرہ یہ سب بجائے خود اساتذہ میں شمار کیئے جاتے تھے لیکن حکیم صاحب کے سامنے کسی کا چراغ نہ جلتا تھا اور اُن میں سے ہر ایک اس ادب و احترام کے ساتھ حکیم جی سے ملتا تھا جس طرح ایک شاگرد اپنے استاد سے ملتا ہے اس کی وجہہ یہ تھی کہ پبلک پر حکیم جی کا پورا پورا اثر تھا اور ہر شخص چاہیئے وہ عالم ہو یا جاہل دل سے اُن کا ادب و احترام کرتا تھا۔

مشاعرہ کرنے کے معاملہ میں حکیم جی ملک الشعراء تھے ادھر کسی کی شادی ہوئی اور اُدھر مشاعرہ ہے لوکسی کے یہاں بچہ ہوا مشاعرہ، کوئی بیمار ہوا، مشاعرہ، کوئی مرا مشاعرہ غرض کہ مشاعرہ کیا تھا ایک حیلہ تھا پھر خرچہ کچھ بھی نہیں۔ تانگے والوں نے قندیلوں میں سے موم بتیاں نکال کر ڈھیر لگا دیا۔ بزاز نے چاندی کے پاٹ لا بچھائے، خیمے والوں نے اوپر سے ڈیرے ڈال دیئے تنواڑی نے گلوریوں کے ڈھیر لگا دیئے، چائے خانہ والوں نے چائے نوشی کا انتظام کردیا۔ گڑاکو فروش نے ہر دم تازہ حقّے اور کلیاں فراہم کردیں حکیم جی نے غزلیں کہہ دیں یا بتا دیں اور یار لوگ اکھاڑے میں جا کودے۔ چلو لینا ایک نہ دینا دو۔ مشاعرہ ہوا ہنسی خوشی ہوا۔

www.taemeernews.com

مشاعرے کے دن حکیم جی کا ٹھاٹھ دیکھنے کے قابل ہوتا تھا شیروانی تن زیب تن کرتے جس کی بندش نرالی بلکہ بین الصوبہ جاتی ہوتی تھی۔ دو ولا باتھ جودھ پوری ہیں تو دو تین جے پوری، پچھلا حصہ مارواڑی ہے تو اگلا بھوپالی تو کچھ مدراسی پہلو کچھ پنجابی ہے۔

غرض کہ چوں چوں کا مربہ تھا جو جبہ کی شکل میں سر پہ دھرا رہتا تھا اس پر طرہ یہ کہ منڈالے کا ایک سرا اگر طاؤس کی کلغی کی طرح سر سے ایک فٹ بلند ہو کر طرۂ امتیاز بنتا تو دوسرا پس پشت بن کر مقدار علم ظاہر کرتا رہتا وہ جب چاہتے اس کو سر سے اتار ہاتھ میں کشکول کی طرح رکھ لیتے اور جب چاہتے سر پر اُلٹ لیتے مگر اس کی بندش اور تاروں میں بال برابر بھی فرق نہ آتا تھا پرانے نمونہ کا غرارہ اور پٹو یا ہمرو کی شیروانی زیب تن کرتے جو گردن پر چار انگل ڈھیلی اور کمر پر کھیلتی رہتی تھی سفید رومال جیب میں اور جاپانی قسم کا رنگین پاتابہ پاؤں میں پہنے اور اس پر پیٹنٹ لیدر کی وہ نوک دار گرگابی ڈالتے جس کے منہ سے چلتے وقت ہو بچو کی صدائیں نکلتی رہتی تھیں آگے، آگے وہ اور پیچھے پیچھے ان کے شاگرد بغل میں بستہ دبائے چلتے تو بس اُن پر صادق حسن کا یہ شعر صادق آتا تھا کہ

عقب ان کے پٹواریاں خیل خیل   قلمدان بغل میں دستی میں بستہ

مشاعرہ کے انتظامات میں انہیں خاص ملکہ تھا وہ خوب جانتے تھے کہ کون کتنے پانی میں ہے اس لئے ہر ایک کو اُس کے علم، استعداد اور رتبے کے مطابق سلسلہ وار بٹھاتے تھے۔ ہر ایک کا خیر مقدم اس کے رتبے کے مطابق کرتے کسی کا استقبال سلام سے، کسی کا صرف ہاتھ اُٹھا کر اور کسی کی پیٹھ تھپک کر کہتے کہ اچھا تم بھی شاعر ہو گئے۔ آج تمہارا اور اُس بیوقوف کا مقابلہ ہوگا۔ جاؤ تم اس کے پاس جا بیٹھو کسی کا استقبال ذرا آگے بڑھ کر کسی کے جوتوں کے پاس ہو کر

www.taemeernews.com

کر اور کسی کا جوتوں سے بھی دو قدم آگے بڑھ کر استقبال کرتے اور ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہوئے لاتے اور کہتے کہ بھئی تمہارے دیکھنے کو تو آنکھیں ترس گئیں بس تمہارا انتظار تھا بھئی تم میرے پاس بیٹھنا

لو بھائی تم وہاں بیٹھو میں ابھی آتا ہوں ۔

جب تمام شعراء جمع ہو جاتے تو مشاعرہ کی کاروائی شروع ہوتی شمع گردش میں آتی پہلے نومشق، پھر متوسط اور آخر میں کہنہ مشق شعراء کے سامنے سے گردش کرتی ہوئی حکیم جی کے پاس پہونچی اور سب سے آخر میں یہ اپنے جوہر دکھاتے پہلے عینک لگاتے پھر اپنا دیوان کھولتے پلٹتے جاتے اور ورق پر ورق اُلٹتے جاتے عینک پھسلتے پھسلتے ناک کی پھننگ تک آجاتی اور نظر کے تارعین حالت وجد میں چشمہ کے تانولا پر سے کود کود کر صفحہ قرطاس پر قلابازیاں دکھاتے رہتے اس اُلٹ پھیر میں اپنی کوئی غیر طرح غزل پسند آجاتی تو وہیں ہاتھ روک دیتے فوراً داہنا ہاتھ ماتھے پر آجاتا اور بائیں ہاتھ کی دو انگلیوں سے داڑھی کے بالوں کو پکڑ پکڑ کر اس طرح ہاتھ چلاتے جیسے کوئی مانجھا سوت رہا ہے۔

اس اینچا تانی میں اگر اپنی غزل کے ردیف میں کوئی غزل غالب کی یاد آجاتی تو پھر ایک ٹھنڈی سانس کھینچتے اور بلند آواز سے اُسے پڑھتے اور غزل ختم کرنے کے بعد اپنا دیوان ایک طرف ٹپک دیتے ۔ حکیم جی کے پڑھنے کا انداز نرالا اور آواز بلا کی تھی محفل میں شعر پڑھتے تو معلوم ہوتا تھا۔ کچھار میں شیر گونج رہا ہے ۔ غزل پڑھنے سے پہلے شمع اپنے سامنے سے پرے رکھ دیتے مگر جب شعر ختم کرتے تو خود شمع سے چار ہاتھ آگے بیٹھے ہوئے دکھائی دیتے واہ واہ اور ماشاءاللہ کے نعروں سے فضا گونجتی رہتی اور جب غزل ختم کرتے تو ایک خاموشی کا پردہ پڑ جاتا تھا۔

سنہ ۱۹۰۰ء میں شاہجہاں بیگم سابقہ فرمانروائے بھوپال سلطان

www.taemeernews.com

سکتے عارضہ میں مبتلا ہوئیں اور اسی مرض میں ان کا انتقال ہوا رعایا میں ایک افسردگی اور بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ خانقاہوں میں ختم پڑھے جاتے تھے مسجدوں میں دعائیں مانگی جاتی تھیں اس بیماری کی وجہ مشاعرہ اور ناچ رنگ کے جلسے بالکل بند تھے۔ ہمارے حکیم جی کباب سیخ کی طرح کروٹیں بدل رہے تھے۔ اور ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہے تھے اُن سے یہ نہ دیکھا گیا کہ مولوی اور کٹھ ملا تو مسجدوں میں دعائیں مانگیں اور بے چارے شاعر چپکے گھروں میں بیٹھے تماشا دیکھیں اور قافیہ پیمائی کرتے رہیں۔ تابکے فوراً اُٹھے اور ایک مشاعرے کا انتظام کر دیا۔ وال پوسٹرس دیواروں پر جگہ جگہ چپیاں ہونے لگے اور اشتہارات تقسیم ہونے لگے کہ فلاں تاریخ امام باڑے میں مشاعرہ قرار پایا ہے۔ مصرع طرح بھی ایسا پھڑکتا ہوا دیا کہ جس نے سُنا وہ پھڑک اُٹھا اور اس مشاعرہ میں شریک ہونا فرض عین سمجھا۔ مصرع طرح بھی سن لیجئے۔

یارب میری سرکار کو جلدی سے شفا دے

اب کیا پوچھنا تھا۔ سارا بھوپال ایک دم شاعر بن گیا جس کو دیکھو چنا ہوا انگرکھا زیب تن کیے رنگ برنگ کے مشروع کے پاجامہ پہنے، سیلے شملے یا منڈاسے باندھے کلمہ کی اُنگلی میں چونا، سیدھے کلے میں گٹکا دبائے کاندھے پر رومال ہاتھ میں ڈنڈا ماش کے آٹے کی طرح اکڑے ہوئے مشاعرہ میں چلا جا رہا ہے مغرب کے بعد سے رستہ چلنا دشوار ہو گیا۔

نو بجے مشاعرہ شروع ہوا اور ایک رات اور ایک دن برابر ہوتا رہا لوگوں کو جب زمین پر جگہ نہ ملی تو دیواروں اور درختوں پر چڑھ گئے لوگ درختوں پر اُترتے چڑھتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ فرشتے آسمان سے زمین اور زمین سے آسمان پر آ جا رہے ہیں پھر لطف یہ ہے کہ اِدھر زمین پر غزل ختم ہوئی اور اُدھر آسمان سے غزل خوانی شروع ہوگئی گردن اُٹھائی

www.taemeernews.com

تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک صاحب پھنگ پر بیٹھے بلبل ہزار داستان کی طرح چہک رہے ہیں واہ واہ اور سبحان اللہ کی صدائیں درختوں کی شاخوں اور جھاڑوں کی پھنگیوں سے نکل رہی ہیں۔ گویا شاید لاہی بالاعالم بالا سے اپنے سخن کی داد دے رہے ہیں۔

دوسرے روز سب آخر میں حکیم جی کی باری آئی انھوں نے مسدس پڑھا جس میں تمام انبیا، بزرگان دین، شہدا اور مشائخین کے واسطے دے دے کر دعائیں مانگی تھیں ہر شعر پر آمین کا وہ شور و غل تھا کہ زمین و آسمان گونج رہے تھے یہ مسدس اپنے اثر کے لحاظ سے نہایت ہی لاجواب اور بے مثل تھا اور جہیوں تک سڑکوں پر لڑکے گھروں میں لڑکیاں محفلوں میں گویئے اور اخباروں اور رسالوں میں ایڈیٹر صاحبان اسی کا راگ گاتے رہے۔

سنہ ۱۹۰۸ء میں حکیم جی حیدرآباد آئے یہاں کی شان نزول بھی سن لیجیے! اسی سنہ میں مولوی عزیز مرزا صاحب مرحوم بھوپال گئے وہاں حکیم جی سے ملاقات ہوئی۔ چند روز تک حکیم جی سے اپنا علاج معالجہ بھی کروایا۔ حکیم جی بلا کے فیاض تھے قرض سے زیادہ ان کی محبت کو بھی پا گئے دوا کے ساتھ ساتھ شعر و سخن کا چٹخارہ بھی دیتے رہتے تھے مولوی عزیز مرزا صاحب تو ایسے لوگوں کی ٹوہ میں رہتے اللہ دے اور بندہ لے چلتے وقت ان کو بھی اپنے ساتھ حیدرآباد لے آئے پھر کیا تھا رات دن شعر و سخن کی مجلسیں گرم رہتیں اور حکیم جی بلبل ہزار داستان کی طرح چہکتے رہتے تھے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ مرزا صاحب اُن کو مہاراجہ کشن پرشاد بہادر یمین سلطنت کی خدمت میں تعارف کیلئے اپنے ساتھ لے گئے حضرت شاد حکیم جی سے مل کر بہت شاد ہوئے اور کلام سننے کا اشتیاق ظاہر فرمایا۔ حکیم جی نے کہا سرکار! قصور معاف میں کوئی نقال نہیں قوال نہیں ڈوم نہیں گویا میں جو اپنی پرانی غزلیں یاد کر کے درباروں میں سناتا پھروں۔

www.taemeernews.com

اگر واقعی سرکار میرا کلام سننا چاہتے ہیں تو کوئی طرح عنایت ہو اسی پر ابھی غزل کہہ کر سرکار کی خدمت میں پیش کر دیتا ہوں وہ مسکرائے اور اپنی بیاض کھول کر طبع آزمائی کیلئے اپنا ایک مصرعہ دیا۔

ادھر دل شاد ہوتا ہے، اُدھر ناشاد ہوتا ہے

کہتے ہیں کہ مہاراجہ نے یہ بھی فرمائش کی کہ حکیم جی! مادر زاد کے قافیہ کو نہ بھولیے گا حکیم جی نے فوراً پندرہ یا سولہ شعر فی البدیہ کہہ کر سنائے اس غزل کے دو چار شعر مجھے بھی یاد رہ گئے ہیں۔ وہ آپ سن لیجئے ؎

چمن میں ہر طرف شور مبارک باد ہوتا ہے
کوئی بلبل اسیر پنجۂ صیاد ہوتا ہے

غم و شادی پیاپے آتے جاتے ہیں زمانے میں
ادھر دل شاد ہوتا ہے اُدھر ناشاد ہوتا ہے

تصور بھی دلِ ویراں میں اب آتا نہیں اُن کا
کوئی اجڑا ہوا گھر بھی کہیں آباد ہوتا ہے

ازل سے یہ اسیر دامِ شمشاد آئی ہیں
گلو میں قمریوں کے طوق مادر زاد ہوتا ہے

حکیم جی کو اصلاح دینے میں کمال حاصل تھا ادھر شعر سنا اُدھر بنا دیا پھر کمال یہ خیالات یا جذبات جوں کے توں صرف انھیں لفظوں کی الٹ پھیر سے شعر کو زمین سے آسمان پر سجا دیتے تھے ایک دن کرنل بسم اللہ بیگ اپنا یا کسی دوسرے صاحب کا شعر سنا رہے تھے شعر یہ تھا

تف ہے قسمت بلبل پر کہ شاخ گل پر   بوئے گل بھی نہیں سونگھی تھی کہ صیاد آیا

کہنے لگے میاں! بوئے گل سونگھا کی بجائے یوں کہو۔

تف ہے قسمت بلبل کہ شاخ گل پر   پر بھی پھیلائے نہ پائے تھے کہ صیاد آیا

www.taemeernews.com

اگر اس سے زیادہ آپ کچھ اور سننا چاہیں تو وہ بھی سن لیجئے ظفر علی خاں صاحب کے ذاکر نامہ میں جو یہ شعر ہے۔

عزیز مرزا صاحب با ایں تدبیر و ایں دانش
اٹھا سکتے نہیں ہیں سامنے وہ تیرے سر واکر

اس کے متعلق لوگوں کا بیان ہے کہ ان ہی کی جودت طبع کا نتیجہ ہے اور یہ کچھ جھلکتی ہوئی بات بھی ہے۔ اس لیے کہ حکیم جی مولوی عزیز مرزا صاحب کو عزیز مرزا صاحب کہتے تھے اور یہ بھی ممکن ہے کہ مولانا ظفر علی خاں صاحب نے خود کو پوشیدہ رکھنے کیلئے حکیم جی کی اس اضافت کا استعمال کر لیا ہو۔

۳۸ شرف یں پر بھنی شاعروں کا اکھاڑا بنا ہوا تھا۔ واحد بیگ اول، تعلقدار، غالب اور مومن سے اپنا رشتہ ملاتے تھے مولوی ابوالحمید صاحب آزاد خود داغ کا شاگرد رشید بتلاتے تھے۔ مولوی صدیق احسن صاحب فہم بلند پایہ شاعر گنے جاتے تھے، مولوی انور علی صاحب انور آسمان شعر و سخن کے ماہتاب اور خورشید حسن صاحب برج سخن کے آفتاب گردانے جاتے تھے غرض کہ بڑے سے بڑے عہدہ دار سے لیکر چھوٹے چھوٹے اہلکار بلکہ امیدوار تک شاعر ہی شاعر نظر آتے تھے اور سب سے بڑی بات یہ کہ حکیم معشوق علی خاں جوہر وہیں موجود تھے پھر کیا تھا۔ بیلف اور چپراسی تحصیلدار اور دفعدار بھی بغیر قافیہ اور ردیف کے بات نہیں کرتے تھے۔ انور علی صاحب انور نے ایک موقعہ پہ ان شعراء کے نام گنوائے تھے وہ آپ بھی سن لیجئے۔

کیسے کیسے جمع ہیں نازک خیال و نکتہ فہم
بزم یہ بزم سخن ہے یا کہ ہے صبح بہار

تیرو بادر، فہم، قاضی اطہر مقید
ارتق دیرتی تبع اقبال واجگر نثیر یار

www.taemeernews.com

ہاں سخن جان سخن آزاد و جوہر انتخاب
جن کا ہر اک شعر گویا قامت رعنائے یار

ایسے ایسے نکتہ سنجان بقا ہی کا حضور
خاک چمکے انور کنج بے زبان و خاکسار

اتفاق سے ایک دو تیا پانچویں سواروں کا نعرہ لگاتے ہوئے ہم بھی پر بھنی جا پہنچے حسن اتفاق دیکھئے اس روز رات کو جشن سالگرہ منایا جا رہا تھا میں اور حکیم جی گھر پہونچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ یار لوگ بیٹھے ہوئے قصیدے لکھ رہے ہیں انھوں نے پہلے ایک صاحب کو قصیدہ لکھوایا پھر دوسرے صاحب کو لکھوایا اور آخر میں اس بحر اور قافیہ میں اپنا قصیدہ بھی کہہ ڈالا اب ان تینوں قصیدوں کے دو دو چار چار شعر سنیئے اور ان کی بدیہہ گوئی کی داد دیجئے۔

قصیدہ نمبر ۱

حمد کے لائق ہے خلاق زمین و آسمان
ہے ثنا میں جس کے قاصر ہر زبان عالم کی زبان

جلوہ بخشا ماہ کو تا شب منور اس سے ہو
نور بخشا مہر کو تا روشنی پائے جہان

باغ عالم کو دیا عز و وقار فصل گل
فصل گل پر لالہ و گل ہو گئے ہیں حکمران

پتہ پتہ ہر شجر کا ہے مطیع نوبہار
تابع فرمان ہیں ہر نخل چمن کی ڈالیاں

قصیدہ نمبر ۲

موسم گل آ گیا رخصت ہوئی فصل خزاں
اور کچھ زیبا ہے لطف سرو باغ و آسمان

ہے ہر اک نخل گل تر ہمسر و سانہ چمن
قامت سرو چمن ہے اشک قد ہر سمان

ڈالی ہوئی ہے چمن کی بس کہ پھولوں لدی
چھٹ پڑی ہے پتہ پتہ پر بہار آستان

اور قصیدہ نمبر ۳ کے چند شعر ملاحظہ فرمائیے

ہے دماغ افروزاں روز دوں بہار پر سنیں
کیا ملے کیوں کر ملے کیسے مزاج باغباں

www.taemeernews.com

سرو مہتاب دیکھئے جس کو ہے وہ اکڑا ہوا
کبر و نخوت کا انھیں پہ پھٹ پڑا ہے آسمان

ذوق وصل گل میں بلبل کو نہیں اتنی خبر
شام ہوتی ہے کہاں اور صبح ہوتی ہے کہاں

نکہت گل پھرتی ہے گلشن میں اترائی ہوئی
کیوں نہ ہو پھر عرش اعلیٰ پر دماغ یاسمین

اس نئے انداز سے آئی ہے کھواب کے بار
کیوں تھا چھایا ہوا ہے ہر طرف یہ اک سماں

یہ تمام قصیدے سننے کے بعد بھی سامعین کی طبیعت نہیں بھری صاحب مطبع نے مکرر تمام قصیدے سننے کی فرمائش کی اور دوسرے روز چمن میں یہ مشاعرہ ہوا بھلا حکیم جی کہاں چوکنے والے تھے انھوں نے وقت اور جگہ کی مناسبت سے اپنے شاگردوں اور یار دوستوں کو نئے قصیدے لکھوا دیئے صرف ان کے قصیدے کے دو چار شعر آپ سن لیجئے فرماتے ہیں۔

صد مجد آج فصل گل ہے مہمان چمن — جھومتے ہیں فرط عشرت سے جوانان چمن
سبزہ صحن چمن ہے فرش مخمل کا جواب — قصر احمر سے فزوں ہے شان ایوان چمن
شامیانے انھیں گردوں کے ہے ہر سو تنا — صحن قیصر قصری ہے صاف میدان چمن
پتہ پتا ہے کف دست حسین کا جواب — لطف پر ہے ان دنوں حسن عروسان چمن
از کے تڑکے ہی چلائی اٹھ کے شبنم خوحت سے — گر نہ جائیں لڑکھڑا کر سر پر مستان چمن
کار پردازان گلشن کو ہوا ہے حکم آج — پھر نئے سر سے سجائے جائیں ایوان چمن
پھر نئی صورت سے ہوا آراستہ باغ سخن — پھر سال گلشن مدحت ہو مہمان چمن
موتیا، بیلا، چنبیلی، موگرا، چمپا، گلاب — بہر خدمت آج حاضر سب ہوں ارکان چمن

غرض کے حکیم جی نہایت ہی پر گو شخص ہیں اور موزوں تھے شعر دماغ پر خود بخود

www.taemeernews.com

ڈھلی ہوئی زبان پر چلے آتے تھے۔ خدا جھوٹ نہ بلائے تو ایک ایک گھنٹے میں تیس تیس بیس چالیس چالیس شعر کہہ ڈالتے تھے قلم کی زبان کند ہو جاتی مگر ان کی زبان بھی نہیں لڑکھڑاتی تھی جب چاہتے ضلع جگت کو داعایت النظر اور بھی کو رفعت دے کر تشبیہ کر دیتے اور جب چاہتے جبر کو انشا اور مساوات اور احتساب کو ایہام کے سانچے میں ڈھال کر معمولی سی بات کو زمین سے آسمان پر پہونچا دیتے تھے صنائع لفظی اور معنوی عروض وقافیہ اور الفاظ کی تراش خراش میں انھیں کمال حاصل تھا۔ سجع، تضمین، تجلی، ایہام، حسن التعلیل طباق، غرض کہ جس صنعت کا ذکر آیا اور انھوں نے اس میں باتیں شروع کر دیں۔ قصے پر قصہ اور شعر پر شعر گھنٹوں سناتے رہتے تھے۔ کہتے ہیں نثار سے شعر نہیں کہا جاتا اور شاعری سے نثر۔ پہلی بات تو سولہ آنے ہے کہ نثار سر ٹیک کر رہ جائے تو شعر نہیں کہہ سکتا مگر دوسری بات ماننے کیلئے میں تیار نہیں میں نے دیکھا کہ حکیم جی نثر عاری ہی نہیں بلکہ نثر مسجع، مقفیٰ، ضلع اور وجز غرض کہ ہر نثر پر حاوی تھے اور بے تکلف اپنا شبدیز قلم، صفحہ قرطاس پر دوڑاتے رہتے تھے بلکہ بچوں کیلئے قصے کہانیاں اور یار دوستوں سے خط وکتابت بھی مختلف صنعتوں میں کرتے رہتے تھے صنعت غیر منقوطہ میں ان کا ایک خط ملاحظہ فرمائیے سہ لکھتے ہیں

والا گہر

کل طو طاووم مددگار محکمہ مال کا کارڈ ملا اور آم کا اک ٹوکرا وصول ہوا مورد مہر و کرم ہوا اور اس دم سرکار کا مرسلہ مراسلہ رسالہ العلال مسودہ کلام اور سردار گوہر سرور کا لکھا ہوا سورہ الحمد کا حصہ ملا۔ دل مسرور ہوا سرور کا سکہ مسکوک اور کالعدم معدوم ہوا۔ لہ کلام کلام سرکار کو کلام الملوک ملک الکلام کہو مگر گوہر سرور کا طور اور مدح کس طرح ادا ہو ہر سطر کو سلک گوہر دار

www.taemeernews.com

اور ہر دائرہ کو سلک مسلسل لکھو سو کم۔

ہمارا حال معلوم ہوا ہوگا ماہ دو ماہ کا عرصہ ہوا کہ سکھ درد؟
اور آرام ہوا ہوا ہر گام مورد الم ہوا۔ ہر اک کا گل مراد کھلا
مگر کام اٹکا رہا سو ہمارا ادھر ٹوٹا ہوا دل اور ہم اور ادھر
دام و درم کا الم حواس کو کس طرح ادراک ہو رحم کر
اور کس کا سہارا ہو سر گروہ اس راہ کا
اسرار اللہ اور آل رسول اللہ کا

حاصل کلام

سرکار کو سلام اور طوطا رام کو رام رام

دعا گو

گوہر

حکیم جی کہا کرتے تھے کہ صنعت بے نقط ہو یا منقوط، منقوط، مقلوب ہو یا تفضیک، جہلہ ہو یا واسع رالعقیں یہ سب ضائع لفظی ہیں۔ اور ان سے اہل ادب کو احتراز لازم ہے ہاں لطیفہ گوئی کی حد تک یہ صنعتیں کام کی ہیں اس سے زیادہ مرض کی تو پھر خدا ہی ملا نہ وصال صنم نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے تجنیس خطی کا ذکر آیا تو ایک لطیفہ سنایا کہ ایک منشی جی کسی کلکٹر کے اجلاس پر کام کرتے تھے ایک عرضی آئی منشی جی نے اٹھائی اور سنانی شروع کر دی ختم پر لکھا تھا۔

راقم بالو ولد نتھو قوم گھوڑا پیشہ ٹھواری ساکن پیپل باندھا

اسے منشی جی نے پڑھا

راقم بالو ولد ٹٹو قوم گھوڑا پیشہ سواری پیپل سے باندھا

بعض لوگ شعر و شاعری میں استادی اور شاگردی کے قائل نہیں ہیں۔

www.taemeernews.com

اس لیے کہ شعر و شاعری کوئی گانے بجانے کا فن تو ہے نہیں کہ کہیں استاد نے گٹکڑی بتا دی، اور کہیں تال و سُر درست کر دیا۔ شاعری تو ایک کیفیت کا نام ہے جو طاری ہوتی ہے اور شاعر اپنی زبان میں ادا کر جاتا ہے۔ اب بھلا اس میں اصلاح دینے کے کیا معنی ہیں مگر حکیم جی کا معاملہ بالکل برعکس تھا وہ اس خوبی کے ساتھ اصلاح دیتے تھے اعتراض کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہتی تھی۔ خیالات اور جذبات کو ہاتھ تک نہیں لگاتے تھے۔ مضمون جوں کا توں رہتا اور صرف لفظی الٹ پھیر سے وہ شعر کو زمین سے آسمان پر پہونچا دیتے تھے۔ یا کم سے کم شاعر کو صحیح رستے پر لگا دیتے تھے۔

ایک دن کوثر علی صاحب مرثیہ گو نے کہا کہ حکیم صاحب میرا اسجع کر دیجئے حکیم جی نے ذرا سوچ کر کہا مالکِ کوثر محمدؐ ساقیٔ کوثر علی

رفیق بیگ نے کہا کہ حکیم جی صاحب لیجئے بھی فرما دیجئے کہنے لگے رفیق محمدؐ محمدؐ رفیق۔

ایک مرتبہ میاں بدر اور فرید بیٹھے ہوئے حکیم جی سے گپیں مار رہے تھے اتنا میں باہر مرزا صاحب آ دھمکے۔ کہنے لگے حکیم جی! میں ابھی مومن خاں کا دیوان پڑھ رہا تھا۔ عنوان تو ہے۔ نام مومن خاں اور نیچے شعر لکھا ہے۔

کیفیتِ وصال بس، اب کچھ نہیں رہی
کیوں کر نہ ہوں ملول میں شب کچھ نہیں رہی

کہنے لگے میاں یہ تو معمہ ہے معمہ تم تو الجبرا خوب جانتے ہو بس یہ وہی حساب ہے دیکھو ملول میں شب کو نکال دو یعنی شب کے حروف تفریق کر دو تو باقی حروف مومن خاں کے رہ جائیں گے۔ انھوں نے کہا کہ حکیم جی وہ کس طرح تو فرمایا ملول میں م ل ل۔ ح۔ ی اور ن ہے اور شب کو عربی کہتے ہیں لیل اب لیل کے حروف ملول میں سے خارج کر دیں تو مومن رہ جاتا ہے

www.taemeernews.com

بنا بریں میاں کو اس الٹ پھیر اور جمع تفریق سے لعنت نعمت ہو۔ بھیڑ کہنے لگے کہ میاں حیرت کس بات کی ہے امیر خسرو نے جو اپنے نام کا معمہ کہا ہے وہ تو اس سے بھی زیادہ پیچیدہ ہے۔ وہ کہتے ہیں

نام جت من اگر بدانی ــــــــــ سہ بے دست نہادہ بر سر سرد

یعنی سرد پر تین بے لگاؤ تو خسرو ہو جائے گا اور وہ اس طرح کہ ابجد کے حساب سے ب کے دو عدد ہیں۔ اس لیے تین ب کے ۶ ہونے۔ ۶ کو فارسی میں شش کہتے ہیں اور ش کے ہیں تین سو اس حساب سے اس شش کے جوڑے ۶۰۰ اور ۶۰۰ عدد ہیں خ اب خ کو سرد پر لگاؤ تو ہو گیا خسرد۔

بھائی فرحت نے کہا کہ حکیم صاحب یہ مضمون کا معاملہ تو نہایت نازک اور دشوار گذار ہے ایسے تو کتنی کے نام نکلیں گے جن کے معمے کہے جا سکتے ہیں کہا کہ خاک بھی دشوار نہیں دیکھو تمھارے نام کا معمہ ہے۔

عاجز انداز درک نامش خاص و عام

در بقا جشد شرت قادر شود

یعنی بقا کے ق کو در کر دو تو بدر ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد فرید سے مخاطب ہو کر کہا کہ تمھارے نام کا معمہ ہے

اول فصل بہار است بیا کا خر روز خوش بود دامن باغ و رخ دلدار

یعنی فصل کا پہلا حرف ف لو روز کو عربی میں نہار کہتے ہیں اس کا آخری حرف لے لو۔

دامن باغ ے ہے اور دلدار کا رخ ر ہے اب ان تمام حروف کو ملا لو تو فرید ہو گیا۔ اس طرح تمام لوگوں کے معمے کہے اور سب سے آخر میں بابر مرزا صاحب سے کہنے لگے کہ دیکھئے اس شعر میں آپ کا نام نکلتا ہے۔

www.taemeernews.com

قبا بر قد تو عیدی دوزد ایام

بہار را ز لطافت تمام اے سر نام

حکیم جی الفاظ کی تازگی اور ابتذال کو خوب پہچانتے تھے، ضلع جگت سے خوب واقف تھے اس لئے دو لفظوں کے ملنے سے کوئی برا پہلو پیدا ہوتا تو فوراً ٹوکتے اور شعر کو درست کر دیتے مثلاً ایک صاحب نے پڑھا۔

مرے ہے جسم مشتِ غبار کو تہ خاک میں وہ ملا گئے

کہنے لگے عقلمند پہلے اُردو تو صحیح کرے۔ تہ خاک میں بس یہ ویسی ہی اُردو ہے جیسے کوئی کہے کہ مع اہل و عیال کے بالفضلِ خدا آیا اور موٹے لفظوں میں یہ کہو کہ وہ شب لیلۃ القدر کی رات کو ساحلِ دریا کے کنارے کھڑا ہوا آب زمزم پانی پی رہا تھا۔ تہ خاک میں کے بجائے تہ خاک اس نے دبا دیا یا تہ خاک مجھ کو دبا گئے کردو۔ ایک روز شاکر صاحب نے یہ شعر پڑھا۔

زبانِ حال سے کہتے رہیں گے یہ مرجھا کر

چمن میں فصلِ خزاں کی بہار ہم بھی ہیں

کہنے لگے میاں! کان پیچھے سے ہاتھ لاکر کیا ناک پکڑتے ہو سیدھی بات کیوں نہیں کہتے۔

بتا رہا ہے ہر اک پھول کا یہ مرجھانا

خزاں رسیدہ چمن کی بہار ہم بھی ہیں

ایک دن بیٹھے ہوئے کسی کی غزل پر اصلاح دے رہے تھے اس نے شعر پڑھا

جس نے دیکھیں تیری آنکھیں ہو گیا سرشار وہ

نشہ ساقی کس غضب کا تیرے دو پیالوں میں ہے

بس فوراً اپنے زانوں پر ہاتھ مار کر بولے ارے میاں! یوں پڑھو

www.taemeernews.com

جس نے دیکھے ہیں تیرے وہ ہی متوالوں میں ہے
کس غضب کا نشہ ساقی تیرے دو پیالوں میں ہے

حکیم جی الفاظ کی تازگی اور استدلال کو خوب پہچانتے تھے ضلع جگت سے خوب واقف تھے اس لئے دو لفظوں کے ملنے سے کوئی برا پہلو ہوتا تو دوسرے کو تو پتہ تک نہیں چلتا مگر وہ فوراً ٹوکتے اور وہی شعر کو درست کر دیتے تھے چنانچہ ایک صاحب اپنی نظم سنا رہے تھے مصرع پڑھا۔

چاند کی رنگت ہوئی فق منہ تمہارا دیکھ کر — کہنے لگے اے میاں تم پڑھو گے۔ منہ تمہارا دیکھ کر اور لوگ سمجھیں گے موت مارا دیکھ کر اور ہنس پڑیں گے۔ اس لئے اسے یوں کہو چاند کا رنگت ہوئی فق رخ تمہارا دیکھکر۔

کوئی صاحب لکھ کر لائے تھے در مرے بھی بدتر ہوں کہنے کو ہوں زندہ، سن کر کہنے لگے کہ اس مصرع کے آخر میں گو زندہ اس طرح بیٹھا ہے کہ پورے شعر کی ہوا نکل گئی۔ دیکھو! گو زیدل کا رسم وہ قاعل بھی گو زندہ ہے میر ضامن علی جلال نے مطلع کہا تھا۔

سب ترے ناز میں زندہ ہی کرنے والے
ڈھونڈھ لیتے ہیں بہانہ کوئی مرنے والے

اس اعتراض کی بنیاد پر انھوں نے اپنا مصرع بدل دیا۔ گو ترے ناز ہیں سب زندہ ہی کرنے والے اس کے بعد لگاتار اسی قسم کے کئی شعر مشہور سنائے اور آخر میں ایک واقعہ بیان کیا کہ کسی صاحب نے محفل میں یہ مصرع پڑھا۔ بحر نبی کے گوہر یکتا حسین ہیں دو لوگوں نے کہا معاذ اللہ تم نے نبی کیلئے بہرے کا لفظ استعمال کیا جو ٹھیک نہیں ہے۔ انھوں نے فوری بدل کر پڑھا کان نبی کے گوہر یکتا حسین ہیں۔ لوگوں نے کہا واہ واہ۔

www.taemeernews.com

سبحان اللہ کیا اچھی اصلاح آپ نے دی ۔

بیٹے بہرے کو اور آپ کانے بنا دیا ۔ شاعر صاحب نے پھر گھبرا کر پڑھنا گنگے نبی کے گوہر یکتا حسین ہیں لوگوں نے کہا کہ تم ہرگز اس قابل نہیں کہ تمھارا کلام سنایا جائے نبی کی شان میں معاذ اللہ کیا کیا بے ہودہ بکتے ہو ۔ کبھی، بہرے بکتے ہو کبھی کانے اور کبھی گنگے ۔ شاعر صاحب اپنا سر کھجا کر چل دیئے ۔

حکیم جی کے زیادہ تر مقدمات یا تو عدم پیروی میں خارج ہو جاتے یا بعض اوقات شاعرانہ انداز کی قانونی بحث کرنے کے بعد خارج کردیئے جاتے تھے ۔ مثلاً حکیم جی عدالت تشریف لے جاتے تو بعض اوقات انھیں یہ بھی نہیں معلوم ہوتا تھا کہ میں وکیل کس طرف سے ہوں شعر پڑھتے اٹھے گون بغل میں دبایا گاڑی میں سوار ہو عدالت جا پہنچے اور یار دوستوں سے باتیں شروع کردیں اسی گفتگو کے دوران میں ذرا پلٹ کر دیکھا تو فوراً ایک صاحب نے فرشی سلام مارا پوچھا تم کون ؟ سرکار میرا مقدمہ ہے ۔ پھر تم یہاں کیسے ؟ کہا سرکار عدالت ہے، اپیل ہے اور آپ وکیل ہیں ۔

حکیم جی ہاں یاد آیا کیا مقدمہ ہے ؟ جی دہنا چچی کے قتل کا ۔

حکیم جی ـــ بھلا تمھارا نام کیا ہے ؟ جی ! مراد خاں

اچھا مراد خاں ـــــ حکیم جی نے اپنی داڑھی کریدتے ہوئے کہا ذرا اس مقدمہ کے واقعات جھٹ پٹ سنا ڈالو ۔ واقعات سن کر کہا ۔ اچھا مجھے معلوم ہو گیا ۔

تھوڑی دیر کے بعد پکار ہوئی حکیم جی اجلاس پر بیٹھے ایسہ جاریہ کا سرٹیفکیٹ اور کیمیکل اگزامنیشن وغیرہ کا صداقت نامہ اور گواہوں کے بیانات گورنمنٹ اڈوکیٹ کے سننے کے بعد حاکم عدالت نے حکیم جی سے مخاطب ہو کر کہا کہ روئیداد اور کیل سنانے کی ضرورت نہیں آپ اپنے موکل کے برات میں

www.taemeernews.com

جو کہنا چاہتے ہیں کہیئے ۔ حکیم جی یہ تو خدا ہی سے چاہتے تھے فوراً سر کو جھٹکا دیا تو عینک ناک کی پھنگ پر آ رہی ۔ اب سوچنے لگے کہ مقدمہ کو صفائی کے گواہوں سے شروع کروں یا کیا؟ تاہم انھوں نے اپنے حافظہ کے ورق الٹنے شروع کیئے تو محسوس کیا کہ جا بجا غزلوں کے فیصلے اور قصیدوں کے مسودے ٹکے ہوئے ہیں۔ حکیم جی نے فوراً تشبیب اور گریز کا خیال کرتے ہوئے اپنے مقدمہ کی بحث جج کو مخاطب کر کے شروع کی سرکار ۔ دل دختر گان کا جو مقدمہ تھا ۔

آج پھر اس کی اونکاری ہے

پھر کھلا ہے در عدالت ناز گرم بازار فوجداری ہے

جلوہ پھر عرض ناز کرتا ہے اور بازار جاں سپاری ہے

شعراء بھی ختم نہیں ہونے پائے تھے کہ حاضرین جھومنے لگے ۔ گورنمنٹ ، ایڈوکیٹ نے آپے سے باہر جو داد دی تو عدالت نے وہیں ڈانٹ پلائی ۔ حکیم جی سنبھلے اور عدالت کی طرف منہ کر کے یوں گویا ہوئے ۔ کہ معزز عدالت! میں ایسے ذی وجاہت اور ذی عزت ملزم کا وکیل ہوں جس کے باپ دادا آسمان عزت و وقار کے آفتاب و ماہتاب تھے ۔ یہ اس قدر سیدھا سادا اور گاؤ صفت انسان ہے کہ مارنا تو کجا کسی سے جھڑک کر بھی بات نہیں کرتا پھر جس کی فطرت ایسی اور فطرت بھی ایسی ہو تو بھلا ایسا انسان کسی پر ہاتھ اُٹھا سکتا ہے ۔ اور وہ بھی کسی عورت پر یہ تو اپنے سایہ سے بھی ڈرتا ہے بقول شخصے ۔

باغ پا کر خفقانی وہ ڈرتا ہے مجھے

سایۂ شاخ گل افعی نظر آتا ہے مجھے

اس موقع پر نہ صفائی کے گواہوں کی ضرورت ہے اور نہ کسی دوسری کارروائی یعنی وقت صرف کرنے کی حاجت ہے پولیس رپٹ اور گواہوں کے بیانات سے معاملہ روز روشن کی طرح عیاں اور اظہر من الشمس ہے سرکار کے

www.taemeernews.com

ہاتھ میں میزانِ عدل ہے سرکار کا تجربہ، علم اور رحم و کرم کا ساری دنیا میں نام ہے اور سرکار کا کلام زبان زدِ ہر خاص و عام ہے چنانچہ۔

قیصہ لکھنے کا وہ ملکہ کہ عالم میں ہے دھوم ۔۔۔ مانتے ہیں جس کو لوہا نفیفان روزگار
نظم و اعلیٰ کہ قرآن جیسے ہے نظم جہاں ۔۔۔ نثر وہ نثرہ کہ جیسے نثر نثرہ ہو نثار

یہ امر مسلمہ کوتوالی ہے کہ شمشیر بیٹھی گئی ہے اس کا قابض تیغ علی جمعدار تھا اب شمشیر دیکھئے تو آئینے کی طرح صاف اور دم شمشیر دیکھئے تو بلور کی طرح شفاف ہے پھر گھاٹ اور رُخ پر نظر ڈالیے تو خون یا لہو کا ایک دھبہ بھی نہیں بس معلوم ہوتا ہے کہ دکان سے ابھی صیقل کرا کر لا رہے ہیں۔ یا یہ کہو کہ جا رہے خیال کے بیچ میں یہ میر انیس کی تلوار ہے کہ

اللہ رے صفا صفائے کیا غول عدو کا ۔۔۔ دھیان نہ لگا دھار میں کافر لہو کا

پھر رویت گواہ دیکھئے تو عبد اللہ پولیس پٹیل جمن صاحب کانسٹبل اور رام ناتھ انسپکٹر خفیہ پولیس، مقدمہ کی تفتیش کرنے والے کون کہ، سپرنٹنڈنٹ پولیس اور پنچ نامہ مرتب کرنے والے کون کہ افسران کوتوالی یہ تو وہی کیفیت ہوئی کہ پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق آدمی کوئی ہمارا دم تحریر بھی تھا ۔ پھر میاں جمن پہلے تو کانسٹبل دوسرے ستر برس کے بڈھے نہ منہ میں دانت اور نہ پیٹ میں آنت، بینائی کا یہ عالم ہے کہ منبر کا رنگ، قلم کی لمبان اور چپراسیوں کی وردی تک غلط بیان کی ہے کھلا رات کے بارہ بجے اس اندھے نے واقعات دیکھے تو کیسے۔

رہے فقیر شاہ تو وہ مسلمہ گدائے شہر، رات کا پیشہ گدائی اور دن کا نظامی عروضی نے اپنے چار مقالہ میں شاعروں کی خوب خبر لی ہے بس حکیم جی بھی اسی کا ڈھول پیٹتے رہتے تھے۔ یعنی وہ اس شاعر کو سرے سے شاعر ہی نہیں گنتے تھے جس کو شہرِ زرد معروف شاعروں کے کم سے کم

www.taemeernews.com

دس بارہ ہزار شعر نہ یاد ہوں اور چوٹی کے ادیبوں کے دس بارہ ہزار برجستہ فقرے نہ حفظ ہوں عروض کے معاملہ میں تو حکیم جی تقبول شخصے سگان عروض میں سے تھے جیسے ٹیٹھ اُردو میں عروض کا کتا کہہ سکتے ہیں۔

چاہے ان کے شاگردوں میں کوئی سمجھے یا نہ سمجھے مگر وہ ضرور لکچر دیتے رہتے اور شاگرد "بزِ اُفتش" کی طرح گردن ہلاتے اور چلتے وقت وہ اپنا یہ کارنامہ اس کے گلے ضرور منڈھ دیتے تھے کہتے تھے کہ جو عروض نہ جانے وہ آدھا شاعر ہے اس لیے کہ بعض بحریں ایسی ہیں کہ جن میں صاحب فن تو غوطہ مار کر نکل جاتے ہیں لیکن صاحب ذوق غوطے کھاتا رہتا ہے۔

چنانچہ ایک مشہور قصہ ہے کہ ایک صاحبِ ذوق سعدی کے اس قطعے کو مفعول فاعلاتن، مفعول فاعلاتن کے وزن پر اس طرح پڑھ رہے تھے

چہ گفت مرا آن بلبلِ سحری   گر ذوق نیست ترا کز طبع ما موری
اشتر بشعرِ عرب حالت است عرب   تو خود چہ آدمی کہ عشق بے خبری

مختصر یہ کہ وہ مرا، سحری، ترا، جانوری عرب، طرب، روی اور بے خبری ان آٹھوں لفظوں کو زبان مبارک سے مشدد ادا کر رہے تھے ایک صاحبِ فن نے کہا کہ ظالم لفظوں کے گلے پر تشدید کا آرا کیوں چلا رہا ہے۔ ارے یہ قطعہ تو بحر بسیط میں ہے مستفعلن فعلن مستفعلن کے وزن پر کیوں نہیں پڑھتا مگر وہ اڑیل ٹٹو کی طرح برابر اڑا رہا کہ اگر الفاظ صحیح ہو گئے تو پھر شعر میں جابجا سکتہ پڑے گا۔

ایک دن کسی صاحب نے یہ شعر پڑھا۔

جہاں خاک اڑائی وہیں اب رہے ہم
کدورت عبث فکرِ مدفن سے ہے

کہنے لگے کہ تم نے زبردستی "ہم" لا کر پورے شعر کو دفن کر دیا اگر تمہیں

www.taemeernews.com

بحر متقارب کے اوزان معلوم ہوتے ہرگز یہ غلطی نہ کرتے دیکھو پہلے مصرع میں ہم زیادہ اُسے نکال دو تو شعر برابر ہو جائے گا اسے یوں پڑھو۔

جہاں خاک اڑائی گردہیں اب رہے ہے
کدورت عبث فکر مدفن سے ہے ہے

ایک دن کوئی صاحب شعر سنا رہے تھے مصرع تھا ۔

"ملا پھر بہادر جنگ ان کو خطاب"

کہنے لگے اجی حضرت! جنگ میں جنگ کا نون توستہید ہوگیا ملا پھر مفعولن بہادر فعولن جنگ ان کو فعولن ۔ اس نے کہا حکیم صاحب یہ میرا کہا ہوا تھوڑی ہے یہ تو صبا کا مصرع ہے کہنے لگے صبا تو صبا اگر فردوسی بھی لکھے تو غلط

حکیم جی نے ایک مشاعرہ کا ذکر کیا جو علی گڑھ میں ہوا تھا دور دور سے شعراء آئے تھے ۔ شاعروں نے اپنی اپنی غزلیں پڑھیں ۔ ان میں سے ایک صاحب نے فرمایا کہ جناب! میں ایک نظم پڑھنا چاہتا ہوں ۔ جس میں میں نے کئی ہزار الفاظ جمع کئے ہیں جن کو اہلِ دلی اور اہلِ لکھنؤ بھی غلط بولتے ہیں ۔ میر مشاعرہ نے کہا کہ مشاعرہ ختم ہونے کے بعد یہ غزل پڑھی جائے تو مناسب ہوگا مگر وہ مصر ہوگئے بڑی ردو قدح کے بعد اجازت ملی انھوں نے فوراً اپنا لبنچہ کھولا اور بے وقت کی راگنی الاپنا شروع کر دی ۔ کوئی دو ہزار شعر تھے ۔ اور الف سے لے کر یائے تک نمونہ یہ تھا

جَراحت غلط اور جِراحت صحیح ہے
لَبارت غلط اور لِبارت صحیح ہے

شَجاعت غلط اور شُجاعت صحیح ہے
رَقابت غلط اور رِقابت صحیح ہے

دباغت غلط اور دِباغت صحیح ہے
مَساحت غلط اور مِساحت صحیح ہے

حَقارت غلط اور حُقارت صحیح ہے
حَماقت غلط اور حِماقت صحیح ہے

غلط اور صحیح سنتے سنتے لوگوں کی طبیعت اکتا گئی اور جب انھوں نے دیکھا کہ لوگ ان کی صحت لفظی پر نگاہِ غلط انداز بھی نہیں ڈالتے تو بیچارے خاموش

www.taemeernews.com

ہو کر بیٹھ گئے۔

تبھی کسی صاحب نے یہ مصرع پڑھا تھا۔

اُلٹ دے مے کو ساقی نے مدیم بم میں چلے کشتی

تو وہ بے ساختہ ہو کر بولے حضرت کشتی غلط اور کشتی صحیح ہے۔ پھر کسی ،
سلیم الطبع نے فی البدیہ ایک قطعہ موزوں کر کے پڑھا جس کا ایک مصرعہ تھا۔

یہ مشاعرہ کیا ہوا خضدار خسانہ ہو گیا

وہ پھر پینترا بدل کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے صاحب مشاعرہ
غلط اور مشاعرہ صحیح ہے معاملہ رفع دفع کرنے کیلئے میر مشاعرہ نے
ظریفانہ انداز میں کہا کہ جناب ! اُردو زبان آپ کی بہت مشکور ہے کہ آپ نے
اس میں اتنی غلطیاں نکالیں۔ وہ پھر اسی لئے کھڑے ہو گئے کہ جناب یہ بھی
آپ نے غلط فرمایا دیکھئے مشکور غلط اور شکر گزار صحیح ہے۔ اس لئے کہ مشکور
تو میں ہوں اور شکر گزار اُردو زبان میں ۔

مختصر یہ کہ حکیم معشوق علی جوہر کی زندگی کی ایک جھلک ہے جو کہ ان ہی الفاظ
میں دکھائی گئی گو حکیم صاحب کو وکالت کا پیشہ اختیار کرنا پڑا حکمت چھوڑ کر لیکن ایسے
میں بھی انھوں نے شاعری کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا وہ شاعر پیدا ہوئے تھے شاعر
رہے اور شاعر مرے ۔

یہ بات تو بالکل صاف ہے کہ صرف شاعری سے پیٹ نہیں بھر سکتا تھا
اسی لئے یار لوگوں نے انھیں مشورہ دیا کہ وہ وکالت کی سند بھی حاصل کر لیں حکیم جی
پہلے تو بہت جھنجھلائے مگر بعد میں انھوں نے وکالت کی سند بھی حاصل کر لی اور ہمارے
شاعر صاحب حکیم سے وکیل بھی بن گئے آپ کیا تھا گھر پر مریضوں کے مجمع کے
ساتھ ساتھ موکلوں کا ہجوم بھی رہتا تھا۔

میں کہتا ہوں اگر استادانِ سخن کی بھی اسی طرح تقسیم کی جائے تو حکیم جی

www.taemeernews.com

استاد ٹکرڈ کے گروہ میں شمار کیئے جانے کے قابل ہیں ان کے اصلاح دینے میں یہ کمال تھا کہ جن کو چاہتے صاحبِ دیوان کر دیتے چاہے وہ صاحبِ شعر تو کیا شعر کی دم بھی نہ، جانتے ہوں اور جس کو چاہتے اُس کے سر پر ملک الشعرائی کا تاج دھر دیتے اور اس قسم کی اصلاح دیتے کہ اس میں سخن فہمی کا مادّہ پیدا ہو جاتا۔

ابن رشیق قزوینی لکھتا ہے کہ شعر کی دو قسمیں ہیں ایک تو مطبوع یعنی وہ کلام جو دل اور محبت سے لکھا جائے ایسے شعروں میں صفائی، سلاست اور حسنِ بندش کے ساتھ ساتھ محاکات اور تخیل کی روح بھی موجود ہوتی ہے اور دوسرا وہ جس میں تکلف اور بناوٹ پائی جائے۔ تکرمردہ ہے خاطر افسردہ ہے قافیہ تنگ ہو رہا ہے مگر شاعر صاحب ہیں کہ ردیف کی دُم پکڑے ہوئے میدانِ سخن میں نوک دُم چلے جا رہے ہیں ایسے لوگوں کیلئے اس نے یہ ترکیب بنائی ہے کہ وہ حمام کریں، گانا سنیں اور جب طبیعت میں نشاط اور سرور پیدا ہو اُس وقت وہ شعر و سخن کی طرف توجہ کریں۔ مجھے اس وقت استاد داغ دہلوی کا واقعہ یاد آیا وہ نہایت بدیع گو تھے اُن سے کسی نے پوچھا کہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ اس قدر تیزی کلے سے شعر کیسے کہتے ہیں؟ داغ نے پوچھا کہ بھلا آپ کیسے کہتے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ میں حقہ بھر کر پلنگ پر لیٹتا تھا۔ کروٹیں بدلتا ہوں، کبھی اُٹھتا ہوں، کبھی بیٹھتا ہوں۔ طبیعت پر زور ڈالتا ہوں تب کہیں مشکل سے ایک شعر بنتا ہے۔ داغ نے مسکرا کر کہا معاف کیجئے آپ شعر کہتے نہیں، شعر جنتے ہیں۔

بس ہمارے حکیم جی بھی شعر و سخن کے معاملے میں کسی طرح داغ سے کم نہ تھے۔ شعر کہتے تو وہ اُن کے کام کے ہوتے تھے اور وہ شعروں کے ہو کر نہیں رہ جاتے تھے چنانچہ شعر کہتے وقت نہ تو ان کو روغن بادام ملنے کی ضرورت ہوتی، نہ تالو پر چنبیلی کا تیل رگڑنے کی حاجت اور نہ کاغذ ہاتھ، ہاتھ میں دبائے افیونیوں کی صورت بنائے دریائے تخیل میں غرق رہنے کی ضرورت جو کچھ انھیں

www.taemeernews.com

کہنہ ہوتا ہیج اکھاڑے بجتے۔ شور و غل مچ رہا، مذاق ہو رہا ہے اور شعر پر شعر اور قصیدے پر قصیدے کہے رہے ہیں۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ محمد خاں بھوپالی ممکین نے ایک تصویر بنائی جس میں دریا لہریں مار رہا تھا۔ اور اس کی طوفانی موجیں پتھروں سے ٹکرا ٹکرا کر ساحل کے پرخچے اڑا رہی تھیں فاصلہ پر ایک عورت تھی جو بغل میں گھڑا دبائے سکڑی ہوئی جلی جارہی تھی۔ انھوں نے یہ تصویر حکیم جی کو بتائی اُس وقت حکیم جی اپنی غزل لکھوا رہے تھے جس کا قافیہ اور ردیف تھا۔ "دل پاش پاش" اور "سیل پاش پاش" تصویر دیکھ کر کہنے لگے اور بھئی یہ سین بھی لکھ دو۔

تو سنا کر چل دیا موجوں نے تیرے ہجر میں
سر ٹپک کر کر دیا دامانِ ساحل پاش پاش

یہاں علاج عقل میں عقل کے عین کی آنکھ پھوٹ گئی، اور علاج کا جیم عقل کے قاف سے جا ملا اب تقطیع کرو تو علاج عقل علائق (فعولن) ہو گیا۔

حکیم جی کہتے تھے کہ شعر کہنا بہت آسان ہے مگر اچھا شعر کہنا بہت مشکل ہے یہی نہیں کہ شعر توقیل، اور غریب الفاظ سے پاک ہو، تعقید لفظی اور معنوی سے مبرا ہو رفد پُر تاثیر ہو ہر لفظ بلاغت کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہو بلکہ بڑی بات تو یہ ہے کہ اس میں کوئی خالی یا بُرا پہلو نہ پیدا ہو جائے۔ جو بدنما داغ بن کر تمام خوبصورتی کو غارت کر دے ہمارے خیال کے مطابق میں" خدا اُسے سنجی" تھا جہانگیر کی مدح میں ایک قصیدہ کہہ کر دربار میں پہونچا۔ مطلع کس زور کا ہے سنو "اے تاج دولت بر سرت از ابتدا تا انتہا" جہانگیر خود بھی نکتہ اس تھا۔ مصرع سنتے ہی تیوری پر بل ڈال کر بولا، کیا تم تقطیع کرنا جانتے ہو؟ شاعر بھی بھانپ گیا کہ تاج دولت بر سرت تقطیع میں تاج دو دستفعلن، لہٰذا بر سرت رہ جاتا ہے اور دولت کے تاج کے بدلے بادشاہ کے سر پر دو لاتوں کا تاج عمدہ

www.taemeernews.com

جاتا ہے۔ فوراً تفطیع سے اپنی لاعلمی ظاہر کی اور بیوقوف بن کر دربار سے اپنا سر بچا لے گیا۔

کہتے ہیں کہ اگلے زمانہ میں شاعروں کی بڑی قدر و منزلت ہوتی تھی صرف ایک شعر پر شاہجہاں نے حکیم ہمدانی کو چاندی سونے میں تلوا دیا۔ سودا کو گھر بیٹھے ہوئے چھ ہزار روپے سالانہ وظیفہ ہوگیا۔ مصحفی کے دروازے پر اٹھارہ ہاتھی جھومتے تھے۔ دور کیوں جاؤ خود آغا کو غفرانِ مکان نے ایک مثنوی اسّی ہزار روپے مرحمت فرمائے مگر حکیم جی بچارے کو شاعری سے مرتے دم تک پھوٹی کوڑی کا فائدہ نہیں ہوا۔ سوائے زبانی جمع خرچ کے ایک کوڑی کا فائدہ نہیں ہوا یہ کیفیت دیکھ کر یار لوگوں نے انھیں مشورہ دیا کہ وہ وکالت کی سند حاصل کرلیں تو پھر پو بارے ہیں حکیم جی پہلے تو بہت جُز بُز ہوئے مگر بعد میں کچھ خیال آیا تو اللہ کا نام لے کر کوشش کی اور بغیر کسی امتحان کے وکالت کی سند حاصل کرلی یہ لیجئے ہمارے شاعر صاحب حکیم سے وکیل بھی بن گئے اب کیا تھا گھر پر مؤکلوں کے مجمع کے ساتھ موکلوں کا ہجوم بھی رہنے لگا مگر حالت یہ تھی کہ عدالت کا وقت سر پر آ گیا ہے لیکن وکیل صاحب ہیں کہ جھوم جھوم کر اپنے اشعار حاضرین کو سنا رہے ہیں۔ حاضرین ہیں کہ مستانہ وار داد دے رہے ہیں۔ ان کے محرر کو قصیدوں اور غزلوں کی ہیضہ نویسی سے اتنی مہلت نہیں ملتی تھی کہ وہ مثلوں کو تہذیب دیتا یا کاغذات کو ترتیب سے رکھتا۔ اس کے ہاتھ میں بیاض رہتی۔ حکیم جی کے زبان پر قصیدہ اور اہل معاملہ یا تو اپنا مرثیہ پڑھتے بیٹھتے رہتے یا سلام کہہ کے رخصت ہو جاتے۔

ان کو جس مقدمہ میں دیکھو حضرت موجود ہیں اور رات کو جس دروازے پر دیکھو تو حضرت بھیک مانگتے کھڑے ہیں۔ اب رہا قانونی امیر تو آپ جاہلانِ ملال ہیں۔ جتنے قانون ہیں ان کی تفسیر آپ کی زبان اور تشریح آپ کا قلم ہے جو لکھیں وہ قانون جو کہیں وہ قانون، جو کریں وہ عدالت، خونہ کریں

www.taemeernews.com

وہ عدالت جو فیصلہ کریں وہ بے نظیر اور حسنِ فیصلے کو منسوخ کریں وہ نظیر خدمت میں نظائر پیش کرنا گویا آفتاب کو آئینہ اور پیر طریقت کو رستہ بتانا ہے آپ کی تو، کیفیت ہے ؎

جس بزم میں تو ناز سے گفتار میں آئے
جاں کالبدِ صورتِ دیوار میں آئے

ہم اپنے خیال کے بیچ میں قانون کے متعلق سب کچھ کہہ چکے۔ اب فیصلہ لکھنا آپ کے ہاتھ میں ہے ملزم کو کوشش سے برات نصیب ہوئی ہے اب اس کی توضیح آپ کا قلم ہے اگر اس کے خلاف تجویز ہوئی تو مجھے اپنے موکل کی شرافت پر اعتماد ہے کہ اجلاس سے نکلنے سے پہلے اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر جائے گی اس پر رحم کیجئے کہ آپ یہ زندہ درگور ہو گیا ہے ؎

رحم کر ظالم کہ کیا بودِ چراغ کشتہ ہے
نبضِ بیماران دودِ چراغ کشتہ ہے

مختصر یہ کہ یہ ایک ایسے ذی جوہر استاد کی زندگی کی جھلک ہے جس کے سر پر علم و فضل کی دستار بھی تھی، سینہ پر علم و حکمت کا تمغہ بھی تھا اور بغل میں وکالت کا نہایت لاجواب گون تھا۔ لیکن شاعری کے جذبات کا سیلاب ان تمام بیش بہا علوم و فنون کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے گیا تھا۔ انھوں نے حکمت چھوڑ دی، وکالت بھی چھوڑی مگر شاعری کو مرتے دم تک ہاتھ سے نہ چھوڑا اور بھلا چھوٹتے کیسے وہ تو بقول شخصے شاعر پیدا ہوئے، شاعر رہے، شاعر مرے۔

www.taemeernews.com

مشاہیر سے میری ملاقات

(مولوی عظمت اللہ خاں مرحوم)

حیدرآباد پولٹری سوسائٹی کے اجلاسوں میں مشاہیر کی ملاقات کے عنوان سے کئی ممتاز شخصتوں پر مضامین پڑھے جا چکے ہیں اس مرتبہ مجھ سے فرمائش کی گئی ہے کہ مولوی عظمت اللہ خاں مرحوم سے میں اپنی ملاقات بیان کروں۔ مگر میں اس چکر میں ہوں کہ میں اپنی کون سی ملاقات بیان کروں اور کن کن باتوں کا ذکر کروں ان کی شاعری کے متعلق کہوں یا نثر نگاری کا ذکر کروں۔ ان کی ظرافت کا حال بتلاؤں یا ان کی مزاحیہ نگاری کی کیفیت ظاہر کروں۔ ان کے ملنے جلنے کے طریقوں کو بتاؤں یا اُن کے سریلے بولوں کا ذکر کروں وہ تو ایک ایسے آبشار کی طرح تھے جو خود بھی اپنی رو میں بہتے چلے جاتے تھے ساحلوں کو بھی سیراب کرتے تھے۔ اردگرد کے رقبوں کو بھی شاداب کرتے تھے اور جو ان کی رو میں آجاتا تھا اُس کو بھی اپنے ساتھ بہائے جاتے تھے۔ بیسیوں اُن کے طفیل سے ترقی پسند شاعر بنے، بیسیوں ان کے انوکھے اور نئے نویلے ادیب بنے۔ بیسیوں نے ان کے دم سے اپنے فن میں نام پیدا کیا۔ اور بیسیوں ان کے مشوروں سے آدمی بنے اور کام پر لگ گئے۔ کئی، مصنفین کے مضامین ان کے دم سے شایع ہوئے تھے اور کئی اخبار ان کے دم، سے چلتے تھے۔

اُن سے میری پہلی ملاقات کس طرح ہوئی وہ آپ بھی سُن لیجئے۔ بہت

www.taemeernews.com

عرصے کی بات ہے کہ ایک صاحب عظمت اللہ خاں نامی، ہندوستان کے ایک مشہور و معروف سینڈو حیدرآباد آئے تھے جو نواب اکبر یار جنگ بہادر کے ہاں آکر ٹھہرے تھے وہ ایک انقلابی پہلوان تھے اور جدید قسم کی سائنٹفک ورزشیں کرتے تھے۔ چنانچہ ویٹ لفٹنگ یعنی وزن اُٹھانے میں تو انہیں کمال حاصل تھا بلا مبالغہ بغیر کسی دقت کے وہ دس دس اور بارہ بارہ من وزن اُٹھا لیتے تھے میں اُن کا شاگرد ہو گیا اور ہندوستانی پرانی ورزشوں کو چھوڑ چھاڑ ویٹ لفٹنگ کی مشق کرنے لگا۔

ہمارے دوست یعنی عظمت اللہ خاں مرحوم بھی ورزش کے شوقین تھے بھائی فخرالدین مرحوم مجھے پکڑ کر اُن کے پاس لے گئے، بہت ممکن ہے کہ خان صاحب نے بلایا ہو ــــ یا یہ خود زبردستی ہمارے استاد کے واقعات سنانے کیلئے گئے ہوں بہرحال میں وہاں پہونچا بھائی فخرالدین نے مجھے اُن سے ملایا اُن کے ڈنڈ پتلے اور بنا مرا جسم دیکھ کر مجھے خیال ہوا کہ یہ بھی کوئی پہلوان ہیں۔ وہ بڑے تپاک سے ملے، دیر تک عظمت اللہ خاں سینڈو کے حالات پوچھتے رہے پھر خود بھی انھوں نے دہلی کے دوچار پہلوانوں کے واقعات بیان کیئے، کچھ یورپ کے پہلوانوں کے قصے سنائے اس کے بعد کچھ داؤں پیچ کا ذکر چھڑ گیا تو انھوں نے اپنی مہربانی سے مجھے ایک جو جٹسو (   ) کی کتاب عنایت فرمائی جس میں جاپانی داؤں پیچ کے طریقے بتائے گئے تھے۔

اب سنیئے! اس کے بعد خاں صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ تم نے ہندوستانی ورزش میں کیا برائی دیکھی جو اُسے چھوڑ کر ویٹ لفٹنگ میں لگ گئے میں نے کہا کہ صاحب پہلے تو ہندوستانی ورزش میں وقت بہت صرف ہوتا ہے دوسرے کلائیاں اور پنڈلیاں پتلی اور گردن موٹی ہو جاتی ہے تیسرے آخر میں توند نکل آتی ہے اور چوتھے جتنا کس ویٹ لفٹنگ سے پیدا ہوتا ہے وہ ڈنڈ اور بیٹھک وغیرہ سے پیدا نہیں ہوتا یہ نہایت سیدھی سادی اور صاف ستھری ورزش ہے محنت کم اور

www.taemeernews.com

لفع زیادہ تو چھا وہ کیسے ؟ تو میں نے استاد داراب خان کا ورزش پہاڑ رٹ لیا وہ بھی آپ سُن لیجئے۔

ننّو مگدر کا ایک ڈنڈ یعنی سو بار مگدر پھیرد تو، ایک ڈنڈ کے برابر ہے یا اس سے ایک ڈنڈ کی طاقت آتی ہے پھر سُنئے۔

ننّو مگدر کا ایک ڈنڈ

ننّو ڈنڈ کی ایک تیرنہ

ننّو تیرن کی لڑنتھ

ننّو لڑنتھ کی ایک گدُن یعنی اکھاڑا گوڑنا

ننّو گدُن کی ایک اُٹھن، یعنی وزن اُٹھانا

اور ننّو اُٹھن کی ایک دن

اس پہاڑ سے کوئی کردہ بہت ہنسے مگر اتنی بات ضرور ہوئی کہ اُس روز سے خاں صاحب نے بھی ویٹ لفٹنگ شروع کر دی اور چند ہی روز کے بعد وہ اتنا وزن اُٹھانے لگے کہ میں بھی اُن سے ہار مان گیا اور مقابلہ کرنے میں بغلیں جھانکنے لگا۔ یہ تو آپ نے اُن کی جسمانی ورزش اور پہلوان کا ذکر سنا اب آپ اُن کی دماغی ورزش اور ذہنی داؤں پیچ کا حال بھی سُن لیجئے۔ سچ پوچھو تو اُن کا دماغ اُن کے جسم سے بہت زیادہ طاقتور تھا اس میدان میں اُن کی پھلت پھرت اور داؤں پیچ اتنے صاف اور منجھے ہوئے تھے کہ اُن کے دماغ نے اُن کے جسم کو پچھاڑ دیا تھا اُن کا دماغ کیا تھا ایک نمائش گاہ تھی جس میں ہر چیز قرینے سے رکھی ہوئی موجود تھی۔ جس کو جس چیز کی ضرورت ہوتی وہ اُسے فوراً وہاں مل جاتی تھی کتابوں کے تو وہ کیڑے تھے چنانچہ ہر وقت مطالعہ میں غرق رہتے تھے پھر لطف یہ ہے کہ صبح سے لیکر شام تک لوگ اُنہیں گھیرے رہتے تھے۔ بعض بعض تو رات کو بھی اُن کا پنڈ نہیں چھوڑتے تھے نہ جانے معلوم؟

www.taemeernews.com

شعر بکھلاتے تھے یا اُن کی اصلاح کراتے تھے یا اخباروں اور رسالوں کیلئے ایڈیٹوریل تیار کراتے تھے بہرحال رات کے گیارہ بجے تک وہ برابر معروف رہتے تھے پھر کمال یہ تھا کہ کوئی تازہ اخبار یا میگزین شایع ہوتا تو اُس میں اُن کا کوئی نہ کوئی مضمون یا نظم ضرور ہوتی تھی۔

حیدرآباد میں تو شاید ہی کوئی شاعر یا انشا پرداز ایسا ہوگا جو کچھ لکھے اور اُنھیں آکر سنائے بیسیوں اُن کے شاگرد تھے، بیسیوں دوست تھے، بیسیوں گردیدہ تھے اور بیسیوں عاشقِ نادیدہ تھے اب بھی کئی لوگ اُن کا کلام، گنگناتے رہتے ہیں۔ اور کئی صرف اُن کے نام ہی نام سے واقف ہیں۔ اور آگے کچھ بھی نہیں جانتے شاید اس قسم کے اُن کے رنگ و روپ، حرکات و سکنات و نشست برخواست رنگ ڈھنگ، طرز تکلم اور اُن کے ڈیل ڈول کا اندازہ نہیں ہوگا۔ اس لیئے میں پہلے الفاظ کے ذریعہ اُن کا نقشہ کھینچ دیتا ہوں تاکہ اُن کی شکل و صورت کا اندازہ آپ کو بھی اچھی طرح سے ہو جائے اور اُن کا ناک نقشہ، آپ کی آنکھوں کے سامنے ٹھہر جائے۔

خلاصا حب اچھے پورے اور اونچے ڈیل ڈول کے آدمی تھے۔ قد کوئی چھے فٹ کے قریب تھا کسرت کے شوقین تھے اس لیئے جسم بنا ہوا تھا اور سڈول تھا بھویں کشادہ تھیں، غلافی آنکھیں، ستواں ناک، دہانہ چوڑا سر پر ہلکے بال، مونچھیں چھوٹی چھوٹی ڈاڑھی صفاچٹ رنگ انار کے دانہ کی طرح سرخ سفید تھا اور چہرہ گلاب کے پھول کی طرح کھلا رہتا تھا عام طور پر تنگ چہری کا پائجامہ اور ململ کا سفید کرتا پہنتے تھے بس ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چنبیلی کے پھولوں کا، ڈھیر پڑا مسکرا رہا ہے۔ اِدھر اُدھر کتابوں کا انبار رہتا تھا ان میں ہر طرح کی کتابیں تھیں تاریخ معاشیات، عمرانیات، ارضیات، حیاتیات غرضیکہ ہر فن کی کتاب موجود تھی۔ جب کسی مسئلے پر بحث کرتے تو باتیں کرتے کرتے جس کتاب

www.taemeernews.com

وہاں بھی آنکھیں بند کر کے نکال لیتے تھے اور جو بات زیر بحث ہوتی وہ صفحہ الٹ کر پڑھنا شروع کر دیتے تھے۔

اکثر صبح کے وقت میں جاتا تو انھیں کچھ نہ کچھ پڑھتے ہوئے پاتا تھا دیکھتے ہی مسکراتے اور کتاب الٹ کر میز پر دھر دیتے تھے خدا معلوم یہ کیا بات تھی یار لوگ تاک لگائے کھڑے رہتے یا پہلے سے کوئی پروگرام بنا لیتے تھے۔ جہاں ایک آدمی کرسی پر آکر ٹکا اور پھر بھیڑ یا چال شروع ہو گئی لوگ ایک کے بعد ایک ٹپکنا شروع ہو جاتے ہیں کسی کے ہاتھ میں کتابیں رہتیں تو کسی کے بغل میں بستہ کسی کے پاس اخبار کا فائل ہوتا کسی کے ہاتھ میں سارے کاغذ دیکھتے ہی دیکھتے پوری کرسیاں بھر جاتیں۔ خان صاحب کے بازو میں ایک چھوٹی سی میز پڑی رہتی تھی اس پر وہ جنیا تمباکو کا ڈبہ، سگریٹ بنانے کا کاغذ اور دیا سلائی کی ڈبیا رکھی رہتی تھی باتیں کرتے جاتے اور ہاتھ سے سگریٹ بنا بنا کر خود بھی پیتے اور دوسروں کو بھی پلاتے۔ انھیں خود معلوم تھا کہ آنے والوں میں کون کتنے پانی میں ہے۔ اور کون صاحب کس لیے تشریف لائے ہیں۔ چنانچہ ہر ایک سے نہایت خلق و مروت سے پیش آتے اور ہر ایک کے مرتبے اور حیثیت کے مطابق برتاؤ کرتے تھے بس یہ سمجھ لو کہ ایک ادبی محفل تھی۔ جو صبح سے لے کر شام تک جمی رہتی تھی۔ ان میں سے بعض لوگ تو پڑھنے آتے تھے۔ بعض صلاح و مشورہ لینے آتے تھے اور بعض کچھ سیکھنے سکھانے اور سننے سنانے کیلئے آتے تھے۔ خان صاحب شیکسپیر کے تو عاشق تھے اس کے ڈراموں کو وہ لہک لہک کر پڑھتے تھے کہ بس وہ رماتا تھا پڑھاتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ایک دریا بہہ رہا ہے مشکل سے مشکل مقامات کو اس خوبی سے سمجھاتے تھے کہ گویا شربت کے گھونٹ ہیں جو حلق سے اترتے چلے جا رہے ہیں۔ کہتے تھے کہ شیکسپیر ایک آفاقی شاعر اور ڈرامہ نویس ہے اس نے اپنے ڈراموں میں ایسے ایسے تخیل پیکر

www.taemeernews.com

پیدا کیے ہیں جن میں سے حیاتِ انسانی کی چلتی پھرتی تصویریں ہماری نظروں میں گھومنے لگتی ہیں ساتھ ہی یہ بھی کہتے تھے کہ اُس نے کوئی طبع زاد خیال پیش نہیں کیے ہیں بلکہ تاریخ اور ناولوں سے چند جوشیلے اور پھڑکتے ہوئے قصے چن لیئے ہیں اور ان میں نئے کردار داخل کر کے اُن کو اصل سے بہتر بنا دیا ہے کہا کرتے تھے کہ اس کے ڈراموں میں ایک کمال یہ ہے کہ اگرچہ اُس نے اپنے زمانہ کے لوگوں کی زندگی اور خیالات ظاہر کیے ہیں مگر وہ آج سے تین سو سال گزر جانے پر بھی تمام دنیا کی دلچسپی کا موجب بنے ہوئے ہیں۔ یہ کیا بات ہے بات یہ ہے کہ شیکسپیئر نے اپنے ڈراموں میں صرف دلچسپ قصے، اچھی اچھی تقریریں اور مضحکہ خیز لطیفے ہی نہیں لکھے ہیں بلکہ اس نے وہ ذہنی کشمکش بھی ظاہر کی ہے۔ جو دنیا کے ہر حصے اور ہر زمانہ کی عورتوں اور مردوں میں پائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اُس نے اپنے ڈراموں میں نظم کے ایسے ایسے بیش بہا جواہر تراش کے رکھ دیئے ہیں کہ کسی طرح دماغ سے محو نہیں کیے جاسکتے چنانچہ اس زمانہ سے اب تک مہذب ملکوں کے لوگ، اُنھیں یاد کرتے ہیں اور موقع موقع سے دہراتے رہتے ہیں ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ہم لوگ مرچنٹ آف وینس دے تیس اسٹیج کر رہے تھے ڈرامیک کلب کے ممبر بولنے لگے کہ مولوی عظمت اللہ خاں کو بھی اگر ریہرسل میں بلائیں تو اچھا ہوگا۔ مگر انھیں لائیں کیسے میں نے کہا کہ میں جاتا ہوں اور اُنھیں لانے کی کوشش کرتا ہوں۔ آپ یقین مانیئے دوپہر کا وقت تھا۔ چلچلاتی ہوئی دھوپ میں اُن کے گھر پہونچا کیا دیکھتا ہوں کہ آرام کرسی پر بیٹھے ہیں ایک ہاتھ میں کتاب ہے اور دوسرے ہاتھ میں حقے کا پیچوان مزے مزے کی کتاب پڑھ رہے ہیں۔ اور گڑگڑ کر کے ساتھی کا دم بھر رہے ہیں مجھے دیکھتے ہی کتاب اُلٹ کر میز پر دھری ریہرسل ضرور دیکھوں گا بس یہ کہہ کر اُٹھے لونگا کالے بالوں والی ٹوپی سر پر اُڑھی، شیروانی پہنی اور اپنی

www.taemeernews.com

لکڑی ہاتھ میں لے کر میرے ساتھ ہو لئے۔ موقع پر پہونچے اور شروع سے آخر تک ریہرسل دیکھی پھر یار لوگوں کو پتا چلا کہ اُن کو شیکسپیر کے ڈراموں پر کس قدر عبور حاصل ہے۔ یعنی الف سے لے کر پورا کا پورا ڈرامہ اُن کی زبان پر تھا۔ جب کوئی اداکار رکتا تو پرامٹ مقام ہی ڈھونڈتا رہتا۔ اور خان صاحب لقمہ بھی دے دیتے اس کے علاوہ انھوں نے ہر ایک کو اسٹیج پر داخل ہونے کا طریقہ ایک دوسرے سے بات چیت خود کلامی اور کانا پھوسی کرنے کا سلیقہ آنکھ اور چہرے سے خیالات اور جذبات کے اظہار کرنے کے ڈھنگ اور آواز کے اتار چڑھاؤ کے مختلف رنگ بتائے اور وہ وہ پاتیں دیں کہ ڈرامیک کلب کے پرانے اداکار جو ہیچمن دیگرے نیست کے پھنکارے مارا کرتے تھے وہ بھی دم بخود ہوگئے اور اس دن سے خان صاحب کا دم بھرنے لگے۔

ریہرسل ختم ہونے کے چلتے وقت ہمارے اسٹیج ڈائریکٹر نے اُنھیں وہ تقریر سنائی جو ڈرامے کے ختم ہونے کے بعد پڑھنے کیلئے لکھی گئی تھی۔ خاں صاحب نے فرمایا کہ بھئی! اپنی تقریر کا رنگ بھی کچھ نرالا ملتا جلتا رکھو۔ انھوں نے کہا کہ وہ تو بہت ٹیڑھی کھیر ہے۔ خان صاحب نے کہا کہ کوئی بات نہیں۔ آپ لکھے اور وہیں کھڑے کھڑے دو تین صفحے کی تقریر بھی لکھوا دی وہ تقریر اتنی دلچسپ پڑھنی اور ڈرامائی رنگ میں ڈوبی ہوئی تھی کہ کئی دنوں تک اس کے چرچے رہے مقرر صاحب کی ہر جگہ تعریفیں ہوتی رہیں اور کسی نے خان صاحب کا نام تک نہیں لیا بلکہ خود خان صاحب کے آگے لوگ اُس ڈرامے اور اُس تقریر کی تعریفیں کرتے تھے۔ اور وہ بھی اُن کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے مگر خدا کے بندہ کبھی یہ زبان سے بھی نہیں نکالا کہ یہ سب کچھ میرا ہی کیا کرایا تھا۔

اسی قسم کے آپ بیسوں قصے، مضمون اور تقریریں ملیں گی جنھیں شروع سے آخر تک خان صاحب نے لکھی تھیں مگر اب وہ مال دار دوستوں کا ہوگیا

www.taemeernews.com

وہ تو خدا بخشے بھلا ہو فرحت کا جس نے بھانڈا پھوڑ دیا اور پھر لوگوں کو پتا چلا کہ فلاں مضمون خاں صاحب کا لکھا ہوا ہے اور فلاں ایڈیٹوریل نوٹ میرے سامنے، خاں صاحب نے اپنی قلم سے لکھا تھا۔

شعر و شاعری کے معاملہ میں بھی خاں صاحب سب سے جدا تھے وہ ایک انقلابی شاعر تھے۔ نیچرل شاعری اور نظم مسلسل پر جان دیتے تھے غزل گوئی کے بالکل قائل نہیں تھے۔ کہتے تھے کہ غزل کا میدان نہایت تنگ ہے ایک طرف تو اس میں ردیف کا دُم چھلا لگا رہتا ہے۔ اور دوسری طرف خیالات کے گلے میں قافیے کا پھندا پڑا رہتا ہے۔ شروع سے آخر تک پوری غزل دیکھ ڈالو بس بے ربطی کا مجموعہ اور منتشر الخیالی کا مرقع ہوتی ہے۔ ایک شعر میں جدائی کا رونا ہے دوسرے میں وصل کی خوشی ہے۔ تیسرے میں شراب ناب کے مزے ہیں، چوتھے میں شیخ جی پر پھبتیاں ہیں پانچویں میں عدو کا رونا ہے۔ چھٹے میں قسمت کا گلہ ہے اور ساتویں میں فلک کج رفتار کا شکوہ ہے نہ تو اس میں صداقت کی بو باس ہوتی ہے، نہ واقعات کا سلسلہ قائم رہتا ہے، نہ اس میں تخیلی پیکر پیدا کئے جا سکتے ہیں اور نہ اس میں مصورانہ شان دکھائی جا سکتی ہے جو کہ شاعری کی جان ہے۔

وہ ہمیشہ جدید طرز کی مسلسل نظمیں لکھتے تھے اور اپنے دوستوں کو، مزے لے لے کر سناتے تھے جن کے میٹھے اور سریلے بول، ہندی بحروں میں ڈوبے ہوئے حیات انسانی کی لہریں پیش کرتے ہیں اور سننے والے کی زبان سے بے ساختہ آہ یا واہ نکل جاتی تھی۔

نہ بھلے کی تھی نہ بُرے کی تھی، مجھے کچھ جہاں کی خبر نہ تھی تمہیں عشق کا ہی جو دھیان تھا، تمہیں میری چاہ اگر نہ تھی میرے حسن کیلئے کیوں تڑپتے نہیں لیتے تھے تمہیں یوں مزے۔

www.taemeernews.com

بہت چاہ چاہتا، مرے دل کو موہ کے لے لیا
مرے واسطے یہ بہشت تھی، تمہیں دل لگی تھی یہ کھیل تھا
مرے حسن کیلئے کیوں مرے! نہیں لیتے تھے تمہیں یوں مرے

مرے حسن کی جو بہار تھی مری کھل رہی تھی کلی، کلی
یہ تمہیں پہ میں نے نثار کی مرادیں لیا مری جان لی
میرے حسن کیلئے کیوں مرے! نہیں لیتے تھے تمہیں یوں مرے

تمہیں چاہ رہد کا جب ہوائے میری وہ بہشت تو جب چلی
مگر آرزو یہ ضرور تھی تمہیں دیکھ لیں کبھی کبھی
میرے حسن کیلئے کیوں مرے! نہیں لیتے تھے تمہیں یوں مرے

میرے دل سے ہوگا یہ کب بھلا، تمہیں دے سکوں کوئی بد دعا
وہ ہوا جو ماتھے پہ تھا لکھا میرے دل سے آئے گی یہ صدا
مرے حسن کیلئے کیوں مرے! نہیں لیتے تھے تمہیں یوں مرے

خاں صاحب میں ہمدردی، محبت اور خلوص کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا پھر اُن میں ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ جس میں جو صلاحیت دیکھتے تھے تو اُسے اس طرح اُچھالتے تھے کہ جس سے اس کو بھی فائدہ ہو لوگوں کو بھی فائدہ پہونچے اور علم و عمل کی دنیا میں ایک نئے باب کا اضافہ ہو جائے چنانچہ ایک صاحب[1] کو لغت اور اصطلاحات ترتیب دینے پر لگایا دوسرے[2] صاحب کو، مستقلیق ٹائپ جانتے میں بھایا، تیسرے[3] صاحب کو مزاحیہ نگاری پر آمادہ،

www.taemeernews.com

کیا اور جس حد تک اُن لوگوں نے کامیابی اور دنیا میں شہرت حاصل کی، وہ اُن کی کوششوں سے ظاہر ہوتا ہے۔

اب میری سنیئے! مجھے مصوری سے کچھ لگاؤ تھا۔ ایک مرتبہ میں غالب کی تصویر بنا رہا ہے آج خدا خدا کر کے وہ ختم ہوئی۔ اب اسے میں دیکھوں گا تم دیکھو گے اور تمہارے دو چار احباب دیکھ لیں گے اس کے بعد یہ کسی ڈرائنگ روم کی زینت بن کر رہ جائے گی۔ میں نے کہا کہ اس سے زیادہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ کہنے لگے میں تو یہ چاہتا ہوں کہ اسے حیدرآباد نہیں ہندوستان بلکہ تمام دنیا دیکھے میں نے کہا کہ وہ کس طرح؟ تو کہنے لگے وہ اس طرح کہ تم نے اس تصویر کا ہاف ٹون یا رنگین بلاک بناڈالو پھر اس سے تم غالب کی ہزاروں تصویریں چھاپ سکتے ہو۔ اس سے تمہیں بھی فائدہ ہوگا لوگوں کو بھی فائدہ ہوگا اور غالب کی تصویر گھر گھر پہونچ جائیگی۔ میں نے کہا کہ خان صاحب! میں ہاف ٹون بلاک بنانا نہیں جانتا۔ کہنے لگے ارے میاں! وہ تو نہایت آسان چیز ہے۔ یہ کہہ کر وہ اُٹھے اور الماری میں سے ایک کتاب نکال لائے۔ اس پر لکھا تھا ہاف ٹون بلاک "خان صاحب" اس کتاب کے ورق اُلٹ اُلٹ کر تصویریں اور بلاک بنانے کی ترکیبیں بتاتے رہے۔

آخر میں وہ کتاب مجھے دے کر کہنے لگے، لے سے تم لے لو اور ذرا کوشش کر کے ایک بلاک تو بناڈالو وہ کتاب اب تک میرے پاس ہے میں نے اُن کی ہدایتوں کے مطابق بلاک بنایا اس کے بعد مجھے اس فن سے اتنی دلچسپی ہوگئی کہ بعد میں، میں نے کوشش کر کے بلاک سازی کی تعلیم پائی اور اس کے

۱؎ یہ اشارہ عبدالحق صاحب کی جانب ہے۔ ۲؎ مولوی رفیق بیگ صاحب کو اردو ٹائپ کی جانب مائل کیا تھا۔ ۳؎ مولوی مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب کو ظرافت کے میدان میں لا کھڑا کیا۔

www.taemeernews.com

بعد سے اب تک میں اُسی پھیر میں پڑا ہوں۔

مختصر یہ ہے کہ عظمت اللہ خاں مرحوم ایسی خوبیوں کے آدمی تھے اور ان کی دلچسپیاں اتنی وسیع تھیں اور اُن کے معلومات اس قدر بلند تھے کہ جو شخص بھی اُن سے ملتا تھا۔ اُس کے رجحانات، صلاحیت اور قابلیت کے لحاظ سے اُسے ایسے راستے پر لگا دیتے تھے کہ وہ اپنی زندگی میں اُس رستے پر چل نکلتا اور کامیابی کی منزل حاصل کر لیتا تھا۔

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

(اخبار سیاست سے ماخوذ کیا گیا)

www.taemeernews.com

فرحت کی زندگی کے چند پہلو

مرزا فرحت اللہ بیگ کے نام سے ہندوستان کا تقریباً ہر چھوٹا بڑا واقف ہے اور جن لوگوں نے اُن کے مضامین پڑھے ہیں وہ غالباً اُن کے شجرے سے بھی واقف ہوں گے اس لیئے کہ بعض مضمون ایسے بھی ہیں جن میں بڑی تفصیل سے وہ اپنے خاندانی حالات بیان کر گئے ہیں۔ وہ ترک نژاد تھے۔ ڈیل ڈول اور صورت شکل بھی مغلوں کی سی تھی اور آنکھیں بھی مغلوں کی طرح چھوٹی چھوٹی جیسی تھی، مگر عقاب کی طرح تیز اور نظر طائر کی طرح روشن، مغلوں کا قاعدہ تھا کہ فتح حاصل کرنے کے بعد وہ دشمنوں کے کاسۂ سر میں شراب پیتے تھے، اس رسم کو انہوں نے اپنے ایک شعر میں بڑی خوبی سے ادا کیا ہے۔

میں کچھ نہ سہی فرحتؔ اُس قوم کا ہوں لیکن
فغفوروں کے سر جس نے پیمانے بنا ڈالے

غالبؔ، خواجہ میر درد اور مومن خاں سے قرابت تھی اور خواجہ بدرالدین خاں مترجم بوستانِ خیال اور سعادت یار خاں رنگینؔ سے رشتے داری تھی۔ چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں۔

بوا یہ ریختی نکلی ہے ان ہی کے گھرانے سے
سُنا ہوگا میاں رنگینؔ سے جو رشتہ ہے فرحتؔ کا

مرحوم ہمیشہ کہتے تھے کہ میں خالی کے مہینے میں پیدا ہوا تھا۔ مگر نہ تو کبھی، اللہ نے ہمیں یہ توفیق دی کہ اُن کی پیدائش کا سنہ پوچھتے اور نہ کبھی انہوں نے بتایا۔

www.taemeernews.com

خدا مولوی غلام یزدانی صاحب کو خوش رکھے۔ انھیں سنہ اور تاریخیں بتانے میں کمال حاصل ہے اور کیوں نہ ہو۔ بچپن سے وہ اسی فن میں بڑے ہوئے ہیں مُردے قبروں سے اکھاڑتے ہیں اور پرانے سے پرانے بابا آدم کے زمانے کے مقبروں اور گنبدوں کا سنہ تعمیر بتا دیتے ہیں پھر بھلا مرحوم کا سنہ پیدائش بتا دینا ان کیلئے کیا مشکل تھا۔ بچپن کے ساتھی ہیں، میں نے پوچھا تو انھوں نے فوراً اپنی لال کتاب اُٹھائی اور پوتھی لاکر بتایا کہ مرحوم ۱۸۸۴ء کے اوایل میں پیدا ہوئے تھے، لیجئے اس حساب سے اُن کی عمر کوئی ۶۴ سال کی ہوتی ہے۔

بھائی فرحت دہلی میں پیدا ہوئے تھے، وہیں تعلیم و تربیت پائی، وہیں ایم۔ اے میں پڑھا اور وہیں چھوٹے سے بڑے ہوئے، اس کے بعد حیدرآباد آگئے۔ یہاں آکر ملازم ہوئے یہیں شادی ہوئی، یہیں پنشن ہوئی اور یہیں انتقال کیا، اور یہیں الٰہی چمن کی خاموش فضاء میں آرام سے سو رہے ہیں۔ انھیں حیدرآباد سے بہت محبت تھی، مگر شعر و شاعری اور لکھنے پڑھنے کے معاملے میں ہمیشہ بڑے فخر سے بولتے تھے کہ میاں! میں خالص دہلی کی زبان لکھتا ہوں! جہاں کہیں موقع ملتا دہلی کا ذکرِ خیر کر دیتے تھے، چنانچہ فرماتے ہیں ؎

غزل سُن کر مزا آجاتا ہے دلّی کی اردو کا
خدا اچھا رکھے واللہ کیا کہنا ہے فرحت کا

مرحوم ہر فن مولا تھے۔ مقصودی کا انھیں شوق تھا اور مضمون نگاری اور شعر و شاعری سے انھیں دلچسپی تھی۔ پھر کمال یہ ہے کہ جس فن میں ہاتھ ڈالا، اُسے اس خوبی سے کر دکھایا کہ بڑے بڑے اُستاد بھی اُن کا لوہا مان گئے۔

مرحوم کو ڈراما نویسی اور اداکاری سے قدرتی لگاؤ تھا۔ قسمت سے انگلستان کا ایک مشہور اداکار ہیمنگ نامی پھرتا پھراتا دہلی آگیا تھا۔ یہ بھلا کہاں چوکنے والے تھے فوراً پہنچے اور اُس کے شاگرد ہوگئے اور اس سے مدتوں اداکاری سیکھی۔ حافظہ بلا کا پایا تھا، جو چیز پڑھتے فوراً یاد ہو جاتی۔ اپنے پارٹ کے ساتھ دوسروں کے پارٹ

www.taemeernews.com

بھی نوکِ زبان رہتے تھے شیکسپیر کے کئی ڈرامے حفظ تھے، ہنری دی ففتھ میں، شاہ ہنری کا پارٹ اور مرچنٹ آف وینس میں شائلاک کا پارٹ، خوب کرتے تھے۔ ہاتھوں کی نپی تلی حرکات، آنکھوں کے اشارے اور آواز کا اُتار چڑھاؤ، جذبات کے جزر و مد کو اُبھارتا رہتا تھا۔ آواز میں خاص قسم کی کشش تھی، جب کڑک کر بولتے، تو معلوم ہوتا کہ ترنم بج رہا ہے۔

بھائی فرحت اپنی تعلیم ختم کر کے ۱۹۰۷ء میں دہلی سے سیدھے حیدرآباد آئے یہاں ان کے بعض رشتے دار جیسے نواب سرور الملک بہادر، نواب سر بلند جنگ، مولوی عزیز میرزا صاحب، مرزا خداداد بیگ، مرزا ساجد بیگ اور مرزا واجد بیگ وغیرہ، بڑی بڑی خدمتوں پر مامور تھے۔ مولوی عزیز مرزا ہوم سیکریٹری تھے۔ شاید یہ دیکھنے کیلئے کہ دیکھیں ہمارا یہ نوجوان رشتہ دار کتنے پانی میں ہے، فوراً ان کا تقرر گورنمنٹ ہائی اسکول چادر گھاٹ کی مددگاری پر کر دیا۔ مرحوم مدرسہ کی زندگی سے تو خوب، واقف تھے، علمی قابلیت تھی، ہنس مکھ اور ظریفانہ طبیعت تھی، کھیل کود، کشتی اور جمناسٹک میں طاق تھے اور کرکٹ وغیرہ کھیلنے میں مشاق تھے۔ انہوں نے آتے ہی وہ دلچسپیوں کے سامان بہم پہنچائے کہ چند روز ہی میں تمام طالب علموں کو اپنا گردیدہ کر لیا۔

مختصر یہ ہے کہ یہاں آکر مرزا صاحب کو جوش آیا اور پہلی مرتبہ گورنمنٹ اسکول میں انھوں نے ڈرامہ کیا۔ وہ ڈرامہ کیا تھا، چوں چوں کا مربہ تھا، اس میں اردو، فارسی عربی اور انگریزی کے الفاظ شامل تھے، مگر اس کی تعریف یہ ہے کہ وہ لوگ جنھوں نے اس ڈرامے میں حصہ لیا تھا اب تک اسی کا راگ الاپتے رہتے ہیں، اور جو تماشائی اُس وقت موجود تھے اور اس وقت بہ قیدِ حیات ہیں۔ اب تک اُس کی یاد سے لطف اُٹھاتے رہتے ہیں۔ میرزا فرحت اللہ بیگ مدرسہ میں زیادہ نہیں ٹکے۔ تھوڑے سے عرصے کے بعد ہی وہ مترجمی کی خدمت پر عدالت العالیہ میں منتقل ہو گئے، مگر وہ، اپنے طالب علموں میں ایک ایسا جذبہ چھوڑ گئے تھے جو اب تک ان کے دلوں کو گرما رہا ہے

www.taemeernews.com

چنانچہ بعض طالب علم تو ایسے ثابت قدم ثابت ہوئے، کہ جب انھیں جوتی آتا تو بغیر الٹی میٹم دیئے ہوئے نازل ہو جاتے اور اپنا سبق دہرا کر چل دیتے تھے۔ اُن میں سے ایک صاحب کا نام تو ضرور بتاؤں گا، حسین علی مرزا، آج کل عثمانیہ یونیورسٹی میں قانون کے پروفیسر ہیں۔ یہ اسکول ڈرامیٹک کلب کی روح رواں اور فنانی الڈراما تھے۔ اگر، خدانخواستہ دو چار ہفتے تک کہیں ڈرامانہ ہو تو ان کے پیٹ میں چوہے دوڑتے رہتے تھے۔ فوراً ایک نیا ڈراما لکھا جاتا، پارٹ تقسیم ہوتے، ریہرسل ہوتا، بھائی فرحت کے سامنے دُہرایا جاتا، جب وہ پاس کر دیتے تو مدرسہ میں اسٹیج کرتے تھے، یا یار دوستوں کو دعوت دے کر وہ خود اپنے گھر میں ڈراما کر ڈالتے تھے۔ ان کے علاوہ باقی اور بھی حالی موالی ہیں۔ جواب بڑھے مرنے کو آئے مگر ڈرامے کے جراثیم اب بھی ان کے تن بدن میں مینڈک کی طرح پھدکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

ہاں تو میں بھائی فرحت کے متعلق کہہ رہا تھا کہ وہ انگریزی ڈراما خوب کرتے تھے، مگر یہ انگریزی ڈرامے مدرسہ اور کالج کی حد تک تھے۔ اصلی شوق تو انھیں اردو ڈراموں سے تھا۔ کہا کرتے تھے کہ یورپ میں جو ڈرامے کا معیار قائم ہو چکا ہے اس تک پہنچنے میں ہمیں مدتیں چاہیئں۔ میاں! ہم تو بہ قول شخصے ڈرامے کی دُم بھی نہیں جانتے ـــــ مگر آغا حشر سے ان کا پرانا یارانا تھا، وہ ہمیشہ تعریف کیا کرتے تھے، کہتے تھے کہ اس کے مرنے سے اردو ادب کا ایک پہلو بالکل تاریک ہو گیا۔ ۱۳۵۴ف میں آغا حشر کا انتقال ہوا۔ مرحوم نے تاریخ کہی تھی وہ بھی سُن لیجئے ؎

حشر کے مرگ ناگہانی پر — دوستوں کی عجیب حالت ہے
کر دیا غم سے مجھ کو پژمردہ — یوں تو کہنے کو نام فرحت ہے
سوچتا تھا کہ اب کسی میں بھی — جانشینی کی قابلیت ہے

جب نہ نعم البدل رہا تو کہا
حشر کی موت اک قیامت ہے

www.taemeernews.com

وہ ڈراما دیکھتے اور خوب ٹھوک بجا کر دیکھتے، پھر فوراً اپنی رائے بھی ظاہر کرتے بلکہ دوسرے روز اُس پر ایک چٹ پٹا سا نوٹ لکھ کر اخبار جوہر یا کسی دوسرے فلمی رسالے میں بھیج دیتے۔ وہ ڈرامے میں کیا دیکھتے تھے؟ میں بتاؤں، بس گنتی کی تین چار باتیں تھیں وہ اگر ٹھیک ہیں تو ڈراما بھی ٹھیک ہے ورنہ پیسے ڈنڈ اور ڈراما بے کار، پہلے تو وہ دیکھتے تھے کہ ہر ایک کردار برابر اپنے مقررہ راستے پر چل رہا ہے یا نہیں جہاں وہ رستے سے جھٹکا اور اُنھوں نے وہیں ٹوکا کہ "لاحول ولا، ارے میاں یہ بات اس کے منہ سے کہلانے کی نہیں تھی، میرے یار نے کیا اناپ شناپ ڈرامہ لکھ مارا ہے!" پھر تاریخی پس منظر اور ماحول کو دیکھتے تھے۔ پھر یہ دیکھتے تھے کہ ڈرامے میں جو قصے ہیں اُن کی کڑیاں آپس میں ایک دوسرے سے اچھی طرح ملی ہوئی ہیں یا نہیں۔ جہاں اُس میں کوئی کمزوری دیکھی اور ٹہوکے دینے شروع کر دیئے کہ ارے میاں! یہ تو دو ڈرامے ہو گئے۔ دوسرے صاحب کو سے وہ کیا سمجھیں کہ فیقر کیا ڈالتا ہے اور کیا نکالتا ہے فوراً کہہ دیتے کہ نہیں بھائی یہ تو وہی ڈراما ہے۔ دوسرا کہاں سے آجائے گا، یہ کہتے کہ میاں! تم نے خیال نہیں کیا، ظالم نے اصل ڈرامے سے اس قصے کا ربط ہی نہیں رکھا ہے۔ تیسرے یہ چیز دیکھتے تھے کہ ڈراما دریا کی طرح بہتا چلا جائے اور ساتھ ہی ساتھ سین سینریاں آسانی سے بدلتی چلی جائیں۔ جہاں ڈرامے میں اس قسم کی کوئی رکاوٹ یا کمزوری دیکھتے تو کہتے تھے کہ چلو بھائی ذرا باہر چکر لگا آئیں، اب یہ ظالم اپنا سین بدلنے کیلئے پندرہ بیس منٹ تک کھٹ پٹ کرتا رہے گا۔

اردو ڈراموں کی اصلاح اور ترقی کیلئے حیدرآباد میں بھی کئی انجمنیں کھولی گئیں۔ اُن میں ہماری انجمن، انجمن ترقی ڈراما بھی تھی۔ مولوی فضل الرحمٰن صاحب اس کے بانی مبانی تھے۔ ایک دفعہ مولوی فضل الرحمٰن صاحب کا لکھا ہوا ڈراما، "ظاہر باطن" دکھایا جا رہا تھا "حاضرین والا تمکین" کا وہ زور کہ معاذ اللہ، تِل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ بہ قول شخصے تھالی پھینکتے تو سروں پر جاتی اور نالی چھڑکتے

www.taemeernews.com

تو اُن میں بھی نہ آتی ۔ بھائی فرحت بھی اگلی صف میں ڈٹے ہوئے تماشا دیکھ رہے تھے اور اُن کے دونوں لڑکے مرزا رفعت اللہ بیگ اور مرزا شرافت اللہ بیگ بڑے زور شور سے پارٹ کر رہے تھے ۔ ڈراما نہایت لاجواب تھا ۔ رفعت اللہ بیگ اور شرافت اللہ بیگ دونوں کے دونوں اداکاری کا حق ادا کر رہے تھے اور مرزا صاحب دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے اور پھولے نہیں سماتے تھے ۔ کبھی پلاٹ کی تعریف کرتے تھے تو کبھی زبان کی ، کبھی کرداروں کی تعریف کرتے تھے تو کبھی میک اپ کی ۔ اب سنیئے دوسرے ڈراپ کا پہلا سین ڈیپ تھا اور اتفاق دیکھیے کہ دوسرا سین بھی ڈیپ آ پڑا ۔ بھلا مرزا صاحب یہ کہاں دیکھ سکتے تھے ، فوراً ایک صاحب کو ٹہوکا دے کر بولے کہ لیجئے یہاں آ کر آپ کا ڈراما بھی قلابازی کھا گیا ۔ دوسرا تو کوئی بھی اس قلابازی کو نہ سمجھا ، مگر یہ آخر تک برابر قلابازی کھاتا رہا ۔ ڈراما ختم ہونے کے بعد گھر پہونچے ، راتوں رات ایک اسٹریٹ سین لکھا اور دوسرے روز انجمن کے معتمد صاحب کو بھیج دیا ۔ واقعی مرزا صاحب نے دُکھتی رگ پکڑی تھی اور یہ کمزوری ضرور تھی ۔ چند روز کے بعد پھر وہی ڈراما دکھایا گیا جس میں اُن کا لکھا ہوا سین شریک تھا مرزا صاحب دیکھ کر بہت خوش ہوئے ۔ ایک صاحب نے کہا کہ واہ اُستاد کمال کیا ، کیا ڈانڈے سے ڈانڈا ملایا ہے بولے دیکھ لیجئے ، جائے اُستاد خالی است ۔

بھائی فرحت نے بھی کئی ڈرامے لکھے ۔ ایک خاموش فلم کیلئے مزاحیہ ڈراما ، لکھا تھا اس میں بالکل چارلی چیپلن کا مذاق اڑایا تھا ۔ اگر وہ ہندوستان میں ہوتا تو بس مزا آ جاتا ۔

دوسرا بولتی فلم کیلئے لکھا تھا ۔ علاءالدین ایسے اہل قلم نے بھی بہت پسند کیا اس ڈرامے کو فلمانے کیلئے ایک صاحب بمبئی سے بات چیت کرنے کیلئے آئے اور اُنھوں نے کچھ ردوبدل کرنے کی اجازت چاہی ۔ کہنے لگے کہ مجھے اتنی فرصت کہاں کہ اس میں ردوبدل کرتا بیٹھوں ۔ کہنے لگے کہ آپ کوئی فکر نہ کیجئے ، وہ ہم اپنے مکالمہ نویس

www.taemeernews.com

سے درست کرالیں گے۔ بولے کہ جناب! یہ درست کرانے کے کیا معنی، میں آپ سے صاف صاف کہے دیتا ہوں کہ اگر کسی نے اس کا ایک حرف بھی اِدھر سے اُدھر کیا، تو پھر میں اُس کی جان کو آجاؤں گا اور گلا گھوٹ دوں گا۔ اس نے کہا یہ کام بغیر آپ کے مشورے کے نہیں ہوگا۔ کہنے لگے کہ آپ میرے حال پر رحم فرمایئے، میں ایسے نکمانے سے باز آیا۔ جب میں آپ لوگ بھی خامہ فرسائی کرنے کی زحمت گوارا فرمائیں۔ ارے میاں! کٹ چھٹ، پھر تو وہ ڈراما من چہ می سرایم زبنورہ چہ می سراید، کا مصداق ہو جائے گا۔ اس کے بعد تیسرا ڈراما ختم ہوا اور اُدھر ہماری انجمن کیلئے "خان بہادر" لکھا تھا مگر عجیب بات یہ ہوئی کہ ادھر وہ ڈراما ختم ہوا اور اُدھر ہماری انجمن بھی ختم ہوگئی۔ انجمن کے بانی لاسلکی کے ناظم ہوگئے، منتظمین اور ڈائرکٹر الگ الگ نوکریوں سے جا چپکے، اور اداکار الگ اپنے اپنے دھندوں سے جا لگے۔ غرض یہ کہ سب طوطے کی طرح آنکھیں پھیر کر اڑ گئے اور اس مصنوعی اسٹیج سے منہ موڑ کر دنیا کے حقیقی اسٹیج پر اپنے اپنے پارٹ ادا کرنے میں جُٹ گئے۔

اب ان کی مصوّری کا بھی کچھ حال سن لیجئے۔ انہیں مصوری اور نقشہ کشی کا، بہت شوق تھا۔ دہلی کے مشہور و معروف مصوّر اُستاد عارف کے شاگرد بھی تھے مگر یہ یاد رہے کہ ہماری آج کل کی مصوّری اور مرحوم کی مصوّری میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ ہم آج کل کے رنگ پر چلتے ہیں اور وہ پرانے رنگ پر چلتے تھے۔ ہم چہرے پر لال پیلے دھبّے مار کر چھوڑ دیتے ہیں۔ اور وہ چہرے کے گرد بڑی احتیاط سے خط کھینچ کر رنگ آمیزی کرتے اور خاص خاص طریقوں سے رنگ بھرتے تھے۔ ہم بالوں پر کوئی بھی مناسب گہرا رنگ مار کر چھوڑ دیتے ہیں۔ مگر وہ نقل مطابق اصل کے اصول پر چلتے اور رنگ میں رنگ ملا کر وہ بال کی کھال نکالتے کہ کوئی چاہے تو ایک ایک بال گن لے۔ مختصر یہ ہے کہ وہ بڑی محنت اور جاں فشانی سے تصویریں بناتے تھے اور انہیں جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

www.taemeernews.com

بہر حال وہ پچھلے زمانے کے مصوّروں کے قایل تھے۔ اور پرانے مصوّروں پر دل وجان سے شیدا تھے۔ یہاں تک کہ وہ آج کل کے برشوں کو ہاتھ تک نہیں لگاتے تھے۔ جہاں کسی موٹی تازی گلہری کو دیکھتے تو منہ میں پانی بھر آتا، فوراً کہتے کہ میاں! ذرا اس کی دُم تو توڑ لاؤ، میں اور رحمت بھائی گلہریوں کی دُم کے پیچھے پڑے رہتے بڑی بڑی ترکیبوں سے ان کو پکڑنے اور دُمیں توڑ توڑ کر اُن کی خدمت میں پیش کرتے وہ بیٹھے پھر وہ اُس کا برش بنا کر رنگ آمیزی کرتے تھے۔ کبھی کبھار رنگ بھرنے کیلئے میں اُن کا برش لینے کیلئے ہاتھ بڑھاتا تو فوراً ٹوکتے اور میرا ہاتھ روک کر کہتے کہ بس، جناب میرے برشوں پر رحم فرمایئے، یہ رنگ بھرنے کے ہیں تھوپنے کیلئے نہیں ہیں۔

تعلیمات سے عدالت العالیہ میں منتقل ہونے کے بعد کوئی دو سال تک مصوّری کا زور رہا، اس کے بعد وہ ناظم ہو گئے، پھر تو ہاتھ پاؤں جھاڑ کر مقدموں کے پیچھے پڑ گئے اور رات دن فیصلوں پر فیصلے گھسیٹتے رہتے تھے۔ ان کی ترت پھرت کاروائیوں اور تیز فیصلوں سے وکیل خوش، مدعی سست اور اہل معاملہ چست ہو گئے تھے۔ مقدمہ بازی کی گرم بازاری سے تمام شغلے ٹھنڈے ہو گئے تھے، بس مثل نویسی وہی نویسی، دمی نویسی کا زور تھا جب کوئی کسی مقدمے کی سفارش کرنے آتا، تو کہتے تھے کہ بڑی دیر کی مہربان آتے آتے ارے میاں اب کیا مَرے مُردے کو اکھاڑ رہے ہو اس مقدمے کا فیصلہ کر کے تو مدتیں ہوئیں، زمانہ ہو گیا وہ پوچھتا کہ آخر فیصلہ کیا کیا ہے؟ تو کہتے کہ کل تم خود دفتر میں جاکر دیکھ لو، سب کچھ مثل میں موجود ہے اور یہ یقین جانو کہ کوئی بات روئداد مثل کے خلاف نہیں ہے۔

بہر حال مصوّری کو خیرباد کردیا، جو نقش ونگار مکمل تھے وہ فریم کر کے لگا دیئے گئے جو نامکمل تھے یار لوگ ہاتھوں ہاتھ لے اُڑے رنگ، برش اور کاغذ وغیرہ کچھ تو یہ کہہ کر مجھے دے دیئے کہ یہ بخشند بروے دلِ شہریار" اور بچے کچے رحمت بھائی کے حوالے کر دیئے۔

www.taemeernews.com

بھائی فرحت کو کتب بینی کا بہت شوق تھا۔ بیراج خانوں سے، کباڑیوں کی دکانوں سے یا کتب فروشوں سے جب کوئی مزیدار کتاب مل جاتی تھی تو پھر تمام پروگرام منسوخ کر دیتے، یہاں تک کہ کھانا بھی برابر نہیں کھاتے تھے۔ چائے پیتے وقت ایک ہاتھ میں چائے رہتی تو دوسرے ہاتھ میں کتاب، کھانا کھاتے تو نوالہ منہ میں رہتا اور آنکھیں کتاب پر جمی رہتی تھیں۔

مرحوم اُس زمانے میں کبھی کبھار ایک دو مضمون بھی لکھ مارتے تھے، مگر ایسے مضمون کبھی اپنے نام سے نہیں چھپواتے تھے اور مجھے سخت تعجب ہوتا تھا، جب کہ اُن مضمونوں کے ساتھ اپنا نام چھپا ہوا دیکھتا تھا۔ بعض اوقات مجھے ایسے خط بھی وصول ہوتے تھے، جن میں اُن مضمونوں کی تعریف ہوتی تھی۔ اور اسی قسم کے مضامین روانہ کرنے کی فرمائش بھی کی جاتی تھی۔ اگر آپ "الحجاب" بھوپال کے رسالے دیکھیں تو اُس میں جتنے بھی مضمون چھپے ہیں۔ وہ سب میرے ہی نام سے منسوب ہیں۔ رسالہ نمایش حیدرآباد دکن میں جو مضامین میرے نام سے شایع ہوئے ہیں۔ اُن کی بھی یہی کیفیت ہے۔ اسی طرح رسالہ "افادہ" حیدرآباد میں "ہم اور ہمارا امتحان" کے دونوں حصّے میرے ہی نام سے چھاپے گئے ہیں وہ بھی مرحوم کے ہی لکھے ہوئے ہیں۔

مجھے بھی مزاحیہ مضمون لکھنے کا شوق تھا۔ اور ہم بھی اپنے آپ کو بڑا، ظریف سمجھتے تھے ایک دن میرا مضمون سُن کر کہنے لگے کہ ارے میاں! ظریف کے معنی بھنوڑے، مسخرے یا وہ گو اور بھانڈ کے تو ہیں نہیں، ظرافت تو خوش طبعی اور ذہانت کا نام ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ ہماری حماقتیں اور عیوب دل کش طریقے سے بتائے جائیں اور سیاسی، سماجی اور ملکی اصلاح، دلچسپ طریقے سے کی جائے۔ ظرافت میں تو مذاق شستہ، پاکیزہ اور صاف ستھرا ہونا چاہئیے، تم تو بھانڈوں کی ظرافت کے میدان میں اُتر آتے ہو۔ کبھی اپنا پیٹ پھُلاتے ہو کبھی پچکاتے ہو اور برہنہ ہو کر تھرکنے لگتے ہو، اگر تمہاری یہی ظرافت ہے تو ایسی ظرافت کو ہمارا دور سے

www.taemeernews.com

سلام ہے۔

میں کہتا تھا کہ بھئی! یہ نئے قسم کی ظرافت ہے کہ اُردو بھی سلیس اور بامحاورہ ہو، میدانِ سخن میں فصاحت کا گھوڑا بھی دوڑتا رہے کسی کی توہین بھی نہ کی جائے، رکیک اور سوقیانہ الفاظ بھی نہ آئیں، خواہ مخواہ لطیفے اور چٹکلے بھی نہ ٹھونسے جائیں اُلٹی سیدھی اور بے تکی باتیں بھی نہ کی جائے تو پھر بھلا سیدھی سادی باتوں میں ظرافت کدھر سے آجائے گی۔ اور اس قسم کی باتیں سُن کر لوگوں کو کس طرح ہنسی آجائے گی۔ مگر بھائی فرحت برابر یہی کہتے تھے کہ بڑا کمال تو یہی ہے کہ واقعات سے مذاق پیدا کیا جائے اور واقعات کو اس انداز میں بیان کیا جائے کہ پڑھنے والوں کو گدگداتے رہیں اور اُس کے دل و دماغ پر ایک انبساطی کیفیت پیدا کرتے رہیں وہ کہتے تھے کہ مثلاً تم کسی نادان آدمی کے حالات بیان کرو، پھر ہم دیکھتے ہیں کہ اُسے پڑھ کر کون خوش نہیں ہوتا ارے میاں! جب تم اُن کا وضع قطع اور صورت شکل دیکھ کر ہنس پڑتے ہو تو پھر اُن کے تحریری حلیے اور واقعات کی تصویریں دیکھ کر نہ ہنسنے کے کیا معنی ہیں۔

اب سنیئے! اس عرصے میں میرے استاد حکیم معشوق علی خاں جوہر کا انتقال ہوگیا۔ حکیم صاحب ہر فن میں اُستاد تھے سخن سنج، سخن فہم، ظریف الطبع، حکیم، وکیل، غرض کہ ہر فن مولا تھا۔ جس محفل میں بیٹھتے بلبلِ ہزار داستان کی طرح چہکتے رہتے تھے۔ بدیہہ گوئی کا یہ عالم تھا کہ قصیدے کے قصیدے ایک ہی بیٹھک میں لکھ دیتے تھے۔ اُنہیں مولوی عزیز مرزا صاحب مرحوم، بھوپال سے اپنے ساتھ حیدرآباد لائے تھے اور اُنہیں بہت عزیز رکھتے تھے بہرحال اُن کا انتقال ہوا۔ مولوی سجاد مرزا صاحب (مقدم تعلیمات) اُن کی بڑی آؤ بھگت کرتے تھے اور، حکیم جی بھی انہیں بڑی محبت اور عزت کی نگاہوں سے دیکھتے۔ ایک دن، سجاد مرزا صاحب بیٹھے بیٹھے مجھ سے کہنے لگے کہ ارے میاں! حکیم جی کے حالات لکھ ڈالو، مگر خشک اور روکھے پھیکے رنگ میں نہیں، بلکہ جس طرح وہ،

www.taemeernews.com

خوش بیان، خوش دماغ، خوش زبان، خوش فکر، خوش سخن، خوش گفتار اور نازک مزاج تھے، بس اسی خوش اسلوبی اور نزاکت سے تم بھی اُن کی تصویر کھینچ ڈالو، اور ساتھ ہی ساتھ انہوں نے مجھے دو چار انگریزی کتابیں بھی دیں اور کہا کہ پہلے انہیں اچھی طرح گھونٹ ڈالو اور پھر اسی رنگ میں ان کے حالات بیان کر جاؤ۔ میں اُن کے حالات لکھنے میں جٹ گیا اور جب وہ مضمون ختم ہوا تو پھر بھائی فرحت کو جا کر سنایا انہوں نے اسے بہت پسند کیا مگر کہنے لگے کہ اس میں اب بھی ضلع جگت کی بھرمار ہے۔ اور علمی چاشنی کی کمی ہے۔ میں نے کہا کہ خیر، ضلع جگت کے معاملے میں بندہ لاچار ہے۔ مگر علمی چاشنی کا فرمائیے کہ وہ کہاں سے لاؤں، کہنے لگے کہ یہ چاشنی گرما گرم نہیں ملے گی، اس کیلئے تو اُستاد کی چلمیں بھرنی پڑتی ہیں۔ اچھا جمعرات کی شام کو آؤ میں تمہیں لکھنے کی ترکیب بتاؤں گا۔ میں اس روز شام کے وقت یونہی گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں سامنے لیمپ جل رہا ہے ایک طرف چھوٹا سا صندوقچہ رکھا ہوا ہے، دوسری طرف بہت سے کاغذ بکھرے پڑے ہیں اور خود بڑے بڑے زوروں پر لکھنے میں مصروف ہیں۔ میں نے پوچھا کہ بھائی کیا لکھ رہے ہو؟ کہنے لگے کہ سامنے آ کر خاموش بیٹھ، اس وقت میں ڈاکٹر نذیر احمد کی کہانی لکھ رہا ہوں۔ میں نے ایک صفحہ اُٹھا کر پڑھا تو کہنے لگے، میاں! کیا پڑھتا ہے بس میں نے تو قلم توڑ دیا ہے اس وقت میں نے دیکھا کہ کہانی انہیں حفظ ہے اور یہ اُسے قلمبند کرتے چلے جا رہے ہیں۔ جب یہ مضمون شائع ہوا تو ہر طرف سے تعریف و تحسین کا شور بلند ہو گیا۔ مولوی عبدالحق صاحب اور مولوی غلام یزدانی صاحب نے دل کھول کر داد دی اور عظمت اللہ خاں مرحوم، سراج یار جنگ اور عنایت اللہ خاں مرحوم نے تو تعریف کے پل باندھ دیئے۔

فرحت اللہ بیگ کا تیسرا شاہکار "دہلی کا مشاعرہ" ہے مولوی عبدالحق صاحب نے اورنگ آباد کالج ڈے کے موقع پر اس مشاعرے کو اسٹیج کیا تھا۔ بھائی

www.taemeernews.com

ہجرت ایپنٹنگ ڈائرکٹر تھے، یعنی اس شاعرے کے تمام انتظامات اُن کے سپرد تھے۔ میں نے اُس ڈرامے میں غالب کا پارٹ کیا تھا۔ غالب کی ڈاڑھی، مونچھ، بھائی فرحت نے بنائی تھی۔ کلاہ پاپاخ بھی انھوں نے ہی تیار کی تھی۔ ایک بر کا ریشمی پاجامہ ہاتھ سے قطع کر کے بیٹا اور اپنے سامنے درزی سے سلوایا تھا۔ انگرکھا تیار کروایا اور جامہ دار کا چغہ بھی بنوایا تھا غرض اس ٹھاٹھ سے ہم حیدرآباد سے اورنگ آباد روانہ ہوئے وہ جلسہ کیا تھا، صلائے عام تھی یارانِ نکتہ داں کیلئے حیدرآباد سے نواب مسعود جنگ، حیدر نواز جنگ، نثار یار جنگ، امین جنگ، فخر یار جنگ، معشوق یار جنگ سب مدعو تھے غرض کہ حیدرآباد کے جنگوں سے اسٹیشن ایسا پٹ گیا تھا کہ گویا فوج کسی محاذ پر جا رہی ہے۔ اسٹیشن پر ایک چہل پہل تھی۔ بھائی فرحت پارے کی طرح بے چین اور بے قرار تھے کہ کب ریل چلے اور کب ہم اورنگ آباد میں جا دھمکیں پان پر پان کھا رہے تھے اور سگریٹ پر سگریٹ پی رہے تھے، کبھی درجے میں گھستے تھے اور کبھی پلیٹ فارم پر ٹہلنے لگتے تھے۔

اس موقع پر ایک عجیب واقعہ پیش آیا، بھائی فرحت کی اُس وقت تک وحیدالدین سلیم سے یاد اللہ نہیں تھی، دونوں ایک دوسرے کے نام سے تو واقف تھے مگر صورت سے ناآشنا تھے وحیدالدین سلیم کو پتا چلا کہ میاں فرحت بھی اورنگ آباد جا رہے ہیں اور فلاں ڈبے میں بیٹھے ہوئے ہیں، بس بے قرار ہو کر لپکے اور ڈھونڈتے ڈھنڈاتے، پتا لگاتے، ہانپتے، کانپتے اُن کے درجے تک جا پہنچے۔ بھائی فرحت اُدھر اپنے ڈبے سے نیچے اترے اور ادھر مولانا سلیم نے ایک کہی نہ دو بس لپٹ ہی تو گئے اور ایسے پٹے کہ اب چھوڑتے ہیں نہ جب، بھائی فرحت نے بہت، کوشش کی کہ اُس بوڑھے کے شکنجے سے نکلیں، مگر وہ کہاں چھوڑنے والے تھے یہ جتنا زور کرتے اتنا ہی اُن کا شکنجہ مضبوط ہوتا چلا جاتا تھا۔ آخر بے اختیار ہو کر بولے، کہ خدا کے واسطے یہ تو بتاؤ کہ میں نے ایسا کون سا قصور

www.taemeernews.com

کیا ہے جس کی یہ سزا دی جا رہی ہے۔ کہنے لگے سب سے بڑا قصور تو یہ ہے کہ تم نے نذیر احمد کی کہانی لکھ دی ہے خدا جانتا ہے فرحت! جب سے میں نے تمہارا وہ مضمون، پڑھا تب سے ملنے کو دل تڑپ رہا تھا۔ ہارے آج وہ مراد پوری ہوئی سچ تو یہ ہے کہ مضمون کیا لکھا گویا مرنے کے بعد تم نے نذیر احمد کو ہمیشہ کیلئے زندہ کر دیا۔

افسوس! ہمارا کوئی ایسا شاگرد نہیں، جو ہمارے مرنے کے بعد ہمیں بھی اسی طرح زندہ کر دے بھائی فرحت نے کہا آپ فکر نہ کیجئے، اگر آپ کے کسی شاگرد نے یہ سعادت حاصل نہیں کی تو پھر میں اس کی تکمیل کر دوں گا۔ فرمایا سچ کہتے ہو نا؟ کہنے لگے اگر یقین نہ آئے تو بسم اللہ ابھی مرکر دیکھ لیجئے، اگر مضمون نہ لکھ دوں تو میرا نام فرحت نہیں سلیم تو بلا کے زندہ دل آدمی تھے، ان باتوں سے اُن کے جسم میں زندگی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ وہ کھل کھلا کر ہنسے کہ فضاء گونج گئی۔ اس کے بعد ریل چلی، یہ دونوں ایک ہی ڈبے میں گئے اور رات بھر گپیں اڑاتے رہے۔

مختصر یہ کہ ہنستے ہنساتے دوسرے روز اورنگ آباد پہونچے۔ شاید دوسرے روز رات کے وقت دہلی کا مشاعرہ اسٹیج ہوا۔ اس کے کیا کہنے کہ نقل کو اصل کر دکھایا تھا۔ اور سچ تو اُس پر اتنا خرچ بیٹھا تھا اور قسمت سے ایسے موزوں لوگ گٹھ گئے تھے کہ پھر کسی کو دوبارہ اسٹیج کرنے کی ہمت نہیں ہوئی ہر شاعر کی وضع قطع، رنگ روپ، صورت شکل نشست برخاست کا طریقہ، لباس اور طرز گفتگو کا خاص طور پر خیال رکھا گیا تھا اور ہر ایک نے ایسا سوانگ بھرا تھا کہ اصل اور نقل میں کوئی تمیز نہیں کر سکتا تھا۔ اسٹیج پر قدم دھرتے ہی یار لوگ شور مچا دیتے تھے کہ وہ مومن خاں آئے، وہ غالب آرہے اور وہ استاد ذوق تشریف لا رہے ہیں۔

اُس مشاعرے کی ایک تصویر میرے پاس پڑی رہ گئی ہے، اُسے آپ بھی دیکھیے اور شاعروں کو پہچانیئے۔ اگر کوئی دقت ہو تو بھائی فرحت کا مشاعرہ،

www.taemeernews.com

مولا مضمون پڑھ جائیے اور حلیہ سے حلیہ ملاکر دیکھیے تو پھر آپ کے منہ سے بےاختیار واہ واہ نکل جائے گی۔

یہی وہ تصویر تھی جو مرحوم نے مہاراجہ کشن پرشاد آنجہانی کو دکھائی تھی مہاراجہ بہادر خود بھی قدیم وضع قطع کے تھے، قدیم لوگوں کی عزت کرتے تھے اور قدیم شعراء کو بڑی قدر اور محبت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ انھوں نے اس تصویر کو بڑے غور سے دیکھا، کئی شاعروں کو پہچانا، پھر آب دیدہ ہوئے یہاں تک کہ آنسو رخساروں پر بہنے لگے۔ بھائی فرحت نے پہلے تو ادھر ادھر کی باتیں کرکے اُن کا دل بہلایا اور پھر ہر پھر کر اُس تصویر کے متعلق رائے دریافت کی تو، فرمانے لگے کہ یہ بھی اُس مصوّرِ حقیقی کی قدرت تھی کہ ان تمام شعر و سخن کے بادشاہوں کو ایک جگہ جمع ہونے کا موقع دیا، پھر یہ تصویر لی گئی، وہ تمھارے پاس پہنچی، اُسے دیکھ کر پھر تم نے مشاعرہ لکھا اور پھر آج ہمیں اُن کی زیارت کرنے کا موقع ملا ـــــــ بھائی فرحت نے کہا کہ جناب! یہ بزرگ اصلی نہیں ہیں، یہ تو سب کے سب نقلی ڈاڑھیاں لگاکر بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد، کل شاعر کے پورے واقعات بیان کیے تو مہاراجہ بہادر بہت سٹپٹائے اور فرمایا کہ مرزا صاحب یہ مشاعرہ تو ہمارے محل میں بھی کیجیے، اسے دیکھ کر میرا دل تو تڑپ گیا بھائی فرحت نے حامی بھر لی مگر اپنا وعدہ پورا نہ کرسکے یہ بھی ایک تاریخی واقعہ ہے کہ جس کا، انشاءاللہ پھر کبھی انکشاف ہوگا۔

ہاں میاں نذیر احمد کی کہانی کے متعلق ایک بات کہنی تو بھول ہی گیا بھائی، فرحت کہتے تھے کہ ایک بار میں اپنے ایک دوست سے ملنے گیا، کیا دیکھتا ہوں کہ ایک مُلّا صاحب سر پر لمبا عمامہ باندھے، سفید جُبّا ڈانٹے ایک لڑکے کو پڑھا رہے ہیں یہ بزرگ بعض بعض شعروں کے تو ایسے اُلٹے سیدھے اور غلط سلط معنی بتا رہے تھے کہ مگر مولانا حالی کہیں سن پاتے تو اپنا سر پیٹ لیتے، یا صاحب کی طرح یہ کہہ اُٹھتے

www.taemeernews.com

کر سو شعر مرا بہ مدرسہ کہ برد" چنانچہ لڑکے نے یہ مصرع پڑھا کر "سانڈے تھے بلوں میں منہ چھپاتے" پوچھا مولوی صاحب! یہ سانڈے کے کیا معنی ہیں ۔ ؟ ملّا صاحب نے سانڈے کی طرح سر ہلا کر فرمایا کہ سانڈے سانڈ کی جمع ہے جیسے بھینس سے بھینسے، مرغ سے مرغے اور سانڈ سے سانڈے ۔ پھر کہنے لگے کہ یہ مصرع اس طرح بھی لکھ سکتے تھے کہ "تھے سانڈ بلوں میں منہ چھپائے" مگر مولانا حالی پرانے زمانے کے شاعر ہیں اس لیے انھوں نے یہاں بھی پرانی جمع کو برقرار رکھا ہے ۔

بالکل اسی طرح کا واقعہ میرزا فرحت اللہ بیگ کے مضمون کے ساتھ پیش آیا ان کا نذیر احمد کی کہانی والا مضمون بی اے کے کورس میں داخل تھا ۔ اس مضمون میں مولوی غلام یزدانی صاحب (سابق ناظم آثارِ قدیمہ حیدرآباد دکن) کا پورا نام لینے کی بجائے جگہ جگہ اس طرح لکھ دیا ہے کہ دانی نے کہا، اور دانی میرے ساتھ تھے، دانی نے آواز دی وغیرہ، پروفیسر صاحب پڑھا رہے تھے، ایک طالب علم نے پوچھا کہ جناب! یہ دانی کون صاحب ہیں؟ پروفیسر صاحب نے فرمایا کہ دانی کسی شخص کا نام نہیں ہے یہ لفظ دانستن سے مشتق ہے اور اس کے معنی ہیں آگہی ۔ پرانے شعراء اور علمائے متقدمین اپنے شعروں میں لفظ ہاتف لاتے تھے، میرزا فرحت اللہ دورِ جدید کے شاعر ہیں اور علمائے متاخرین سے ہیں، اس لیے آپ نے بجائے ہاتف کے دانی کو اپنا دوست بنایا ہے جس کے معنی ہیں آگہی (یا جاننے والا ہے تو) چنانچہ ایرانی شاعر کہتا ہے کہ ندا آمد یا ہاتف گفت، مگر یہ دورِ جدید کا ادیب کہتا ہے کہ دانی نے کہا ۔ بس صاحب موصوف نے بجائے لفظ ہاتف کے دانی استعمال فرمایا ہے یعنی "آگہی یعنی عقل" اسے نوٹ کر لو ۔

لوگوں کی تابڑ توڑ فرمائشوں سے مرحوم نے اپنے مضمونوں کی پہلی جلد مضامین فرحت کے نام سے چھاپی ۔ مجھ سے کہنے لگے میاں! ایک صفحہ خالی ہے میں نے کہا آپ کیا ہو گا! کہنے لگے تاریخ کہنا جانتا ہے؟ میں نے کہا تاریخ پیدائش سے آج تک تو تاریخ تو کہی نہیں، مگر دیکھیے کوشش کرتا ہوں ۔ گھر آیا، اِدھر اُدھر رات

www.taemeernews.com

صبر جاں، ڈالتا رہا، اور صبح ہوتے ہوتے ایک مادۂ تاریخ دام فکر میں پھانس لایا۔ دوسرے روز علی الصباح اُن کے پاس پہونچا اور قطعہ تاریخ کہہ سنایا، وہ آپ بھی سُن لیجئے ؎

مضامینِ فرحت کی شیرینیاں ۔۔۔ بڑھاتی ہیں پڑھنے کی دل میں ہوس

روانی بلا کی عبارت میں ہے ۔۔۔ ظرافت بھرے ہیں وہ مضموں کہ بس

پڑھو ایک جملہ تو گھنٹوں ہنسو ۔۔۔ ظرافت بھی سن سن کے کہتی ہے بس

کہا ہم نے بھی اس کی تاریخ طبع ۔۔۔ نہیں گرچہ عظمت کو اس فن سے مس

ہے تاریخ کیا بے بہا لاجواب
کہ اک بار پڑھ اور دس بار ہنس

انھوں نے فوراً مادۂ تاریخ کا پوسٹ مارٹم کیا تو دیکھا کہ ۱۳۳۰ ف برابر آرہے ہیں۔ بہت خوش ہوئے پھر کہنے لگے کہ میاں! تاریخ تو خوب کہی ہے مگر عیب یہ ہے کہ تم نے اوپر کہیں اشارہ بھی نہیں دیکر اس سے سنہ فصلی نکلتا ہے، دوسرے، ہندوستان کے لوگ فصلی کیا سمجھیں گے، اُن کیلئے تو ہجری کا سنہ ہونا ضروری ہے۔ میں تو اسی ششں و پنج میں رہا کہ نو عدد کس طرح بڑھاؤں اور فصلی کو ہجری کیسے بناؤں۔ مگر انھوں نے ایک کہی نہ دو، فوراً چوتھے شعر کا پہلا مصرع "کہا ہم نے بھی اس کی تاریخ طبع کو کانٹ چھانٹ کر اس طرح کیا "کہو سالِ فصلی میں تاریخ طبع اور آخر میں یہ شعر اضافہ کر دیا ؎

جو درکار ہو سنہ ہجری تمھیں
اسی پر اضافہ کرو نو و دس

مضامینِ فرحت کی پہلی جلد چھپی اور ہاتھوں ہاتھ ختم ہوگئی۔ پھر مضامین فرحت کا دوسرا حصہ چھپا، تیسرا چھپا، چوتھا چھپا، یہاں تک کہ یہ عدد سات حصوں تک پہونچا، اور اب بھی خدا کے فضل سے اتنا سالہ مسالا موجود ہے کہ دو تین جلدیں اور طبع ہو سکتی ہیں۔

www.taemeernews.com

مرزا فرحت اللہ بیگ بہترین مزاح نگار تھے۔ اس قسم کے مضمون لکھنے والوں میں پطرس، رشید احمد صدیقی، عظیم بیگ چغتائی، ایم اسلم، سندباد جہازی، شوکت تھانوی اور ملا رموزی بہت مشہور ہیں۔ اگر آپ سلاست زبان اور حسن بیان کے چٹخارے سے لینا چاہیں اور موقع نگاری کے دلچسپ نمونے یا ہماری قدیم تہذیب و تمدن اور پرانے لوگوں کی چلتی پھرتی تصویریں دیکھنی چاہیں تو مرزا فرحت اللہ بیگ کے مضمون پڑھیئے ان میں ظرافت کے ساتھ کیاست اور ذہانت بھی ہے اور مضمون نگاری کے بہترین نمونے بھی ہیں۔ جس مضمون کو اُٹھا کر دیکھیئے کس کس خوبی سے ان کے خدوخال نمایاں کیئے ہیں اور کس کس نزاکت سے مختلف مناظر پیش کیئے ہیں کہ ایک بار مصور بھی دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے اور کارٹونسٹ بھی دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے اور کارٹونسٹ بھی دیکھ کر بے اختیار ہنس پڑتا ہے۔

ظرافت اور خوش مذاقی تو مرحوم میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ وہ ہر چیز کو ظریفانہ رنگ میں دیکھتے تھے اور اُسے دلچسپ اور لطیف انداز میں بیان کر جاتے تھے جسے سُن کو خوشی اور مسرت کی لہر دوڑ جاتی تھی۔

مرحوم تابڑ توڑ مضمونوں پر مضمون لکھنے لگے اور دھڑا دھڑ مضامین کے حصّوں پر حصّے چھپنے لگے تو بعض اہل قلم جل اُٹھے اور اُن کے خلاف محاذ تیار کرنے لگے۔ مرحوم کو سب خبر تھی۔ مگر ان کے خلاف میں زبان تک نہیں ہلاتے تھے اور ان کی شان کے خلاف ایک لفظ بھی زبان سے نہیں نکالتے تھے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک صاحب تشریف لائے اور کہنے لگے کہ مرزا صاحب! آپ نے اپنے متعلق کچھ اور بھی سُنا۔ کہنے لگے سُنا تو بہت کچھ ہے، مگر اب تم اتنی دور سے آئے ہو تو خالی ہاتھ کیوں جاؤ، تم بھی کچھ سُنا جاؤ۔ کہنے لگے فلاں صاحب نے آپ کے متعلق یہ میدان کیا ہے کہ فرحت کو تو ہیضہ ہو گیا ہے۔ ہنس کر کہنے لگے کہ اگر یہ بات ہے تو بلا! ڈھونڈ نیا ئے طوب سے جاتے ہیں، خدا کے واسطے تم ہمارا زندہ رہو اور ہمیشہ کریں

www.taemeernews.com

سے تبلیغ میں مبتلا رہو۔

جب مرحوم نظامت صوبہ عدالت پر ناظم ہو کر گئے تو ایک صاحب مبارکباد دینے آئے اور پوچھا کہ آپ کہاں کی نظامت پر گئے ہیں؟ کہنے لگے، اب میں تھرڈ کلاس کی نظامت پر مقرر ہو گیا ہوں اور آج سے تھرڈ کلاس مجسٹریٹ بن گیا ہوں۔

ایک صاحب تشریف لائے اور انھوں نے اپنی کتاب پر مقدمہ لکھنے کی فرمائش کی۔

اس کے دو چار مضمون دیکھے، جیسی پھسپھسے سے تھے، کہنے لگے میاں! مقدمہ تم خود لکھ ڈالو اور میرے نام سے چھپوا دو، کہا، مگر آپ کا رنگ کیسے آئے گا؟ کہنے لگے میرے رنگ کی فکر مت کرو، تم ایسا رنگ اختیار کرو جس میں تمہارا رنگ جم جائے۔

ایک مرتبہ ایک صاحب سر ہو گئے کہ فلاں عنوان پر ایک مزاحیہ مضمون لکھ دیجئے کہنے لگے کہ میاں تم خود لکھو۔ وہ سوچ میں پڑ گئے۔ کہنے لگے کیا سوچتے ہو اس طرح شروع کرو، یہ لکھو، یوں ختم کر دو، اللہ اللہ خیر سلا۔ کہا کہ یہ آپ ہی لکھ دیجئے۔ کہنے لگے کہ میاں تو اب خوش مذاقی کی فوج کا بوڑھا کمزور اور نحیف ہوں لڑتا نہیں لڑاتا ہوں، تم جوان ہو، دماغ لڑاؤ، مجھ سے اچھا لکھ سکو گے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ وہ فصاحت جنگ استاد جلیل سے ملنے جا رہے تھے، میں

بھی ان کے ساتھ ہو لیا۔ جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ان کے پاس اختر یار جنگ مرحوم بیٹھے ہیں اور دو چار شاعر اور بھی تھے۔ اختر یار جنگ نے ایک شعر پڑھا۔ جس میں فکر کو مونث باندھا تھا۔ استاد جلیل نے مسکرا کر بھائی فرحت سے پوچھا کہ فکر کے متعلق آپ کی رائے کیا ہے۔ کہنے لگے جناب! میں تو دونوں طرح باندھتا ہوں۔ فرمایا وہ کیسے تو کہنے لگے کہ جب دیکھتا ہوں کہ واقعی کوئی زبردست فکر آ پڑا ہے تو اسے مذکر باندھتا ہوں اور اگر کوئی چھوٹی موٹی معمولی فکر ہے تو پھر اسے مونث باندھ جاتا ہوں۔

نثر عبدی تو بھائی فرحت کے رگ و ریشے میں تھی اور ورثے میں آئی تھی

www.taemeernews.com

غالب، مومن خاں، حکیم آغا جان عیشؔ، خواجہ میر درد، اور سعادت یار خاں رنگینؔ، سے نزدیک کا رشتہ تھا، پھر پورے کا پورا خاندان شاعر تھا۔ چچا عنایت اللہ بیگ شاکرؔ، چچا عبدالصمد بیگ ذاکرؔ، خواجہ قمرالدین راقمؔ (خلف خواجہ بدرالدین خاں مترجم بوستانِ خیال) چچا رفیع الدین وحشیؔ، مرزا ساجد بیگ، سب کے سب شاعر اور صاحبِ دیوان ہیں۔ اس حساب سے اگر دیکھا جائے تو بہ قول شخصے بھائی فرحت نے شاعری کی گود ہی میں پرورش نہیں پائی تھی، بلکہ اس کے کاندھوں پر بھی کودے ہیں۔ تو ند پر بھی اُچکے ہیں اور دو لتیاں بھی جھاڑی ہیں۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ کرزن کے دربار کے موقع پر دہلی، شاعروں کا اکھاڑا بنی ہوئی تھی۔ ہمارے گھر میں (حویلی ڈپٹی سلطان خاں) ہر مہینے مشاعرہ ہوتا تھا اور اس مشاعرے میں بھائی فرحتؔ بھی اپنی غزل پڑھا کرتے تھے اور وہ زوروں پر پڑھتے تھے کہ محفل پر چھا جاتے تھے اگر دبتے تھے تو صرف آغا شاعر دہلوی سے، اس کی آواز اس بلا کی تھی اور پڑھنے کا انداز اس غضب کا تھا کہ بے اختیار سامعین کے منہ سے واہ واہ نکل جاتی تھی۔

بھائی فرحتؔ کہتے تھے کہ میاں! اس جم غفیر میں غزل وزل کون پرکھتا ہے اصل چیز تو غزل پڑھنا ہے جو پڑھنے میں دبنگ ہوگا وہی سب کو دبا لے گا۔ کہتے تھے کہ اگر غزل کمزور ہے تو گا کر پڑھو اور کہیں سکتہ ہو تو کسی لفظ کو کھینچ تان کر پڑھ جاؤ، کسی کو غلطی کا پتا بھی نہیں چلے گا وہ کہ یہ بھی خوب پڑھتے تھے آواز رسیلی اور پاٹ دار تھی، خود ایک مقطع میں کہتے ہیں ؂

بزمِ غنا میں فرحتِ اردو کے سب مشاعرے
وہی غزل پڑھا کرے تھوڑا بہت جو گا سکے

تحت اللفظ آغا شاعر کے ڈھنگ پر پڑھتے تھے اور اس کی یہی راز بتاتے تھے۔ ایک مرتبہ آغا شاعر نے غزل پڑھی، لوگوں نے وہ گلے پھاڑ پھاڑ کر

www.taemeernews.com

تعریفیں کیں کہ آوازیں بیٹھ گئیں اور خاص کر اس شعر کو تو کئی بار پڑھوایا ؎

ہر بُنِ مو پہ رکھے ہیں اس نے تلواروں کے مُنہ
کر رکھا ہے اس نے دامن چک بہ چک میرے لیے

مشاعرہ ختم ہوا تو مرحوم آغا شاعر سے کہنے لگے کہ ارے میاں! تمہارا یہ شعر بالکل پلپلا سا ہے اس کا تو کوئی مطلب نہیں آپ استاد مانے جاتے ہیں ' ایسے شعروں سے آپ کے نام پر بٹا لگے گا۔ آغا صاحب نے ہنس کر جواب دیا کہ لوگوں کو آزمانے کے لیے غزل میں ایک دو شعر ناسخ کے رنگ کے بھی ہونے چاہئیں تاکہ اہل مشاعرہ کی سخن فہمی کا اندازہ ہو سکے۔

شاید دہلی دربار کے کچھ عرصے کے بعد ہی مولانا حسرت موہانی نے علیگڈھ میں ایک زبردست مشاعرہ کیا تھا' یہ کل ہند مشاعرہ تھا۔ اس وقت بھائی فرحت کی عمر کوئی اٹھارہ ' انیس سال کی ہوگی۔ یہ بھی اپنی غزل دبائے ہوئے پہونچے اور وہاں ' پہونچ کر ایک نہیں بلکہ دو غزلیں مسلسل پڑھیں اور اس ٹھاٹھ سے پڑھیں کہ مشاعرہ واہ واہ اور سبحان اللہ کے نعروں سے گونج اٹھا۔ اس غزل کے دو تین شعر اب تک مجھے یاد ہیں وہ آپ بھی سن لیجیے ؎

موت تو آہی چکی تھی وقت پر یار آگیا
ڈوبتے کو ایک تنکے کا سہارا ہو گیا

مجھ مریضِ عشق کا کرنے کو آئے ہیں علاج
تو جبیبوں کی خبر ان کو بھی سودا ہو گیا

نیم جاں پہلے تھا فرحت اور پھر فرقت نصیب
او نگھتے کو ٹھیلتے کا اک بہانا ہو گیا

یہ تھی ان کی دہلی میں شاعری' اب چاہے اسے تلبیس شعری کہیے یا ہاتھی کے دانت سمجھیے مگر یہ ضرور ہے کہ اصلی شاعری حیدرآباد آنے کے بعد

www.taemeernews.com

شروع ہوئی۔ یہاں معشوق علی خاں جوہر تھے، خود شہید حسین خاکسار تھے اور کئی اچھے اچھے شاعر تھے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ بعض ایسی غزلوں کا ذکر چھڑ گیا جو سخت اور سنگلاخ زمینوں میں کہی ہوئی تھیں۔ ایک صاحب نے شاہ نصیر کی وہ غزل سنائی جس کا مصرع ہے۔ ع

"نہاں ہے کب چشم ہر بشر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں"

اس غزل کے ختم ہونے کے بعد ایک صاحب نے ایک مصرع موزوں کر کے پڑھا ع

"نظام شمسی ہوا ہے ابتر فلک پہ پتھر زمین پہ تارے"

اور زمین آسمان کے قلابے ملانے لگا۔ بھائی فرحت اٹھ کر ٹہلنے لگے پھر گھر میں گئے اور خدا جھوٹ نہ بلائے کوئی دس بارہ شعر لکھ کر لائے مجھے اس کے دو شعر یاد رہ گئے ہیں وہ آپ بھی سن لیجئے ؎

جو آہ نکلے ہمارے دل سے تو دونوں عالم کا ہو یہ عالم

فلک زمیں پر، زمیں فلک پر، فلک پہ پتھر زمیں پہ تارے

پہاڑ سوزِ دروں سے اڑ کر ہوئے زمیں کی کشش سے باہر

نظام شمسی ہوا ہے ابتر، فلک پہ پتھر زمیں پہ تارے

خدا معلوم یہ شعر انہیں پہلے سے یاد تھے یا فی البدیہہ کہہ ڈالے تھے۔ بہرحال اس غزل کی بڑی تعریفیں ہوئیں، مگر ہمارے حکیم جی کو جوش آگیا، میری طرف اشارہ کر کے کہنے لگے کہ آپ شکل سے شکل طرح عصمت کو دیں اگر وہ غزل نہ لکھے تو آپ اس کی ناک کاٹ لیں۔ مرحوم نے کہا کہ قبلہ! اگر اسی قسم کی دو چار شرطیں آپ بدلیں گے تو چند روز میں، خدا نے چاہا تو اس کی ناک جڑ سے غائب ہو جائے گی۔

حکیم جی کسی سے نہیں دبے اور اگر دبے تو بھائی فرحت سے وجہ یہ تھی کہ پہلے تو مرحوم کو متعدد شعراء کے سینکڑوں شعر یاد تھے، دوسرے قدیم استادوں کے دیوان ان کی نظر سے گزر چکے تھے اور تیسری بات یہ کہ عروض و قافیہ اور بیان و معانی

www.taemeernews.com

خود بھی گہرا مطالعہ کیا تھا اور اُستادوں سے بھی پڑھا تھا۔ انھیں زبان پر عبور تھا
اور محاوروں پر پوری طرح حاوی تھے۔ مولوی غلام یزدانی صاحب جب ان کے کسی شعر
یا مضمون میں کوئی کمزور لفظ دیکھتے تو فوراً ٹوک دیتے تھے۔ کبھی جی میں آیا تو اُس
لفظ کی جگہ کوئی دوسرا لفظ بٹھا دیتے تھے اور کبھی اڑ جاتے تو ادھر کی دنیا اُدھر
ہو جائے وہ اپنی بات کی پچ کرتے رہتے۔ سند میں دو چار شعر بھی پڑھ دیتے
اور کہتے تھے کہ دہلی میں برابر یہی بولتے ہیں اور یہ بالکل فصیح ہے وہ کہتے تھے کہ
بولتے تو ضرور ہیں، مگر اسی لفظ کو موقع اور محل سے استعمال کیا جائے تو فصیح ہے
مگر یہاں تو یہ لفظ معنوی سا معلوم ہوتا ہے۔ بہر حال نہ تو کسی دوسرے میں اتنی
ہمت تھی جو انھیں ٹوکے اور نہ وہ کسی کی مانتے تھے۔ اگر کوئی دوسرا شخص اُن
کے خلاف کسی کی سند پیش کرتا تو کہتے تھے کہ میاں! تم دوسروں کی سند کیا دیتے
ہو، یہ بھی جانتے ہو کہ ہم کس خاندان سے ہیں، ہماری بات خود سند ہے۔ غرض یہ کہ
مولوی غلام یزدانی صاحب سے اُنھیں بڑی محبت اور بڑی عقیدت تھی، اُن کے
متعلق ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

میرے اندازِ روش پر ہے اصلاحِ خیال
محتسب سے کم نہیں فرحتؔ یزدانی مجھے

مرزا فرحت اللہ بیگ نہایت پُر گو اور فی البدیہہ کہنے والے شاعروں میں
سے تھے۔ ان کی مثال ایک ایسے درخت کی سی ہے، جسے ذرا ہلا دو اور بیسیوں پکے
پھل چن لو۔ اکثر شعراء طرح کے خلاف ہیں اور ایسے شعر گوئی کی مشق کا پہلا زینہ
سمجھتے ہیں۔ جس طرح ابتداء میں بچوں کو کشکینے ڈال کر الف، بے لکھنا سکھاتے
ہیں یا نئے رنگروٹ کو رائٹ لیفٹ کی آواز پر قدم ڈالنے کی مشق کراتے ہیں بس
اسی طرح نو سکھیا یا مبتدی شاعر کو طرح دے کر طبع آزمائی کراتے ہیں اور میدانِ
سخن میں کالے دیتے رہتے ہیں، بھائی فرحت بھی طرح کے بالکل خلاف تھے بلکہ

www.taemeernews.com

میرا تو دعویٰ ہے کہ سب سے پہلے شاعر فرحت اللہ بیگ ہیں جنھوں نے دہلی کا آخری مشاعرہ لکھ کر قدیم طرحی مشاعرے کے طریقے کو توڑا اور غیر طرحی مشاعرے کی ڈول ڈالی۔ ان تمام باتوں کے باوجود وہ ریڈیو کی آواز، گریموفون کے ریکارڈ، فقیروں کی صداؤں اور سودا سلف بیچنے والے لونڈوں اور راہ گیروں کی آوازوں پر کان لگائے رہتے تھے، جہاں کوئی اچھی لے یا شگفتہ زمین کا نعرہ پڑی اور فوراً غزل یا نظم لکھنے بیٹھ جاتے تھے۔

ایک مرتبہ بچے گریموفون بجا رہے تھے، کسی نے علی حسین نابینا کا گایا ہوا ریکارڈ "اشربو، اشربو، اشربو، اشربو" لگا دیا۔ بس مرزا صاحب کو جوش آ گیا۔ قلم دوات لے کر بیٹھے اور اسی وقت دس بارہ بند کہہ ڈالے۔ دو ایک بند آپ بھی سن لیجیے ؎

میرے دل میں بس اک یہی آرزو
سب بھرے میکدے کے ہوں جام و سبو
اور کہے مجھ سے وہ ساقیٔ شعلہ رو
"میں بھی دیکھوں بھلا کتنی پیتا ہے تو"
"اشربو، اشربو، اشربو، اشربو"

ایسا دیکھا نہ ہوگا تماشا کوئی
ہے قیامت جو رہ جائے تشنہ کوئی
ختم ساقی نے کر دی ہے دریا دلی
دوش پر خم ہے اور یہ صدا کو بکو
"اشربو، اشربو، اشربو، اشربو"

ایک مرتبہ سجاد مرزا صاحب نے نظامِ ہفتم کا آزاد ترجمہ کرنے کا اعلان کیا اور شاید اس کیلئے دو یا تین سو روپیے انعام بھی مقرر کیا تھا۔ اسی زمانے میں،

www.taemeernews.com

سجاد مرزا صاحب عثمانیہ ٹریننگ کالج کے پرنسپل تھے اور اس سال کئی ایسے مدرسین ٹریننگ حاصل کرنے کیلئے اضلاع سے آگئے تھے، جنھیں شعر و شاعری سے دلچسپی تھی، ان کا خیال تھا کہ ٹریننگ کالج کے طلباء یا مقامی شعرا دماغ لڑائیں گے اس طرح نئی نئی نظمیں بھی دیکھنے میں آئیں گی۔ طلباء کی امداد بھی ہو جائے گی اور ایک اچھا مجموعہ تیار ہو جائے گا۔ بس اس اعلان کے دوسرے روز ہمارے اپنا ترجمہ لے کر ٹریننگ کالج پہنچے، لے بھاگے، ریکارڈ تیار کرلیا اور جو کچھ انھیں انعام ملنا چاہیئے تھا وہ دوسروں کو دلوادیا، وہ ترانا بھی سن لیجیئے۔

اس پہ ہے حق مہرباں حق کا ہے وہ پاسباں عقل کی ہے رہبری ساتھ ہیں امن و اماں

شاہِ دکن زندہ باد

دل سے ہے اس پر فدا ملک کا چھوٹا بڑا سب کا محافظ ہے وہ اس کا محافظ خدا

شاہِ دکن زندہ باد

سب کا وہ سردار ہے مونس و غمخوار ہے رحمتِ پروردگار اس کی مددگار ہے

شاہِ دکن زندہ باد زندہ و پائندہ باد

یہ شاعری انھیں کیسے آئی! بس خود بہ خود آگئی، نہ تو وہ کسی کے شاگرد تھے اور نہ وہ شاعری کے معاملے میں اُستادی اور شاگردی کے قائل تھے۔ کہتے تھے میاں! یہ بھی کوئی گانے بجانے کا فن ہے کہ کہیں اُستاد نے گٹکری بتا دی اور کہیں تال سُر درست کر دیا۔ شاعری تو ایک کیفیت ہے جو دل پر طاری ہوتی ہے اور شاعر اپنی زبان میں ادا کر جاتا ہے اب رہی زبان اور محاورے تو اس حد تک خیر اُستاد اپنے استادی ہاتھ بتا سکتا ہے، ورنہ شاعری کیلئے تو اس کی ضرورت نہیں ہے، شاید یہی سبب تھا کہ وہ کسی ایک رنگ پر نہ ٹک سکے اور بہ قول شخصے بے لگام ہو کر میدانِ شاعری میں سرپٹ دوڑنے لگے۔ ان کا دیوان دیکھو تو ایک گلدستہ ہے جس میں رنگ رنگ کے پھول نظر آتے ہیں۔

www.taemeernews.com

مہاراجہ کشن پرشاد آنجہانی مرحوم کو بہت چاہتے تھے اور طرح طرح سے ان کا دل بڑھاتے تھے۔ مہاراجہ بہادر کے محل میں ماہانہ ایک مشاعرہ خاص ہوتا تھا، جس میں منتخب اور خاص خاص چوٹی کے شعرا شریک ہوتے تھے۔ دو طرحی مصرعے دیئے جاتے تھے، ایک فارسی کا اور دوسرا اردو کا۔ میر عابد حسین بیگم ریختی خوب کہتے تھے اور کیوں نہ کہتے، تمام عمر بھی یا پڑ بیلے تھے، لکھنؤ میں پرورش پائی تھی اور ریختی گوئی ورثے میں آئی تھی۔ شاید ایک صاحب مزاحیہ رنگ میں بھی خوب کہتے تھے۔

اب اس مشاعرے کا حال سنیئے۔ دوسرے شاعر تو ایک یا دو غزلیں پڑھ کر بیٹھ جاتے مگر مرحوم تین تین اور چار چار غزلیں پڑھا کرتے تھے۔ فارسی بھی الگ، ریختے میں الگ، ریختی میں الگ اور مزاحیہ رنگ میں الگ۔

ریختہ ملاحظہ ہو:

ہوں مشتِ خاک لیکن ہستی کی داستاں ہوں
دیکھو تو کچھ نہیں ہوں سمجھو تو اک جہاں ہوں

کس طرح قافلے کے ہمراہ چل سکوں میں
جو اٹھ کے بیٹھ جائے وہ گردِ کارواں ہوں

آزادیٔ حقیقی ملتی ہے کس کو بلبل
تو ہے قفس میں اور میں پابندِ آشیاں ہوں

خیر، ریختے کے تو کیا کہنے ہیں اب ذرا ان کا ریختی اور مزاحیہ رنگ ملاحظہ فرمائیے کہ کتنا پختہ ہے۔ بیگم سن کر اچھل پڑے، خواجہ حسن نظامی لوٹ ہوگئے اور مہاراجہ بہادر تو کہنے لگے کہ آج واقعی معلوم ہوا کہ ریختی کیسے کہتے ہیں۔

ذرا ملاحظہ ہو کہیں ایک بھی رکیک یا سوقیانہ لفظ ہے:

کیا ہی غضب دیکھو بوا ہوگیا — سامنا آج اُن کا مرا ہوگیا
چھوٹی میں اور بھلا اُن کا ہاتھ — تھا یہی قسمت میں بدا ہوگیا

www.taemeernews.com

ہوک سی کیوں اُٹھتی ہے دل میں مرے　　کیا وہ کہیں مجھ سے خفا ہو گیا

خیر سے اللہ انھیں لائے یہاں　　ہولوں سے یہ حال مرا ہو گیا

مجھ کو تو خانم ہے بس ایک ہی　　دُور نگوڑی تجھے کیا ہو گیا

کیا ہی مچائی ہوا فرحت نے دھوم

نون جو سالن میں ذرا ہو گیا

اس طرح تابڑ توڑ غزلوں پر غزلیں لکھنے اور شاعری کی ہر صنف اور ہر رنگ میں طبع آزمائی کرنے سے نظموں اور غزلوں کا انبار لگ گیا اور وہ زبردستی کے شاعر بن بیٹھے۔

مرحوم مرتے دم تک برابر اُردو کی خدمت کرتے رہے۔ مرنے سے دو دن پہلے اردو مجلس کا جلسہ انھوں نے خود اپنے گھر پر ہی کیا تھا۔ نواب مقصود جنگ بہادر نے آغا حشر کاشمیری پر مقالہ پڑھا تھا اور مرحوم نے بہت لہک لہک کر اپنی ایک غزل سنائی تھی جو غالب کے رنگ میں تھی۔ بہ قول سجاد مرزا صاحب یہ اُن کا سوانگ تھا۔ اس کے دو تین شعر آپ بھی سن لیجیے ؎

دل مرا روزِ ازل سے بے قرارِ نغمہ ہے
ہر نفس اُس کیلئے آوازِ تارِ نغمہ ہے

یہ نہیں آوازِ مطرب ہے رواں اک جوئبار
تان جو اس میں ہے گویا آبشارِ نغمہ ہے

میں کہاں فرحت کہاں اس طرزِ غالب میں غزل
ہے مگر روزِ ازل کا ہی خمارِ نغمہ ہے

یہ عجیب بات ہے کہ جلسہ ختم ہونے کے بعد ہی آئندہ کے جلسے کے پورے انتظامات سجاد مرزا صاحب کے سپرد کیے اور کہا دیکھو بھائی! آئندہ مہینے کا جلسہ نہ کرنا، گویا اُن کی آخری وصیت تھی، اس کے بعد کوئی تین گھنٹے اور جیے

ہوا۔ دوسرے روز اتوار کے دن ۲۶/ اور ۲۷/ اپریل کی درمیانی شب میں وہ اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئے۔ مولوی مسعود علی صاحب محوی نے تاریخ کہی ہے

تھے فرحت بڑے پہلوانِ سخن
زبانِ معانی تھے جانِ سخن

جو وہ اٹھ گئے اٹھ گئی اُن کے ساتھ
بہارِ زبان، عزّ و شانِ سخن

ہوا دل خزاں آ گئی باغ میں
گیا بلبلِ گلستانِ سخن

۱۹۴۷ء

۱۳۶۶ھ

www.taemeernews.com

سجّاد مرزا

سجاد مرزا صاحب، مولوی عزیز مرزا صاحب مرحوم سابق ہوم سکریٹری حکومت حیدرآباد کے منجھلے صاحبزادے ۱۲/ مارچ ۱۸۹۶ء کو پیدا ہوئے۔ یہیں ابتدائی تعلیم پائی۔ پھر علیگڈھ میں پڑھا۔ اس کے بعد وہ نظام کالج آئے۔ پھر وہاں سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کیلئے کیمبرج چلے گئے۔

علمی اور ادبی ذوق اور تصنیف و تالیف کا شوق انہیں اپنے والد سے ورثہ میں ملا ہے۔ نکتہ سنج ادیب اور نقاد بھی ہیں۔ تعلیمی دنیا میں تجربات کا وسیع میدان طے کر کے اعلیٰ معلومات اور مہارت حاصل کی اپنی ذاتی قابلیت، دیانت داری، محنت، جفاکشی، رواداری اور ہمدردی کی یہ دولت خاص و عام میں اپنا اثر پیدا کیا اور علمی خدمات پہ فائز رہے۔ مدرسوں کے صدر پہ رہے انسپکٹر آف اسکولس پہ رہے کالج کے پرنسپل پہ رہے۔ نائب ناظم تعلیمات پہ ہوئے۔ ایجوکیشنل سکریٹری کی خدمت پہ فائز ہو کر اہم کام انھوں نے انجام دیئے اور ۱۹۵۱ء کو بخوشی قبل از وقت خدمت سے سبکدوش ہو گئے۔

تعلیمی دنیا میں باہر کے لوگ انھیں ماہر تعلیم کی حیثیت سے جانتے اور حیدرآباد میں تو بچے بوڑھے سب کے سب انھیں اچھی طرح پہچانتے ہیں بچے اُن کا "دیدہ زیب قاعدہ" آنکھوں سے لگاتے رہتے پھر لڑکے ان کی "حرف جوڑ" کے جوڑ توڑ میں مشغول رہے ہیں۔ زیر ٹریننگ مدرسین اُن کا

www.taemeernews.com

ہدایات اور لکچروں کی ٹوہ میں لگے رہتے تھے۔ ہزاروں ان کی مجوزہ بے شک ہندوستانی کتابوں کی جستجو میں رہتے ہیں۔ عجلت اور کفایت کے موقع پر اکثر پریس کے لوگ ان کا ایجاد کیا ہوا بیک ٹائپ استعمال کرتے ہیں اور کوئی کمرشیل پرنٹر اور دورِ جدید کے خطاط اُن کے نو ایجاد بنیادی خط سے ٹائیٹل پیج سرخیاں اور بورڈ رنگتے رہتے ہیں۔

سجاد مرزا صاحب ۱۹۲۱ء میں جب انگلستان سے اعلیٰ تعلیم ختم کر کے چمکتے بلو آئے تو محکمۂ تعلیمات نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ انھوں نے پہلے، پربھنی اور اس کے بعد اورنگ آباد ہائی اسکول کو اپنے نظریوں کی آزمائش گاہ بنایا ۱۹۲۷ء میں انسپکٹر آف اسکولس ہو کر یہ گلبرگہ آئے تو فدوی بھی اُسی وقت گلبرگہ میں تھا اور محکمہ تعمیرات کی جریب ہاتھ میں لیے مشرکین مکانات اور مدرسہ ناپتا پھرتا تھا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ اُس وقت گلبرگہ میں بڑے بڑے منچلے سر پھرے اور مدمغ لوگ موجود تھے۔ انھوں نے آتے ہی کچھ ایسا منتر پڑھا کہ وہ سب رام ہوگئے اور اُن کا کلمہ پڑھنے لگے۔ پھر تو چند ہی روز میں اُن کی انتظامی قابلیت، مردم شناسی، رواداری اور طبیعت کی شوخی کے راگ گائے جانے لگے۔ میں پہلے دن ملنے گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اُن کا گھر اردو قاعدوں اور خطاطی کے نمونوں کی نمائش گاہ بنا ہوا ہے پھر وہاں ہندوستان کے ہی قاعدے نہیں بلکہ چین، انگلستان، ترکی، روس اور جاپان کے پرائمر بھی موجود ہیں۔ یہی حال خطاطی کے نمونوں کا بھی تھا ابن مقلہ سے لیکر میر علی کا نستعلیق، مرزا شفیع کا گھسیٹ اور مرزا شاغلو کا شکستہ بھی شامل تھا۔ یہ اس زمانہ میں بچوں کیلئے قاعدہ ترتیب دے رہے تھے اور ٹائپ کے جوڑ توڑ میں پڑے ہوئے تھے۔ میں نے دیکھا کہ جیسے وہ کام کرتے ہیں تو پہلے اس کے لٹریچر کا گہرا مطالعہ کرتے ہیں جب اُس کو ہر پہلو

www.taemeernews.com

قابو پالیتے ہیں۔ تو پھر اس طریقہ سے ابتدا کرتے ہیں کہ بس انتہا کو پہونچا دیتے ہیں۔ بڑے تجربوں کے بعد بچوں کا قاعدہ کا مسودہ تیار ہوا تجربہ کرنے کے معاملہ میں پہلے تو وہ خود ایکسپرٹ ہیں دوسرے عبد السلام صاحب ناظر تعلیمات تھے اور تیسرے یہ بندہ ۔ اگرچہ گندہ عبد السلام مرحوم باقاعدہ اپنی پارٹی کے ساتھ قاعدہ ہاتھوں میں لئے تھا رستہ گھر سے دورہ پر نکلتے اور شام تک برابر تجربہ کرتے رہتے تھے ۔ رات کو رپورٹ پیش ہوتی اور صبح پھر کانٹ چھانٹ شروع ہو جاتی ۔ غرضیکہ بڑی قطع وبرید اور محنت ومشقت کے بعد قاعدہ مرتب ہوا ۔ الفاظ کے چناؤ تصویروں کے انتخاب حرفوں کی جوڑ توڑ نشوشوں اور دائروں کی تقسیم کرنے میں جو ڈھنگ اختیار کیا ہے اس سے اُن کی ذکاوت اور جدت کا پتہ چلتا ہے ۔ مختصر یہ کہ شروع سے آخر تک اُن کا بچوں کا قاعدہ ذہنی کاوش تلاش وجستجو کا نتیجہ ہے جس کی چند تصویریں بنانے اور حرفوں کے جوڑ توڑ میں حصہ لینے کا بندوی کو بھی فخر حاصل ہے ہندوستان کے سب سے بہترین پریس ٹائمز آف انڈیا میں اس کی رنگین تصویریں تیار ہوئیں وہیں بلاک بنے اور وہیں طباعت کا کام انجام پایا ۔

سجاد مرزا صاحب گلبرگہ میں کوئی چار پانچ سال تک رہے مگر اس تھوڑی سی مدت میں انھوں نے وہاں ایک ذہنی انقلاب کی برقی لہر دوڑا دی یہ لہر کسی خاص زبان یا مذہب سے مخصوص نہیں تھی ہر طبقہ ہر زبان اور مذہب پر اپنا اثر ڈال رہی تھی ۔ مدرسوں میں انھوں نے ایسے ایسے مشاغل تفریح سامان اور دلچسپیاں پیدا کیں کہ بچے مدرسوں میں شریک ہونے کیلئے دور دور سے کھنچ کر آنے لگے ۔ مشاعرے وہاں ہوتے تھے نقلیں اور سوانگ وہاں بھرے جاتے تھے ۔ اور جسمانی ورزش اور اسپورٹس وہاں ہوتے تھے جب سالانہ جلسے ہوتے تو اکثر لوگ حیدرآباد اور دور دراز مقامات

www.taemeernews.com

سے شریک ہونے آتے تھے اور ان دونوں گھما گھمی اور چہل پہل رہتی تھی اُن کی قابلیت اور خاندانی تعلقات کی وجہ سے نواب سعادت جنگ بہادر سے اُن کے گہرے تعلقات تھے۔ مہاراجہ بہادر آنجہانی بھی عزیزوں کی طرح ان سے ملتے تھے۔ اس طرح سالار جنگ مرحوم اور حیدرآباد کے دوسرے اُمرا سے بھی خاص رسم وراہ تھی اور گہری بے تکلفی تھی سجاد مرزا صاحب نہایت سلجھے ہوئے آزاد خیال بااُصول انصاف پسند انسان ہیں اور کبھی وہ کسی کو رنج یا گزند پہونچانا نہیں چاہتے اور نہ کبھی وہ کسی سے لڑتے جھگڑتے مگر کوئی خدا کا بندہ مقابلہ پر اُتر آئے تو پھر جھکتے ہی نہیں خم ٹھوک کر میدان میں اُتر آتے ہیں۔

گلبرگہ ایک تاریخی مقام ہے اور آبادی کے لحاظ سے وہ ایک اچھا خاصا شہر ہے مگر آپ کو حیرت ہوگی کہ اس وقت تک وہاں ایک بھی مطالعہ یا کتاب خانہ نہیں تھا یہ ان کو کب گوارا تھا اِدھر اُدھر چکر لگا کر ایک نہایت خوشگوار دلفریب اور دیدہ زیب مقام ڈھونڈ نکالا جو تالاب کے کنارے سے تعلقداری کے بالکل سامنے شہر کے وسط میں واقع تھا انھوں نے فوراً کتب خانہ کی کارروائی شروع کردی اور اراضی قبضہ میں کر کے اس پر کتب خانہ عام کا پھریرا لہرا دیا۔ یہ چیز بعض خودغرض لوگوں کو ناگوار ہوئی۔ بعض نے اختلاف کیا، بعض نے ناک بھنویں چڑھائی چنانچہ ۱۲/جنوری ۱۹۲۸ء کو خود مہاراجہ بہادر تشریف لائے اور اپنے دستِ مبارک سے اس کا سنگِ بنیاد رکھ کر بڑی خوبی سے تصفیہ کر دیا اس وقت سے کتب خانہ کی عمارت تالاب کے کنارے کھڑی ہوئی تشنگان علم کی پیاس بجھاتی رہتی ہے۔ اور سجاد مرزا صاحب کی ہمت اور کوشش کی یاد تازہ کرتی رہتی ہے۔

بس اس سنگ بنیاد کے بعد ہی ۱۹۲۹ئ میں مہاراجہ بہادر کے حکم سے

www.taemeernews.com

ان کا تبادلہ حیدرآباد میں ہوا۔ گلبرگہ میں الوداعی جلسے ہوئے لوگوں نے نظمیں پڑھیں مگر ان سب میں نواب شہید یار جنگ بہادر کی نظم مجھے بہت پسند آئی وہ حقیقت میں ان کے اصلی کیرکیٹر اور کام لوگوں کے صحیح جذبات کی آئینہ دار ہے دو چار شعر مجھے اب بھی یاد ہیں آپ بھی سنیئے ؎

اے خلق کے نمونے سجاد نام تیرا
ہر شخص کے ہے دل میں پیارا مقام تیرا

ہر دم ہے مسکرانا فقرے نئے سنانا
حصہ فقط تھا بے شک وہ لاکلام تیرا

جبار ظالموں پر ستار خاطیوں کا
بے شک معین تیرا عبدالسلام تیرا

اللہ کے حوالے اے بندہ جانے والے
ہے حالِ دل میں کندہ سجاد نام تیرا

گلبرگہ سے یہ حیدرآباد گورنمنٹ ہائی اسکول چادرگھاٹ پر آئے اور مسٹر پکتھال سے انھوں نے جائزہ حاصل کیا۔ یہ پہلا موقع تھا جو ایک انگریز کا جانشین ہندوستانی ہوا اس کے بعد ۱۹۳۱ء میں ٹیچرس ٹریننگ کالج کے پرونیسر مقرر ہوئے۔ کسی کا شعر ہے ؎

کریں کیا سیر کعبہ کی جن میں ہو سو بت خانہ
یہاں تو مورتیں ہیں اور وہاں اللہ ہی اللہ ہے

اس وقت ٹریننگ کالج کا بھی صرف نام ہی نام تھا باہر تو ٹیپ ٹاپ تھی اور اندر رام ہی رام تھا۔ سجاد مرزا صاحب اب تک تو انتظامی معاملات اور علمی مضمونوں کو پورا کرنے کیلئے منہمک رہتے تھے مگر اب یہاں اور زیادہ علمی اور ذہنی کوششیں کرنی پڑی سب سے پہلے تو انھوں نے

www.taemeernews.com

ٹرینینگ کالجوں کی تنظیم کی پھر منصوبے بنائے اور انھیں پورا کرنے کیلئے آلات واسباب اور ایسے قابل افراد فراہم کیئے جن میں کام کرنے کی صلاحیت اور قابلیت تھی اس کے بعد ایم ایڈ کی کلاس کھولی اور ساتھ ہی ان خواتین کے ٹرینینگ کا بھی انتظام کیا جو بی اے کی تعلیم حاصل کر کے ٹرینینگ سے محروم رہ جاتی تھیں اب جو نظر اُٹھائی تو نصاب ادھورا اور ناقص پایا اسے مکمل کرنے کیلئے انگریزی زبان کے معیاری اور فنی ترجمہ کرنے کی ایک اسکیم بنائی اور ساتھ ہی ساتھ سلیس زبان میں اصطلاحات کے ترجمہ کرنے کی ایک الگ یونیاتیار کی اور پھر ہاتھ دھوکر اس کے پیچھے پڑ گئے۔

سجاد مرزا صاحب کا مطالعہ تھا نہایت وسیع۔ وہ، ہمیشہ کسی نہ کسی تحقیقی کام میں ڈوبے رہتے ہیں اُن کی کیفیت کی ایک مشین کی سی ہے جو، ہر وقت چلتی رہتی ہے اور کبھی نہیں رکتی چنانچہ تھوڑی سی مدت میں اُنھوں نے خود بھی چند معیاری کتابوں کا ترجمہ کر ڈالا اور ساتھ ہی ساتھ اپنی نگرانی میں کالج کے استادوں سے تقریباً چالیس معیاری کتابوں کا ترجمہ کروا کر سلسلہ تراجم عثمانیہ ٹرینینگ کالج کے عنوان سے چند ہی سال میں زیور طباعت سے آراستہ و پیراستہ کر کے شایع کرا دیا اور ساتھ ساتھ فن تعلیم کی اصلاحات بھی چھاپ کر شایع کر دی گئیں۔ یہ اردو میں ایک ایسا بیش بہا اضافہ ہے۔ جواب تک کسی دوسری ہندوستانی دیسی زبان کو نصیب نہیں ہوا۔ چنانچہ ان کی توصیف و تعریف میں ایسے ایسے ماہر اور ارباب علم و فضل رطب اللسان ہیں جن کی تصنیفی علمی دنیا میں سند مانی جاتی ہیں۔ جب تک اساتذہ اردو فنی تعلیم کے ذخیروں کی تلاش میں رہیں گے اُن کا یہ کارنامہ زندہ رہے گا۔ اور کتابوں کے دیباچے پڑھنے والوں کو اُن کے علمی جد و جہد کی کہانیاں سناتے رہیں گے

ٹرینینگ کالج کی پرنسپلی کے علاوہ یہ پہلے چیف انسپکٹر آف نارمل

www.taemeernews.com

اسکولس بھی ان ہی کے تحت میں تھے ان کی حالت بھی ابتدائی تھی ان اسکولوں کو نارملی حالت میں لانے کیلئے بڑی جدوجہد کرنی پڑی از سر نو ان کی تنظیم کی با ضابطہ ان کا نصاب تیار کیا اور ان میں ملکی زبانوں کی تدریس کا ایسے وقت انتظام کیا جبکہ ان زبانوں پر کافی توجہ نہیں دی جارہی تھی اس سلسلے میں اساتذہ کی ٹریننگ پر جو رپورٹ لکھی ہے وہ ماسٹر پیس ہے

ان کاموں کے علاوہ دوسرے اور کئی علمی کام بھی وہ لے رکھے تھے تعلیم بالغان سے انھیں خاص دلچسپی ہے اس کے متعلق انھوں نے حکومت کے پاس جو رپورٹ پیش کی ہے وہ دیکھنے کے لائق ہے اور، پانچ سال کی مدت میں ناخواندگی کے مہلک مرض کو نیست و نابود کرنے کیلئے جو منصوبے رکھے ہیں۔ وہ قابل عمل ہیں اس سلسلہ میں سجاد مرزا صاحب کی رہبری میں... تعلیم کے واسطے جو چارٹس ماڈل اور نقشے تیار ہوئے ان کی مانگ باہر بھی ہوتی تھی اور وہ ہندوستان کے مختلف صوبوں میں علمی کانفرنسوں اور تعلیمی مرکزوں میں لٹکتے ہوئے نظر آتے تھے دوسرے لکھے پڑھے ماہرین کو تو چھوڑ دو خود فندی جیسے اناڑی اور عامی سے انھوں نے اپنی نگرانی میں کئی چارٹس اور فنی کتابیں تیار کرائی جن کو آکسفورڈ پریس ادبیات اردو وغیرہ نے ہاتھوں ہاتھ لیں اور کافی رقم خرچ کرکے شائع کیں۔ سب سے پہلے تو مینو سالی تصنیف کا ترجمہ ہمارا نہد وستان کے عنوان سے کرایا جس کی خوبی اور نفاست ضرب المثل ہے اب تک اس کے ایڈیشن چھپتے چلے جارہے ہیں اور تعریفوں کا تانتا بندھا ہوا ہے۔ پھر رفیق اردو اور زرین حکایات کے نام سے مثنوی مولانا روم کے قصص کا ترجمہ کرایا جس کے متعلق ادبیات اردو کے ناقد ڈاکٹر زور لکھتے ہیں۔

www.taemeernews.com

مولوی عظمت اللہ بیگ صاحب نے بچوں کے فائدے کی خاطر اس مثنوی کا مرطالعہ کیا تو انہیں ایسی ایسی کہانیاں اور کام کی باتیں ہاتھ آئیں کہ ادبِ اطفال کا بڑے سے بڑا ماہر ششدر رہ جائے اور دنیا کو مولوی سجاد مرزا صاحب پرنسپل ٹریننگ کالج کا مرہون منت ہونا چاہیئے۔ واقعہ یہ ہے کہ پوری کی پوری کتاب، اُن کی دلچسپی اور ہمت افزائی کا نتیجہ ہے۔

غرض یہ کہ بیسیوں کتابیں لکھوا دی گئیں، بیسیوں چھپیں اور بیسیوں اب تک نظروں سے چھپی ہوئی ہیں۔ دیکھیں اُن کا کب نمبر آتا ہے۔

اس کے علاوہ اُنھوں نے تین رسالے جاری کیئے تھے سب سے اول رسالہ "المعلم" ہے جو ۱۹۲۴ء میں مولوی محمد حسین صاحب جعفری نے ان کی شرکت سے جاری کیا تھا اُس کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ یہ حیدرآباد کے ہاتھ کے بنے ہوئے کاغذ پر بڑی آب و تاب سے ہر ماہ نکلتا تھا اس میں غیر زبانوں کے ادبی جواہر ریزے اردو میں منتقل کیئے جاتے تھے جدید تعلیمی خیالات کی اشاعت کی جاتی تھی۔ نئے نئے الفاظ اور نئی نئی ترکیبیں تراشی جاتی تھیں۔ بے شک اردو لغت اور تدریسیات کے اصطلاحات کی سلسلہ جنبانی اسی کے بدولت ہوئی اور اردو رسم الخط اور ٹائپ کے بنیادی ابتدائی منازل کے ذریعہ منظرِ عام پر آئے ہیں اس میں اساتذہ کو اپنے خیالات کو، آزادی سے ظاہر کرنے کا موقع دیا جاتا تھا اور مطبوعات پر بے لاگ تبصرے ہوتے گئے۔

دوسرا ایک پندرہ روزہ پرچہ ۱۹۳۷ء میں "آپا" کے نام سے بچوں کیلئے جاری کیا تھا اس کے سب سے جو شیلے کارکن ملا فخر الحسن صاحب اور شیخ سمیع اللہ صاحب آرٹسٹ تھے جو آپا کے خدوخال اور نوک پلک بنانے میں مصروف رہتے تھے "آپا" کھیل میں بچوں کو تعلیم دیتی تھیں۔ چھوٹے چھوٹے قصے

www.taemeernews.com

اچھی اچھی کہانیاں اور دلچسپ نظمیں سناتی تھیں یہ اپنی نوعیت کا پہلا پرچہ تھا جو ایک ساتھ تلنگی اور مرہٹی زبانوں میں نکلتا تھا اور بچے بوڑھے مدت ختم ہونے سے پہلے آنکھیں پھاڑ سے اس کا انتظار کرتے رہتے تھے خدا معلوم کیا واقعات پیش آئے کہ پرچہ بند ہوگیا' ملا صاحب نے اس کا مرثیہ دھرگھسیٹا دو چار شعر سنیئے ؎

آئی تھی نہ بھرپور جوانی نہ بڑھاپا — ہے ہے میری آپا
افسوس تجھے کھا گیا غیروں کا جلاپا — ہے ہے میری آپا
جب ہم نے خبر پائی ہمیں چھوڑ چلی ہو — منہ موڑ چلی ہو
چھاتی پہ ہمارے ہوائی بم کا دھماکا — ہے ہے میری آپا
ہے شیخ کی مجلس میں صبح شام ترا ذکر — ملا کو تری فکر
سجاد تری یاد میں رہتا ہے تڑپتا — ہے ہے میری آپا

تیسرا جیت کا رسالہ تھا جو دوسری عالمگیر جنگ میں فوجیوں کیلئے جاری کیا گیا تھا اس میں شروع سے آخر تک ہنسنے ہنسانے کی باتیں ہوتی تھیں اور تھکے ماندے یا زخمی سپاہیوں کیلئے ایسا لٹریچر فراہم کیا جاتا تھا کہ ان کی پژمردگی کو دور کرے اور ان میں سکون کی لہر دوڑادے بس اسی زمانہ میں ۱۹۴۵ء میں سجاد مرزا صاحب نائب ناظم تعلیمات مقرر ہوئے۔ نیر صاحب نے فی البدیہ یہ تاریخ لکھی۔ احباب ہوں یا اقربا افسر ہوں یا زبردست مژدہ علا دیا سب کی مبارکباد نے نیر نے یہ مصرع کہا

سجاد نے "جیت" کے ایڈیٹر صاحب کو جو ہوش آیا تو انھوں نے بھی الٹی سیدھی ایک تاریخ لکھ دکادہ بھی سن لیجئے ؎

جیت کے دفتر میں پہونچی یک بہ یک ہم کو خبر
جیتو کو سن کر ہم خوشی سے کیا کہیں کیا ہوگئے

www.taemeernews.com

وہ جُٹے رہے علمی شغلوں میں رات دن
وقف اِن کاموں کو یا وہ سراپا ہو گئے

بیک اردو کیلئے لفظ اس ترکیب سے
ایسے وہ سمٹے کہ اردو کا خلاصہ ہو گئے

بیٹھے بیٹھے کر دیا ایجاد وہ آسان خط
سادگی پر جس کی سب خطاط شیدا ہو گئے

فصلی سنہ میں مصرع تاریخ ہم نے جو کہا
اُس میں شعبہ کے عدد لیکن زیادہ ہو گئے

مصرع تاریخ جب ملی کر پڑھا دو بار نے
عیسوی سنہ کے عدد پھر اس میں پیدا ہو گئے

مختصر یہ کہ بڑی تگ و دو سے یہ مصرع بنا
نائب ناظم سیئر سجاد مرزا ہو گئے

ان کی شخصیت میں بلا کی جاذبیت اور کشش ہے ایک مرتبہ ملنے کے بعد یہ غیر ممکن ہے کہ دوبارہ ملنے کی خواہش نہ ہو، گفتگو کا بھی خاص ڈھب ہے تصنع اور بناوٹ نام کو نہیں جب بات چیت کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ، خوش بیانی کا دریا اُمنڈ رہا ہے اس میں کہیں کہیں ظرافت اور خوش مذاقی کی چاشنی بھی ہوتی ہے جو ہنسی کے رگ پٹھوں کو گدگداتی رہتی ہے اور مردہ دلوں کو گدگداتی رہی ہے۔ اور پژمردہ دلوں کو شگفتہ کرتی رہتی ہے۔ اِن کی باتیں سُن کر ذہن اور جذبات میں جلا ہوتی ہے اور جب محفل سے اُٹھو تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم میں بھی کسی چیز کا اضافہ ہو گیا ہے اُن کا، دروازہ چھوٹے بڑے جوان بوڑھے اُستاد شاگرد اور عالم و جاہل سب کیلئے کھلا رہتا ہے ہر شخص بغیر کسی روک ٹوک کے آتا ہے جاتا ہے اور شفقت

www.taemeernews.com

گفتند و ہر خواستند کے ٹائم ٹیبل پہ عمل ہوتا رہا ہے۔

میں عموماً ہفتہ چھٹی کے دن ڈاکٹر غلام یزدانی صاحب سے ملتا ہوا کوئی گیارہ بارہ بجے کے قریب ان کے پاس جاتا ہوں تو اس وقت بھی اُن کا گھر، لوگوں سے بھرا ہوا پاتا ہوں اُن میں ہر مذہب و ملت کے لوگ نظر آتے ہیں۔ تعلیمات کے لوگوں کو تو چھوڑ دیجئے ایسے ایسے لوگ دکھائی دیتے ہیں جن کو تعلیمات سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے کسی کا مطمع ہے ؎

خط کا مضمون تاڑ لیتے ہیں لفافہ دیکھ کر

بس یہی کیفیت ان کی بھی ہے صورت دیکھتے ہی تاڑ جاتے ہیں۔ کہ کون کس کا دن آیا ہے کسی سے چار کے آگے بات کرتے ہیں۔ کسی کو نزدیک بلا کر کانا پھوسی کر لیتے اور کسی کو ڈرائنگ روم میں علیحدہ بیٹھا کر ملاقات کا موقع دیتے ہیں۔ اور جہاں تک جلد ممکن ہوتا ہے دامے درمے قدمے سخنے اس کی جائز امداد کر کے خدا حافظ کہہ دیتے ہیں اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی کہ فقیر کی جھولی میں کیا ڈالتا ہے اور کیا نکالتا ہے ذرا معاف کیجئے میں اپنی رو میں غلط لکھ گیا۔ ضرب المثل میں تو قدم کا لفظ ضرور ہے مگر یہاں آکر ذرا لڑکھڑا جاتا ہے اس لیے کہ وہ بہت دیکھ کر یہاں سے قدم اٹھاتے ہیں۔ عام صحبتوں میں شاذ نادر ہی شریک ہوتے ہیں اور پبلسٹی سے بہت گھبراتے ہیں۔ مگر دامے درمے اور سخنے تو سولہ آنے برابر ہے اس لیے کہ ذاتی طور پر ان کا دست سخا مستحق اور نادر طلباء کی امداد کیلئے ہر وقت کھلا رہتا ہے عزیزوں اور دوستوں کے ساتھ برابر کا سلوک کرتے رہتے ہیں اور لکھنے پڑھنے والوں کی بے دھڑک امداد کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض اوقات دوسروں کی جبین گرم کر کے خود خالی ہاتھ رہ جاتے ہیں۔

ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ ان کا دربار ہر وقت گرم رہتا ہے

www.taemeernews.com

ایک حلقہ ایسا ہی ہے۔ جس میں لکھنے پڑھنے والے کاروباری یا ماہر فن بھی ہیں۔ ان میں کوئی ترجمہ کرتا ہے کوئی کچھ لکھتا ہے کوئی تصنیف وتالیف میں مشورہ لیتا ہے کوئی حرفوں کی تراش خراش میں مصروف رہتا ہے کوئی ریفنج اور مُیرکس کا ہے اور کوئی بیسک خط کیلئے حرفوں کی کششوں اور دُموں کا قطع وبرید کو آتا رہتا ہے یہ سب کے سب اپنے اپنے کاموں میں جُٹے رہتے ہیں اور شہد کی مکھیوں کی طرح کام سے لگے رہتے ہیں سجاد مرزا صاحب نے ان سے بڑے بڑے کام لیئے ہیں ان میں سب سے پہلا کارنامہ تو بے شک ہندوستانی کا ہے یعنی جس طرح بے شک انگلش کے ماہروں نے انگریزی زبان کے کئی لاکھ لفظوں میں سے (۲۰۰) ایسے الفاظ چُن لیئے ہیں جو تمام باتوں پر حاوی ہیں بس اسی طرح انھوں نے بھی ۱۹۴۰ء میں ان ہی اُستادوں کی مدد سے اُردو ہندی کے ہزاروں لفظوں کے خزانے سے ایک ہزار لفظ ایسے چن لیئے ہیں جنھیں اگر ٹھیک طور پر کام میں لایا جائے تو اُن سے یہ مطلب ظاہر کیا جا سکتا ہے آپ فرمائیں گے کہ جب اردو یا ہندی موجود ہے تو پھر بے شک ہندوستان زبانوں کا گلدستہ ہے کیوں گل چینی گئی ہے تو بات یہ ہے کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ جہاں ہندوستان میں سینکڑوں زبانیں بولی جاتی ہیں اور اردو ہندی میں جو فرق ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اس خلیج کو پاٹنے کیلئے کام دے اور ہندوستانی کی ایک قومیت کا نشان ہی ہو اور دوسرا بڑا فائدہ یہ ہے کہ ہندوستانی نہ جاننے والے لوگوں کو کم سے کم دنوں میں آنا لکھنا پڑھنا اور بولنا سکھایا جائے کہ وہ اپنی روزمرہ کی زندگی کی باتیں کر سکیں لکھ پڑھ سکیں اور انھیں آگے چل کر اردو ہندی لٹریچر کی تعلیم پانی ہو تو آسانی سے حاصل کر سکے۔

دوسرا کارنامہ بے شک خط کی ایجاد ہے جس کو وہ خود اپنی زندگی کا

www.taemeernews.com

ایلا کارنامہ سمجھتے ہیں اُن کا کہنا ہے کہ اردو کا کوئی ایسا خط نہیں ہے پہلے اسے
لوگ دیوناگری میں لکھتے ہے پھر نستعلیق میں لکھنے گئے اور انگریزی آئے تو وہ
رومن رسم خط استعمال کرنے لگے عربوں نے عربی زبان کیلئے کوفی نسخ
ثلث اور رقاع وغیرہ ایجاد کیا فارسی زبان کیلئے یہ خط غیر موزوں ہے۔
ایرانیوں نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنالی اور فارسی زبان کیلئے،
نستعلیق اور شکستہ خط ایجاد کیا۔ ترکوں کو یہ سب خط اپنی زبان کیلئے
بے محل ثابت ہوئے تو انھوں نے ایرانی رسم خط ایجاد کیا اور جب اس
سے بھی کام نہ چلا تو لاطینی خط اختیار کر لیا جب یہ خط ہندوستان میں
آئے تو لوگوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ ایرانی رسم خط میں اردو کی کتابت شروع
کردی مگر تمام خط غیر زبان داں لوگوں اور بچوں کیلئے غیر دلچسپ خشک
اور مشکل ہیں۔ ان کی مختلف نشستیں جوڑ اور شوشے پریشانی زحمت اور
تضیع اوقات کا باعث ہوتے ہیں اور پھر یہ خط میں طباعت کے جدید ترین
اُصولوں کے مطابق میکانکی ضروریات پوری نہیں کرتے۔ اس لیئے بچوں کی نفسیات
کو مقدم رکھتے ہوئے انھوں نے اُردو کیلئے ایک ایسا خط ایجاد کیا جو سادہ
سہل اور خوش وضع ہونے کے علاوہ اس میں یکسانیت روانی اور آسانی
ہے حروف مشکل نہیں ہوتے کرسی ایک ہی رہتی ہے جوڑ کم ہیں۔ ٹائپ
آسانی سے بن سکتا ہے اور اب تک جو خط نکلے ہیں۔ ان تک آسانی کے ساتھ
رسائی ہو سکتی ہے یہ خط چلا اور خوب چلا بچوں نے پڑھا بوڑھوں نے
پڑھا۔ خوشنویسوں نے میدان قلم میں جگہ دی۔ ٹائپ ساز والوں نے لوہے
کے سانچوں میں ڈھالا اور فن کاروں نے موقع اور محل سے اس کا
استعمال شروع کر دیا۔ تیسرا کارنامہ بھی بیک ٹائپ ہے جو نو ایجاد
بے سیک خط کا نتیجہ ہے کہتے ہیں کہ سب سے پہلے چینیوں نے ٹائپ ایجاد کیا

www.taemeernews.com

مگر ان کے حرفوں کو جوڑ توڑ اور کلچر اس قدر تھے کہ وہ چین بھول گئے اور اپنا ایجاد کیا ہوا ٹایپ طاقِ نسیان پر رکھ کر بھول گئے۔ اس کے بعد گٹنبرگ نے جرمنی میں اور پندرہویں عیسوی کے آخر میں کیکسٹن نے انگلستان میں ٹایپ ایجاد کیا اور طباعتی دنیا میں ایک انقلاب برپا کر دیا اس وقت دنیا کے تمام مہذب زبانوں کے ٹایپ ہیں مگر نہیں ہے تو صرف بیچاری اُردو کا۔ اس چیز کو دیکھ کر سجاد مرزا صاحب پرانے اصولوں کو سامنے رکھ کر خط میں بنیادی تبدیلی کی اور اس سے ایک حرکت پذیر ٹایپ بنایا جو رومن ٹایپ کی طرح فل باڈی ہے۔ جوڑ کم ہیں۔ اور اس کا کا کمپوزنگ اور تقسیم میں کفایت اور سہولت ہوتی ہے دوسرے ٹایپ کے مقابلے میں گورنمنٹ آف انڈیا سے اس کا سرٹیفکٹ بھی حاصل کر لیا گیا ہے اور اس وقت بعض پرچوں میں اس سے طباعت بھی کی جاتی رہی ہے۔

سجاد مرزا صاحب نایب ناظم تعلیمات کے عہدہ پر رہے۔ بیدار لوگ خواب دیکھ رہے تھے کہ بہت جلد ناظم ہو جائیں گے۔ سب کے سب بڑے جوش و خروش کے ساتھ کام کر رہے تھے۔ تعلیمی اسکیمیں تیار ہو رہی تھیں اور کتابوں پہ کتابیں لکھی جا رہی تھیں مگر تماشا دیکھیے کہ اس وقت معتمدی تعلیمات کیلئے حکومت کی نظرِ کامران اور کارفرما کی تلاش میں تھیں ان پر نظر پڑی اور فوراً ان کا وہاں تقرر کر دیا گیا اور یہ نظامت کی کرسی پر چھلانگ مارتے ہوئے ایجوکیشنل سکریٹری بن گئے۔ مولوی عزیز مرزا صاحب ۱۹۰۷ء میں معتمد حکومت تھے اور فرزند پورے (۴۰) سال بعد ۱۹۴۷ء میں اپنے والد کے عہدہ پر جا پہونچا چلو حق بحقدار کی مثل صادق آئی اور صحیح معنوں میں وہ اپنے والد کا جانشین ثابت

www.taemeernews.com

ہوئے حکیم کمتر صاحب نے اپنے حکیمانہ انداز میں تاریخ لکھی۔ جس کا ہر مصرع

مظہر کی ڈِلی پہ سجا دکو ملی ہے کرسی جو تھی پدر کی   انھوں نے کہا

کوئی نئی آس میں فیصلی میں لکھنے بیٹھیں۔ تاریخ ہم جو کمتر نکلا زبان سے یکدم

خلف رشید نامی ۲۸ سال تک مسلسل سلسلہ ملازمت میں منسلک رہے زمانہ کے عروج و زوال دیکھے مغلائی دور دیکھا۔ انگریزی حکومت دیکھی، جمہوری سلطنت دیکھی طوفانی دور دیکھا۔ تاریک ظلمتیں چھائیں بادل منڈلائے، گھٹا ٹوپ گھٹائیں آئیں بگولے اٹھے طوفان خیز ہوائیں چلیں بڑے سے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے لوگوں سے سابقہ پڑا۔ ہر قوم، ہر جماعت اور ہر مذہب کے لوگوں کے ساتھ شیر و شکر ہو کر رہے۔ مگر امن مخملی نے دھبہ اور طبیعت نے کوئی اثر قبول نہ کیا ان کی مثال ایک قازکی سی ہے جو پانی میں رہتی ہے طوفان اور موجوں سے کھیلتی ہے پانی میں غوطے پر غوطے مارتی ہے اور جب اڑتی ہے تو پیروں پر پانی کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

اخبار سیاست سے ماخوذ کیا گیا

www.taemeernews.com

تاثرات

ڈاکٹر زینت ساجدہ سابق صدر شعبہ اردو عثمانیہ یونیورسٹی

عصمت اللہ بیگ بڑے خوش باش، خوش فکر اور خوش گفتار آدمی تھے اور یہی رنگ ان کی نظم اور نثر میں جھلکتا ہے وہ دلی کے اس گھرانے سے تعلق رکھتے تھے جس کو غالب اور مومن سے نسبت تھی اور جس نے خواجہ امان مترجم بوستان خیال کو جنم دیا تھا۔ مرزا فرحت اللہ بیگ ان کے چچازاد بھائی تھے جن کی ظرافت نے اردو میں ایک نیا رنگ پیدا کیا۔

عصمت اللہ بیگ بھوپال میں پیدا ہوئے۔ جہاں ان کے والد ڈاکٹر تھے لیکن صغر سنی ہی میں دہلی چلے گئے اور وہاں سے حیدرآباد پہنچے۔ ابتداء میں سررشتہ تعمیرات سے وابستہ تھے لیکن بعد میں نواب مسعود جنگ کی سفارش پر دارالطبع میں منتقل ہوگئے تھے۔ انھیں نجوم، رمل، جفر اور مصوری سے گہرا لگاؤ تھا۔ نجوم پر تو "آسمان کے بھید" کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی تھی۔

عصمت مرحوم شاعر بھی تھے اور نثر نگار بھی۔ شاعری میں وہ اکبر اور حالی سے متاثر تھے اور طنز و ظرافت سے اصلاح کا کام لیتے تھے۔ حکیم معشوق علی خاں کی صحبت میں ضلع جگت، رعایت لفظی، تصنعات و تکلفات کا چسکا لگ گیا تھا۔ جو ان سے کبھی نہ چھوٹا۔ ان کی تصانیف نظم و نثر میں انوار تبسم، حکیم معشوق علی خاں جوہر، کاک ٹیل، زرین حکایات، ایسوپ کی کہانیاں،

(۱) والا ان جھکڑ، حیات سعدی وغیرہ قابل ذکر ہیں انھیں ترجمہ کا بھی اچھا ملکہ تھا خطوط اور غلط
(۲) ہمارا ہندوستان اسکا بہترین ثبوت ہیں انکے مزاحیہ مضامین میں بو سہ اور حکیم جی کا مصب بہت مشہور ہیں
۱۹۵۸ء "حیدرآباد کے ادیب" مطبوعہ آندھرا پردیش ساہتیہ اکیڈیمی)

www.taemeernews.com

تاثرات

بڑی مسرت کی بات ہے کہ ہمارے شہر حیدرآباد کی ایک معزز ہستی نواب میر طاہر علی خان صاحب کی زیر سرپرستی ہمارے ملک کے مایہ ناز مزاحیہ ادیب میرزا عصمت اللہ بیگ کے چند منتخب شگفتہ مضامین کا ایک مجموعہ "متاعِ ظرافت" کے نام سے کتاب کی صورت میں زیور طباعت سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر پیش ہے۔

اردو ادب میں مزاح اور طنز کا عنصر آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ یہ حقیقت ناقابلِ انکار اور قابلِ ذکر ہے کہ مرزا عصمت اللہ بیگ صاحب نے اپنی ساری عمر مزاحیہ ادب کی تخلیق میں گذار دی۔ ان کا نام اردو ادب میں بہت ارفع و اعلیٰ ہے، انھوں نے جو بیش بہا سرمایہ اپنے پیچھے چھوڑا ہے اس کی اشاعت و طباعت کی ذمہ داری عصمت میموریل پبلی کیشن کمیٹی حیدرآباد کے سر ہے امید کہ اس ذمہ داری سے عہدہ برا ہونے کی ہر آور سعی کرے گی اور اہل ذوق حضرات اس کتاب "متاعِ ظرافت" کو شوق اور جذبہ سے پڑھیں گے اور ملک کے ایک عظیم ادیب کو نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کا یہی ایک واحد طریقہ ہے۔

ایس اے شکور
قائد کانگریس آئی

فیروز گاندھی نگر،
آصف نگر، حیدرآباد

www.taemeernews.com

حرفِ آخر

مرزا عصمت اللہ بیگ نے دہلی کے علمی گھرانے میں آنکھیں کھولیں وہ اُردو تہذیب اور ہندوستانی کلچر کا عطر مجموعہ تھے۔ اُن کی شخصیت اور فکر و فن میں شمال اور دکن کا خوشگوار امتزاج تھا وہ عہد عثمانی کے منتخب باکمال اور قادر الکلام ادیب، شاعر، معلّم انسانیت اور طنز و مزاح کے شگفتہ کار مصنف اور انشائیہ نگار تھے۔ درجنوں کتابیں تصنیف و تالیف کیں۔ رسائل جاری کئے، بچوں اور بالغوں کیلئے صالح ادب کی تخلیق کی۔

"متاعِ ظرافت" مرزا عصمت اللہ بیگ کی منتخب نثری تحریروں کا البم گلدستہ ہے جسے پڑھ کر مرزا صاحب کی ذہانت و فطانت، شگفتگیٔ طبع اور اُردو کا نیز قومی شعور سے اُن کی گہری وابستگی کا اندازہ ہوتا ہے ؎

زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

عصمت میموریل پبلی کیشنز کمیٹی نے حضرت عصمت کی تین کتابیں شائع کر کے عصمت شناسی کا ثبوت دیا، جن میں "انوارِ تبسّم" "انوارِ ظرافت" اور "گنجینۂ ..." شامل ہیں۔ چوتھی کتاب "متاعِ ظرافت" باذوق اصحاب کی جناب میں پیش ہے

حضرت عصمت کی شگفتہ اور سدابہار تحریروں کا یہ مجموعہ یقین ہے ادبی دنیا سے خراج حاصل کرے گا۔

ایوانِ اُردو پنجہ گٹہ روڈ
حیدرآباد۔ ۵۰۰۰۸۲

وقار خلیل
۲۸/ فروری ۱۹۸۵ء

اظہار تشکر

[redacted] مخلص کرم فرما جناب چندر سری واستوا صاحب سکریٹری ، ڈائرکٹر اردو اکیڈیمی آندھرا پردیش کا خصوصیت سے شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتے ہیں جنہوں نے دامے ، درھمے اور سخنے اس کتاب « متاع ظرافت » کی اشاعت میں بڑا تعاون فرمایا ، ورنہ موصوف کے پرخلوص تعاون کے بغیر اس کتاب کی اشاعت ممکن نہ ہوتی ۔

صدر نشین عصمت میموریل پبلیکیشن کمیٹی ، حیدرآباد

www.taemeernews.com

Shri Nawab Taher Ali Khan

CHAIRMAN

A. P. Minorities Congress

www.taemeernews.com

Shri Khaja Mohiuddin

CHAIRMAN

Congress for National Solidarity Hyderabad

www.taemeernews.com

Shri Mirza Ismatullah Baig

HUMORIST WRITER

www.taemeernews.com

سوانح حیات
میرزا عصمت اللہ بیگ

از : میرزا صبغتہ اللہ بیگ (فکر حیدرآبادی)

فاؤنڈر سکریٹری : عصمت میموریل پبلیکیشنز کمیٹی حیدرآباد

میرزا عصمت اللہ بیگ ، دہلی کے ایک شریف اور معزز ادبی اور علمی گھرانے میں ۳۰ - مارچ ۱۸۹۶ء میں پیدا ہوئے ، میرزا غالب دہلوی سے رشتہ داری تھی میر مومن خان مومن سے قرابت داری تھی ، خواجہ امان « مترجم بوستان خیال » سے نسبت تھی . میرزا فرحت اللہ بیگ دہلوی کے چچا زاد بھائی تھے . جنکی ظرافت نے اردو ادب میں ایک نیا رنگ اور انداز پیدا کیا ۔

عصمت اللہ بیگ صغیر سنی ہی سے حیدرآباد پہونچے نواب مسعود جنگ بہادر کی تجویز پر دارالترجمہ جامعہ

www.taemeernews.com

عثمانیہ سے وابستہ ہوگئے ۔ عصمت اللہ بیگ ، شاعر بھی تھے نثر نگار بھی تھے ، شاعری میں حضرت اکبر الہ آبادی اور مولانا الطاف حسین حالی سے بیحد متاثر تھے طنز و ظرافت سے قومی اصلاح کا کام لیتے تھے ، کلیم معشوق علی خاں جوہر کی صحبت میں ضلع جگت رعایت لفظی ، تصنیفات و تکلفات کا چسکا لگ گیا تھا ۔ عصمت اللہ بیگ کی تصانیف میں رفیق اردو داں ہمارا ہندوستان ، زرین حکایات ، حکایات جامی و سعدی ، فاقہ کیوں ؟ آسمان کے بھید ، کاک ٹیل کافی مقبول ہیں ۔ عصمت میموریل پبلیشنگ کمپنی کی تشکیل کے بعد سے اجتک انوار تبسم ، انوار ظرافت ، ہمارا پنج سالہ منصوبہ ، گنجینہ جوہر اور اب متاع ظرافت کے نام سے عصمت اللہ بیگ کے منتخب شگفتہ اور سدا بہار نگارشات کا ایک مجموعہ زیور طباعت سے آراستہ کیا ہے جو یقین ہے کہ اہل ذوق سے خراج تحسین حاصل کرے گا ۔

عصمت اللہ بیگ حیدرآباد آکر یہیں ملازم ہوئے ، یہیں شادی ہوئی ، یہیں پنشن ہوئی اور یہیں پر ۲۸ ۔ مارچ ۱۹۵۴ء میں انتقال کیا اور یہیں میرزا فرحت اللہ بیگ کے قریب « الہی چمن » کی خاموش فضاء میں آرام سے سو رہے ہیں ۔

www.taemeernews.com

متاعِ ظرافت

مضامین

مرزا عصمت اللہ بیگ مرحوم

ترتیب

وقار خلیل